بسمہٖ تعالیٰ

جواہر السلوک

تصنیف انیف

زبدۃ العارفین الحاج الحافظ اعلیٰحضرت مرشدنا و مولٰنا سید شاہ
عبد اللطیف قادری المعروف بہ سید شاہ محی الدین نقوی المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مرتبہ

افضل العلماء ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری قادری کڈپوی

(فاضل لطیفیہ)

استاذ دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواھر السلوک

تصنیف انیف

زبدۃ العارفین الحاج الحافظ اعلیحضرت مرشدنا ومولانا

سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف سید شاہ محی الدین نقوی المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مرتبہ

فضل العلماء ابوالمکارم سید مصطفی حسین بخاری کڈپوی

(فاضل لطیفیہ)

استاذ دارالعلوم لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف،

مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز۔

شائع کردہ: دار التصنیف والاشاعت مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

سنہ ۱۳۹۸ھ سنہ ۱۹۷۸ء

زیرِ ظلِ حمایت و سرپرستی

تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب

قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

زیرِ اہتمام و نگر :

فضیلت انتساب حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب

قبلہ قادری مدظلہ العالی المعروف بہ میران پاشاہ صاحب

و

فضیلت مآب حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب

قبلہ قادری مدظلہ العالی بی۔اے ناظم دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

شائع کردہ: دار التصنیف و الاشاعت مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ ویلور

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس بنگلور ۲ -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جواہر سراج جواہر السلوک

۱	آغاز سخن	افضل العلماء سید مصطفیٰ حسین بخاری قادری	
۲	مقدمہ	الحاج مولانا مولوی محمد حسین صاحب	
۳	نقشہ جنت البقیع		
۴	قصیدۂ لامیہ	ازشاہ عبدالقادر صوفی علیہ الرحمہ	
۵	مقدمہ صاحب کتاب		۱
۶	فائدہ اوّل	درمراتب طبقات مردم علیٰ اختلاف درجاتھم	۵
۷	فائدہ دوم	معرفت نفس کلید معرفت حق است	۱۳
۸	فائدہ سوم	درانواع سفر	۲۳
۹	فائدہ چہارم	مسافران راہ حق بردو قسم اند - یکی حکماء وعلماء دوئیم عرفاء واولیاء	۳۵
۱۰	فائدہ پنجم	درسفر حق وسفر العبد	۴۳
۱۱	فائدہ ششم	درقوس نزولی وقوس عروجیٔ وجود	۴۹
۱۲	فائدہ ہفتم	درقوس عروجی وقوس نزولی سفر العبد	۵۹
۱۳	فائدہ ہشتم	دراحکام وخواص طور ولایت وطور نبوّت	۹۴
۱۴	فائدہ نہم	درحب عشقی ای راہ ولایت ودرحب ایمانی - ای راہ نبوت	۱۲۵
۱۵	فائدہ دہم	دراسفار اربعہ دائرۃ الوجود وفیما یتعلق بہا	۱۴۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

آغازِ سخن

ہر دور میں جواہرات کی ایک خاص عظمت اور اہمیت ہوتی ہے۔ ان پر صدیاں بیت جانے کے باوجود نہ ان کی آب و تاب میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ ہی قیمت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ ہر طبقہ کا آدمی شاہ و غریب، امیر و فقیر، ہر ایک ان کا دلدادہ ہوتا ہے۔ گلوں کے ہار اور تاجوں کے نگ بننا ان کی قسمت ہوتی ہے۔ ان سے پھوٹنے والی تیز روشنی رات میں دن کا سماں پیش کرتی ہے۔ ان کا وجود گھروں کو بقعۂ نور بنا دیتا ہے۔
—— لیکن ان سے کہیں زیادہ قیمتی عظمت اور اہمیت کے مالک وہ جواہرات ہوتے ہیں جن کی روشنی نہ صرف ظلماتِ نفسانی میں شب چراغ کا کام دیتی ہے بلکہ ایک گم کردۂ راہ طریقت کو جادۂ مستقیم پر لے آتی ہے جس کی بدولت وہ اپنے صحیح مقام سے متعارف ہوتا ہے اور اپنے مقصود کو پا لیتا ہے —— کتاب مستطاب **جواہر السلوک** میں زبدۃ العارفین الحاج الحافظ اعلیحضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ سید شاہ محی الدین نقوی المشہور بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز نے علم و معرفت کے بیش بہا گوناگوں جواہرات کو جمع کرکے اسے ایک بےمثال گنجینۂ جواہر بنا دیا ہے۔ ان سے نکلنے والی تیز روشنی سالکِ طریقت کو ظلماتِ نفسانی میں یقیناً شب چراغ کا کام دیگی۔ اس روشنی میں وہ بے خوف و خطر منزلِ حقیقت کی طرف رواں دواں ہوگا اور اپنے مقصود و مطلوب کو پاکر زندۂ جاوید ہو جائے گا۔

جواہر السلوک حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کی دیگر تصانیف کے علاوہ علم تصوف اور فن سلوک میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور کتاب ہے جس کو آپ نے ۱۲۸۱ھ میں مکمل کیا تھا۔ یہ آپ کی بے پایاں جد و جہد اور فضل و کمال کا ثمرہ ہے جو ایک بےمثال شاہکار کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کتاب میں آپ نے مختلف معرکۃ الآرا و نادر و نایاب کتابوں کے حوالوں سے تصوف و سلوک کے تقریباً تمام مسائل کو پیش کرکے دنیائے تصوف پر احسان عظیم کیا ہے۔

اس عظیم الشان کتاب کے ترجمہ کی سعادت میرے لئے کسی بھی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ تھی، جس وقت یہ ناچیز بزرگانِ مکانِ حضرت قطب ویلوری قدس سرہٗ کی سرپرستی میں علامہ شاکر نائطی علیہ الرحمہ کے ترجمہ کو متن کے ساتھ ترتیب دے رہا تھا یہ خواہش دامنگیر ہوئی کہ کم از کم دس فائدوں کو مکمل کردیا جائے۔ لہٰذا اللہ کا نام لیکر نویں فائدے کے تقریباً نصف حصہ کی اس عبارت "نیز بایدِ دانست کہ اقوال وافعال الخ" سے ترجمہ کرنا شروع کردیا۔ الحمدللہ دس فائدے مکمل ہو گئے۔ مزید چوبیس فائدوں کا ترجمہ بھی ہوگیا۔ اس وقت بقیہ چھے فائدوں کے ترجمہ کا کام جاری ہے۔ انشاءاللہ وہ بھی عنقریب مکمل ہو جائے گا۔

اردو داں طبقہ کیلئے مذکورہ کتاب کو ترجمہ کے ذریعہ حتی الامکان آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قدیم حواشی کے علاوہ جدید حواشی کا اضافہ کردیا ہے جن کی تمیز کے لئے اردو عبارت پر حاشیہ کی علامت لگادی ہے۔ نیز آیاتِ قرآنیہ کے تراجم سورتوں کے نام اور رکوع نمبر کے ساتھ بڑھادئے ہیں بعض مقامات پر مثنوی معنوی کے اشعار کے ترجمے میں "پیراہنِ یوسفی" جو اس کا منظوم ترجمہ ہے اسکے اشعار رکھ دئے ہیں تاکہ ترجمہ اور دلچسپ ہوجائے۔ کتاب سے متعلق ایک بسیط معلومات سے بھرپور مقدمہ کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے جو مولانا مولوی الحاج محمد حسین صاحب ایم اے ناظم جامعہ عربک کالج پرمبور مدراس وسابق پرنسپال عثمانیہ کالج کرنول کی سعی بلیغ اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ مزید یہ کہ کتاب کے شروع میں جنت البقیع کا نقشہ بھی لگادیا گیا ہے اور تیر کے نشان کے ذریعہ حسب منشاء کتاب حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کے مزار پاک کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

ناچیز اپنے پیرومرشد تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز اور آپ کے برادرانِ عزیز فضیلت انتساب حضرت مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی، فضیلت مآب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی بی اے ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کا بے انتہا ممنون ومشکور رہے کہ خاکسار کو اس سعادت کے قابل بنایا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری محنتوں کو قبول فرمائے، اور سعادت دارین سے نوازے۔ آمین۔

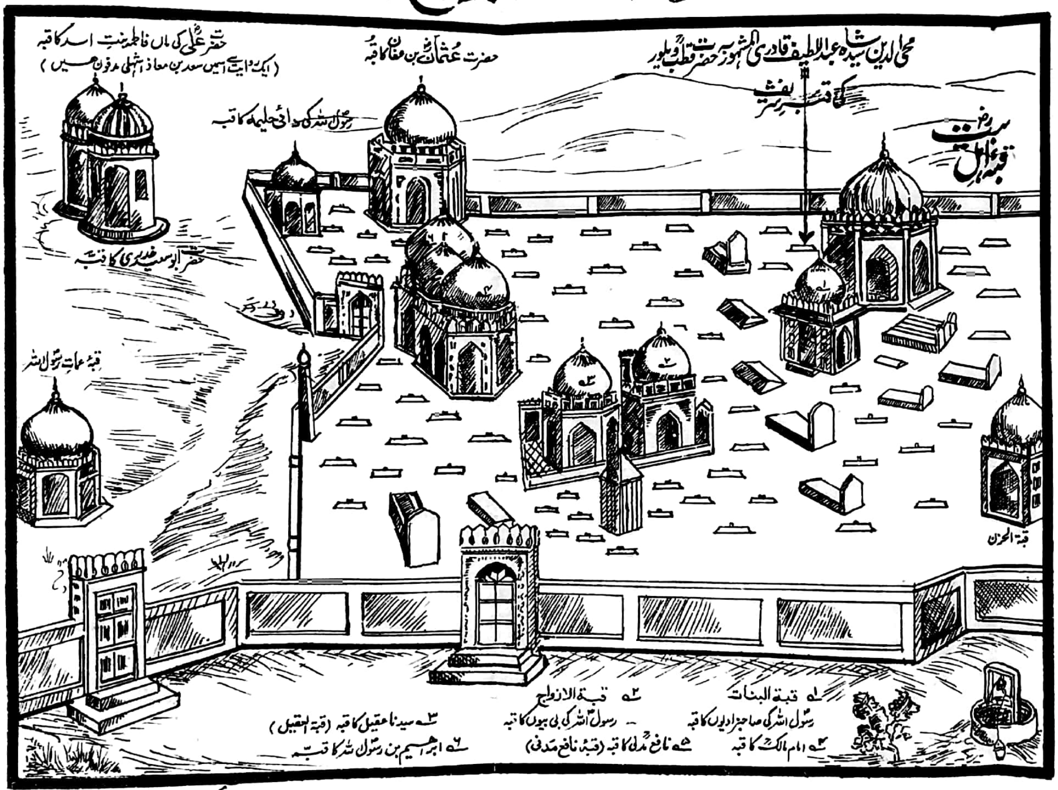
بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

ہیچمدان

(افضل العلماء ابوالمکارم سید مصطفٰے حسین) بخاری (قادری) عفا اللہ عنہٗ

جنّتُ البقیع



ماخوذ از "سکینۃ المدینۃ" مطبوعہ ۱۳۲۷ھ مقرحم

قبۃ الحزن اس مقام میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد بیٹھیں رویا کرتی تھیں۔ ایک روایت سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ یہیں مدفون ہیں۔ لیکن اس میں قبر کا نشان نہیں۔

قبۂ اہل بیت

اس میں مندرجۂ ذیل حضرات مدفون ہیں :-

(۱) فاطمۃ الزہراؓ بروایت صحیح (۲) عباسؓ رضی اللہ عنہ حضورؐ کے چچا

(۳) امام حسنؓ (۴) امام زین العابدینؒ (۵) امام محمد باقرؒ

(۶) امام جعفر صادقؒ (۷) سر مبارک امام حسین علیہ السلام

(۸) امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (بروایت زبیرؓ ابن بکار)

قبۃ البنات

اس میں حضرت زینبؓ، رقیہؓ اور کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن، حضورؐ کی صاحبزادیاں مدفون ہیں۔

قبۃ الازواج اس میں سوائے حضرت خدیجہؓ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مدفون ہیں۔

قبۃ العقیل

اس میں عبداللہ بن جعفر طیار، سفیان بن الحارثؓ اور ایک روایت سے عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم مدفون ہیں۔

قبہ نافع مدنی

اس میں نافعؒ مدفون ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نافع سے مُراد امام القراء نافع مدنی ہیں، اور بعض کہتے ہیں نافع مولا عبداللہ ابن عمرؓ راوی احادیث ہیں۔ ایک روایت سے عبدالرحمٰن اوسط ابن عمر ابن الخطابؓ جن کی کنیت ابو شحمہ تھی، مدفون ہیں۔

مطبوعہ یکٹرز قومی پریس سبنگلور

ابن قصیدۂ لامیہ تاریخ کتاب مستطاب جواہر السلوک

از

عقیدتمند خفی و جلی میرزا عبدالقادر علی عفی عنہ

بحضور فیض گنجور حضرت اُستاذی و مرشدی مدظلہ العالی

بگذرد

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

بَدَأتُ بِحَمْدِ مَنْ هُوَ ذُو التَّعَالِ عَلَيْنَا حَمْدُهُ فِي كُلِّ حَالِ

اُصَلِّي عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ وَكُلِّ الْاٰلِ وَالصَّحْبِ الْاَعَالِ[1]

وَبَعْدُ فَقَالَ عَبْدٌ ذُو الْمَعَاصِي كَثِيْرُ النَّدَمِ مِنْ سُوْءِ الْفِعَالِ

وَحِيْدُ الدَّهْرِ مَوْلَايَ وَشَيْخِي[8] وَشَيْخُ الْعَصْرِ قُطْبُ الْوَقْتِ عَالِ[2]

اِمَامٌ سَيِّدٌ سَنَدٌ فَخِيْمٌ هُمَامٌ ذُو الْكَرَامَةِ وَالْمَعَالِ[3]

وَلِيُّ ابْنُ الْوَلِيِّ ابْنِ الْوَلِيِّ اَبُو الْبَرَكَاتِ وَالْمَجْدِ الْجَلَالِ[4]

نَبِيْلٌ عَارِفٌ بِاللّٰهِ سَامٍ شُهُوْدًا يَشْرَبُ كَأْسَ الْوِصَالِ

لَهُ التَّحْصِيْلُ فِي جَمْعِ الْعُلُوْمِ لَهُ التَّكْمِيْلُ فِي كُلِّ الْكَمَالِ

لَهُ بَاعٌ طَوِيْلٌ فِي الْمَعَارِفِ لِاَرْبَابِ الْحَقَائِقِ خَيْرُ وَالِ[6]

لَهُ سَيْرٌ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ فِي اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ الْبَقَا وَالْاِتِّصَالِ

فَفِي الْعِرْفَانِ لِلْعُرَفَا مَآبٌ وَفِي التَّحْقِيْقِ لِلْعُلَمَا مَآلِ

وَفِي الْوِجْدَانِ وَالْعِلْمِ اللَّدُنِّي وَفِي تَنْقِيْحِهِ مَوْلَى الْمَوَالِ[7]

اَقَامَ السُّنَّةَ التَّوْحِيْدَ اَحْيٰى وَقَلَعَ الشِّرْكَ وَالْبِدَعَ الضَّلَالِ

لَهُ فِي الْخَافِقَيْنِ عُلُوُّ شَانٍ لَهُ الْمَنْصُوْبُ رَايَاتُ الْجَلَالِ[5]

کروں حمد و ثنائے ربّ متعال ہے جسکی حمد واجب ہم پہ ہر حال

درودِ حق نبیؐ پر ہو و ہم سے بھی سب آل و صحابہ پر ہو ان کے

کہے بعد اس کے یہ بندہ گنہگار گناہوں سے جو شرمندہ ہے بسیار

کہ میرا پیر ہی فردِ یگانہ جو شیخِ عصر ہے قطب زمانہ

امام و سید و سندِ معظّم ہمام و ذو الکراماتِ مکرّم

ولی ابن ولی ابن ولی ہے بزرگی اسکی اور برکت بڑی ہے

محقّق عارف باللہ ذو الاکرام کہ پیتا ہے شہود و وصل کا جام

ہے سب علموں کی بے شک اسکو تحصیل اُسے سارے کمالوں میں ہے تکمیل

معارف میں کمال اس کو بڑا ہے بھی وہ اہلِ حقائق کا پناہ ہے

اُسے سیر الی اللہ اور فی اللہ بقا باللہ ہے اور قربِ درگاہ

ہے وہ عرفاں میں مرجع عارفوں کا کرے تحقیق علم اُس سے ہے علماء

لدُنّی علم کی اور علم وجدان کئے تنقیح اُس سے اوستاداں

کیا ہے زندہ توحید اور سنّت اکھیڑا بیخ سے شرک اور بدعت

ہے اسکو دو جہاں میں شانِ الا بزرگی کے علم ہیں اُسکے برپا

---

[1] الاعالی [2] عالی [3] معالی [4] بزرگیہا [5] بالضم بزرگ [6] پناہ [7] موالی [8] بالفتح بزرگی۔

كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خِلْعِ الرِّضَاءِ	كُسَى التَّشْرِيْفِ وَالرُّتَبِ الْعَوَالِ[1]	پہنائی حق اُسے خلعت رضا کی	بھی عالی مرتبے اس کو عطا کی
وَتَاجَ الْقُرْبِ تَوَّجَهُ وَجَعَلَهُ	لِاِقْلِيْمِ الْمَعَارِفِ نِعْمَ وَالٍ[2]	بھی تاج قرب دیکر اسکو رحمان	کیا ہے بادشاہِ ملکِ عرفان
لَآلِي فَيْضِهِ الْاَقْطَارَ كُلًّا	تَلَأْلَأَ كَالْكَوَاكِبِ فِي اللَّيَالِ[3]	دُرِ فیض اُسکے ہیں ملکوں میں رخشاں	فلک پر جوں ستارے شب میں تاباں
لِمَدْحِهِ لَا يَفِي نَظْمٌ وَنَثْرٌ	مَدِيْحُهُ فَوْقَ كُلِّ مِنْ مَقَالٍ	نہ اسکی مدح نظم و نثر اندر	سماویگی کہ ہے کہنے سے برتر
مَنِ اسْتَوْفَى مَدِيْحَهُ يَنْبَغِيْهِ	مِنَ الْمُدَّاحِ اَحَدًا لَا تَنَالِ	کہ اسکی مدح ہو جیسے سزاوار	جو لکھا ہو نہیں پاوے تو زنہار
فَمَنْ عَادَاهُ مِنْ اَهْلِ الشِّقَاقِ	وَمَنْ فِيْ قَلْبِهِ دَاءُ عِضَالٍ[4]	عداوت جو کیا بدبخت اس سے	بھی ہووے دل میں مرض سخت جسکے
فَاِنَّهُ كَانَ مِمَّنْ حَارَبَ اللّٰهَ	لَهُ فِي الْحَشْرِ اِدْرَاكُ النَّكَالِ	کیا اللہ سے وہ جنگ و پیکار	عذاب حشر پاویگا وہ بدکار
اَدَامَ اللّٰهُ ظِلَّ الشَّيْخِ دَوْمًا	وَيَجْعَلُهُ الْمَصُوْنَ عَنِ الزَّوَالِ	رکھے حضرت کا سایہ حق سلامت	بھی دور اس سے رکھے ہر ایک آفت
لَقَدْ اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِيْنَ	فَشَمْسُهُ لَا تُطَفِّلُ[5] لَا يَزَالِ	ڈوبے خورشید اگلے اولیا کے	الٰہی آفتاب اُس کا نہ ڈوبے
بَقِيَ اَثَرٌ مِنَ السَّلَفِ الْكِبَارِ	عَلَيْنَا دَامَ مَمْدُوْدَ الظِّلَالِ	بزرگانِ سلف کا ہے بقیہ	دراز اس کا ہو یارب ہمیو سایہ
لَهُ هٰذَا الْكِتَابُ الْمُسْتَطَابُ	لَهُ هٰذِي الْجَوَاهِرُ وَاللَّآلِ[6]	کتابِ مستطاب یہ ہے اُسی کی	ہے اسکی بحرِ فیضاں کے لآلی
كِتَابٌ اَعْظَمُ مَا صُنِّفَ	فِيْهِ نَفْعًا وَاخْتِصَارًا فِي الْاِمْلَالِ	یہ اُس فن کے کتب میں معتبر ہے	مفید و مستند اور مختصر ہے
فَفِيْ ذِكْرِ الْمَنَازِلِ فِي السُّلُوْكِ	اِلَى اللّٰهِ الَّذِيْ ذُوالتَّعَالِ[7]	بیاں میں راہِ حق کے منزلوں کے	مقاماتِ سلوک ان کے ہیں کہتے
وَفِيْ حَلِّ الرُّمُوْزِ الْمُعْضِلَاتِ	بَدِيْعُ النَّثْرِ كَالسِّحْرِ الْحَلَالِ	بہ حل رمز و اسرارِ نہانی	عجائب نثر ہے جادو بیانی
صَغِيْرُ الْحَجْمِ فِي الْمَعْنٰى غَزِيْرٌ	وَلَا حَرْفٌ مِنَ الْاَسْرَارِ خَالٍ	ضخامت کم ہے پر معنی ہیں بسیار	نہ کوئی حرف ہے خالی از اسرار
وَاَوْرَدَ فِيْهِ مَا احْتَاجَتْ اِلَيْهِ	مِنْ اَنْوَاعِ الشَّوَاهِدِ وَالْمِثَالِ	ضروری جو ہیں سندیں اور مثالیں	بڑی تحقیق سے لائے ہیں اس میں
فَلَا مَتْنٌ بِاِيْجَازٍ مُخِلٌّ	وَلَا شَرْحٌ يَقُوْدُ اِلَى الْمَلَالِ	نہ ایسا متن موجز جو مخل ہو	نہ ایسی شرح جس سے تنگ دل ہو
عَلَى النُّكَتِ الْغَرَائِبِ وَاللَّطَائِفِ	خَبِيَّاتُ السَّرَائِرِ ذُوْ اشْتِمَالِ	لطائف اور نکات اسمیں ہیں نادر	ہیں اس میں مندرج مخفی سرا اثر
سَرَائِرُهُ كَحُوْرٍ فِي الْخِيَامِ	لَمْ يَطْمِثْهُنَّ قَبْلَهُ مِنْ رِجَالٍ	ہیں جیوں خیموں میں جو اسرار اس کے	چھپا جن کو نہ کوئی حضرت کے آگے
يُرَوِّقُ النَّظَرَ يَجْلُوْ صَدَأَ قَلْبٍ	هُدًى لِلضَّالِّيْنَ عَنِ اعْتِدَالٍ	نظر خوش آوے زنگ دل نکالے	جو رہ بھٹکے ہوں ان کو رہ دکھاوے

[1] عوالی [2] ای بادشاہ [3] لیالی [4] من امراض الشقاوت [5] غروب شدن آفتاب

[6] اللآلی [7] التعالی۔

بِهٖ تُرْهَفُ بَصَائِرُ سَالِكِيْنَ	يُنَوَّرُ مِنْهُ اَلْبَابُ الْاَهَالِ[1]	بصیرت سالکوں کی تیز کردے	بھی ان کے عقل کو وہ نور بخشے
طَرِيْقٌ خَيْرُ طُرُقِ السَّالِكِيْنَ	فَمَنْ يَّسْلُكْهُ صَانَ عَنِ الضَّلَالِ	یہ بے شک سالکوں کی نیک ہے رہ	جو اس رہ سے چلے ہووے نہ گمراہ
صِرَاطُ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	طَرِيْقٌ اَقْوَمُ لِلْاِنْتِحَالِ[2]	یہ رہ انکی ہے کی حق جن پہ نعمت	یہ رہ اقوم ہے لیویں بالضرورت
سَبِيْلُ السَّالِكِيْنَ الْوَاصِلِيْنَ	سَبِيْلُ الْفَائِزِيْنَ بِالْوِصَالِ	یہ رہ انکی سلوک راہِ حق سے	وصال اللہ کا پائے جنہوں نے
لِاَنَّهٗ لِلْعُرُوْجِ وَلِلنُّزُوْلِ	كَسُلَّمٍ نَيْلِ دَرَجَاتِ الْكَمَالِ	سیڑھی ہے جس سے درجاتِ عروجی	ہو حاصل اور کمالاتِ نزولی
لِسَالِكِهٖ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	لِتَحْصِيْلِ لِمَارِبٍ مِّنْ مَّنَالِ	سلوک اس رہ کا جو سالک کریگا	مقاصد اور مراد اپنی وہ پایا
وَمَنْ يَّعْرِفْهُ قَدْرَهٗ يَشْتَرِيْهِ	يَقُوْلُ فِدَاكَ رُوْحِيْ وَرَأْسُ مَالِيْ	خریدے وہ جو اس کا قدردان ہو	کہے وہ تجھ پہ قرباں مال و جاں ہو
لِاَهْلِ الْحُجُبِ مُرٌّ اَوْ كَسَمٍّ	لِاَهْلِ الْكَشْفِ كَالْمَاءِ الزُّلَالِ	ہے محجوبوں کو زہرِ تلخ گویا	پر اہلِ کشف کو ہے آب میٹھا
وَاَمَّا الْمُنْكِرُوْنَ لَهُمْ كَشَوْكٍ	لِاَهْلِ الْحَقِّ وَرْدٌ وَالْغَوَالِ	ہے مثلِ خار کھٹکے منکروں کو	پر اہلِ حق کو گل ہے اور خوشبو
وَهٰذَا الْعَصْرُ مِنْ عِلْمِ السُّلُوْكِ	وَمِنْ عِلْمِ الْحَقَائِقِ صَارَ خَالِيْ	حقائق اور سلوک یہ ہے علمِ عالی	ہوا ہے یہ زمانہ اس سے خالی
هُوَ الْعِلْمُ الَّذِيْ مُخُّ الْعُلُوْمِ	هُوَ الْعِلْمُ الَّذِيْ لُبُّ الْكَمَالِ	یقیں وہ مغز علموں کا سبھی ہے	خلاصہ سب کمالوں کا وہی ہے
كَقِشْرٍ اَوْ كَصَدَفٍ كُلُّ عِلْمٍ	وَهٰذَا كَاللُّبَابِ اَوِ اللَّآلِيْ	صدف اور پوست سا ہر علم ہیگا	مگر یہ علم مغز و دُر ہے گویا
هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنْ اَصْلَيْنِ لٰكِنْ	تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ	وہی اصلین سے مقصود آخر	پر اس سے فہم لوگوں کے ہیں قاصر
وَكُلُّ النَّاسِ يَشْغَلُ فِيْ عُلُوْمٍ	وَسَائِلِهٖ كَثِيْرُ الْاِشْتِغَالِ	پڑے ہیں علم جو اسکے وسائل	ہیں اکثر لوگ اب ان میں ہی شاغل
فَيَا اَسَفَاهُ مَاؤُهٗ كَانَ نَضَبَ	رَوَاؤُهٗ زَالَ صَارَ كَالْجِدَالِ[3]	سکھا اس علم کا تھا آہ پانی	ہوا تھا خشک جیسے سوکھی ندی
وَلَوْ لَا صُنِّفَ هٰذَا الْكِتَابُ	لَيَنْعَدِمُ وَيَأْتِيْ فِي الزَّوَالِ	نہ گر تصنیف پاتا یہ رسالہ	تو ہوتا منعدم وہ علم واللہ
نَقَدْ اَحْيَاهُ كَاسْمِهٖ مُحْيِيْ دِيْنٍ	كَمَا لِلْاَرْضِ اَحْيَاهُ الطَّلَالِ[4]	وہ اپنے اسم سا اس کو جلایا	زمیں کو زندہ مینہ کرتا ہے جیسا
عَرَائِسُ نُكْتِهٖ عَنْ غَيْرِ اَهْلٍ	قَدِ احْتَجَبَتْ وَتَزْهَقُ عَنْ فِسَالٍ	رموز اس کے ہیں مانندِ عروساں	جو گوشہ ہوویں از نااہل مرداں
وَمَنْ اَهْلٌ لَهٗ تَاتِيْ لَدَيْهِ	لِاَنَّ الشَّيْخَ صَنَّفَ لِلْاَهَالِ	جو اہل اپنے ہیں ہوں اُن پاس حاضر	کہ لکھا اہل لوگوں کے ہے خاطر
فَلَا تَجْحَدْ بِهٖ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ	لَهٗ عُلُوٌّ وَفَهْمُكَ فِي السِّفَالِ	تو بے علمی سے انکا کر نہ انکار	ہیں تیرے فہم سے بالا وے اسرار
رُمُوْزُهٗ مُقْفَلٌ فَاذْهَبْ اِلٰى	مَنْ كَمِفْتَاحٍ لَهٗ اَهْلِ النَّوَالِ	مقفل ہیں سب اسکے رمز والا	تو جا اس پاس جو مفتاح ہے اس کا

[1] ای اہل سلوک [2] ای للاختیار [3] جو ہی بے آب [4] بالفتح باران

إِذَا فَكَّرْتُ عَامًا تَمَّ فِيْهِ
صِرَاطٌ مُوْصِلٌ هٰذَا إِلَى الله
مَرَامِي لَيْسَ مِنْ مَوْلَايَ صِلَةً

فَقَالَ بِغَايَةِ التَّصْوِيْبِ بَالِ
بِهٖ عَامَ اخْتِتَامِهٖ قَدْ نَالِ
وَلٰكِنْ مِنْهُ أَطْلُبُ أَنْ دُعَا لِ
عَلٰى مَا تَمَّ نَظْمِي أَحْمَدُ الله
بختم نظم حمد و شکر باری

میں فکر سال ختم اسکی کیا جب
صراط موصل هذا الی الله[1]
نہ چاہتا ہوں قصد لیے صلہ میں
أُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ وَكُلِّ آلِ
نبیؐ پر ہو درود اور آل پر بھی

کہا دل نے بیت تصویب سے تب
ہو سال ختم سے تو اس سے آگاہ
مگر چاہتا ہوں حضرت کی دعا میں

[1] ترجمہ: یہ اللہ تک پہنچانے والا راستہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

یہ مقدمہ عالیجناب مولانا مولوی الحاج محمد حسین صاحب M.A
ناظم جمالیہ عربک کالج پرمبور مدراس وسابق پرنسپال عثمانیہ کالج کرنول
کی سعی بلیغ وجانفشانی کا ثمرہ ہے۔

سالکِ مسالکِ شریعت وطریقت، واقفِ مواقفِ معرفت وحقیقت حضرت سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ سید شاہ محی الدین قادری نقوی الملقب بقطب ویلور، کی کتاب جواہر السلوک اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ سال تصنیف ۱۲۸۱ھ ہجری ہے لیکن مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوی۔ جواہر السلوک سے پہلے کتاب فصل الخطاب فی الفرق بین الخطاء والصواب ۱۲۷۷ھ اور کتاب جواہر الحقائق ۱۲۷۳ھ میں شائع ہوئیں۔ کتاب جواہر السلوک فلس کیپ سائز کے ۴۷۲ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کا صرف اردو ترجمہ پانچ سو صفحوں سے کم میں نہیں سماسکتا۔ زمانہ کے ذوق کا لحاظ رکھ کر اصلی کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ ڈمی سائز میں طبع کی جائے تو ہزار صفحوں سے زیادہ کی ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس کو چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ کتاب چالیس جواہر اور چالیس فوائد پر مشتمل ہے جن میں سے ہر فائدہ ایک مستقل باب ہے۔ بالاقساط شائع کرنے میں نہ صرف اس زمانہ کے قارئین کے ذوق اور سہولت کا لحاظ کیا گیا بلکہ موضوع کتاب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا پڑھنے والا ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ہر بار بنظر غائر پڑھنے میں نئے نئے نکات، اشارات اور دقائق منکشف ہوں گے۔ سرسری مطالعہ میں نہ دلچسپی پیدا ہوگی اور نہ کوئی مفید نتیجہ نکلے گا۔

یہ کتاب علم تصوف اور فن سلوک میں شہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو اس علم و فن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس راہ کے سالک ہیں، اگر مبتدی ہیں تو ان کے لئے تبصرہ اور اگر منتہی ہیں تو ان کے لئے تذکرہ ہے۔ بہ بندلویں کے لئے بصیرت کا سامان ہے، تو منتہیوں کے لئے سے

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان دنوں اس علم اور اس فن سے دلچسپی یا اس کا ذوق اور اس کی طلب رکھنے والا لاکھوں میں ایک مشکل سے ملیگا۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر اس کتاب کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کی کونسی ضرورت داعی ہے؟

بجز چند مستثنیٰ اشخاص کے ساری دنیا جس میں خدا کے ماننے والے اور خدا کے وجود کے انکار کرنے والے، کسی دین یا مذہب کے پیروٗ اور تمام ادیان و مذاہب کے مخالفین سبھی شامل ہیں۔ آج مادہ اور مادی تنعمات اور لذائذ کی طلب میں منہمک ہے۔ آج کا انسان اپنی انسانیت کو فراموش کرکے صرف ایک مہذب متمدن اور خوشحال حیوان کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ خدا کی دی ہوی عقل کو اسی راہ میں صرف کیا جا رہا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ساری قوتیں اسی ایک مقصد کے حصول میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اسی چند روزہ زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا۔ بھولے سے بھی آخرت اور جزاء اعمال کا خیال نہیں آتا۔ آج انسان کی ساری جدوجہد اور سعی و کوشش صرف مفطرات ثلاثہ کی افزائش اور فراوانی اور اس میں ایک دوسرے سے مسابقت کے لئے ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی قوت تسخیر نے انسان کو اس حد تک مغرور و متکبر کر دیا کہ وہ خالق کائنات کے وجود سے منکر غافل اور بے پرواہ ہے۔ سائنس ہر ہر قدم پر وجود باری کی شہادتیں پیش کرتی ہے لیکن مادی لذائذ کی کشش خود اس کو اپنی حقیقت دریافت کرنے کی مہلت نہیں دیتی۔ اپنے حقیقی نفع و نقصان کی پہچان نہیں، سکون قلب اور اطمینان مفقود ہے۔ صرف ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہے۔

۱۹۱۴-۱۹۱۸ کی جنگ عظیم اسی مادیت پرستی اور دنیا کی نعمتوں اور جمع مال و زر کی ہوس کا نتیجہ تھی، انسان کو اس جنگ کی ہلاکت آفرینیوں اور عواقب سیئہ سے متنبہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ اپنے تمرد و سرکشی کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تو بیس برس کے بعد دوسری عظیم تر جنگ چھڑ گئی۔ آٹمی قوت اور آٹمی بم کی ہلاکتیں اسی دوسری جنگ کا حاصل ہیں، اسوقت سے آج تک متمدن دنیا کا انسان خوف و حزن کا شکار ہے۔ ایک دوسرے سے خوف زدہ ہے کہ کہیں اچانک وہ آٹمی قوت اس کی ہلاکت کے لئے استعمال کر دے۔ ہر کوئی اس غم میں مبتلا ہے،

کہ اس کی ساری تہذیب و تمدن کی آسائشیں یکایک اور بغتۃً ملیامیٹ نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی غیر متمدن دنیا، وہ ان متمدن اقوام کے حرص و آز کی شکار اور ان کے پنجۂ تسلّط میں گرفتار ہے۔ غرض کہیں اطمینانِ قلب اور سکونِ روح نہیں۔ ایک ہیجانی کیفیت میں سبھی مبتلا ہیں۔ اعصابی امراض، نفسیاتی شکایات اور حوادث خودکشی روزافزوں ہیں، نفسیاتی طب Psycho Therapy اور تحلیل نفسی Psycho-Analysis سے افاقہ کی بجائے مرض بڑھتا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا قلنا اھبطوا منھا جمیعًا فامّا یاتینّکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۝ ہم نے کہا کہ اب تم سب یہاں سے نکل چلو، لیکن جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پہ راہِ حق کھولی جائے گی، تو جو کوئی ھدایت کی پیروی کرے گا اس کے لئے کسی طرح کا کھٹکا نہیں، کسی طرح کی غمگینی نہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں مزید تفصیل دی گئی ہے۔

فاما یاتینکم منی ھدی ۵ فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقٰی۝ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمٰی۝ قال رب لم حشرتنی اعمٰی وقد کنت بصیرا۝ قال کذالک اتتک اٰیتنا فنسیتھا وکذالک الیوم تنسٰی۝ وکذالک نجزی من اسرف ولم یؤمن بایٰت ربہ ولعذاب الاٰخرۃ اشد وابقٰی۝ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی پیامِ ھدایت آیا تو جو کوئی میری ہدایت پہ چلیگا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا نہ دکھ میں پڑے گا۔ جو کوئی میری یاد سے روگرداں ہوگا تو اس کی زندگی ضیق اور تنگی میں گزریگی اور قیامت کے دن بھی میں اُسے اندھا اٹھاؤں گا۔ وہ کہیگا پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا۔ ارشاد ہوگا، ہاں اسی طرح ہونا تھا، ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں۔ مگر تو نے انہیں بھلا دیا سو اسی طرح تو بھی بھلا دیا گیا ہے اور جو کوئی (سرکشی) میں بڑھ نکلتا ہے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پہ یقین نہیں کرتا تو اسی طرح ہم اسے (اسکی حالت کا) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت اور بہت دیر تک رہنے والا ہے۔

غرض اسوقت کے احوال وظروف کا تقاضا یہ ہے کہ انسانیت کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے۔ خدا کا پیغام پہنچایا جائے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہم پہ شاہد ہیں ہمیں خدا کا پیام پہنچایا اسی طرح ہم بھی جو شہداء علی الناس بنائے گئے ہیں تمام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچائیں۔ رسولِ اکرم نے فساد فی البر والبحر کی عالمگیریت کا جو علاج تجویز کیا۔ اسی علاج اور تداوی کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی جائے۔ پھر بھی وہ اگر اس علاج سے انحراف کریں تو ان کی شامت ان کے ساتھ رہیگی اور وہ

اس کا عذاب چکھیں گے ۔

ضرورت تو اس بات کی تھی کہ کتاب "جواہر السلوک" کا انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں ترجمہ شائع ہو۔ لیکن فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ جو تمام عالم اسلامی میں مغربی تہذیب و تمدن، طور و طریق اور خیالات' اور مزعومات سے گرویدگی ہے اور اپنی کتاب ھدایت سے دوری اور اسلامی طریق معالجہ سے بیگانگی ہے ان کو پہلے اپنے مرض کی تشخیص اور پھر اسلامی طریقۂ علاج کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اُنہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم نے بھی اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ ہمارے عوض کسی دوسری قوم کو علاج انسانیت کے لئے پیدا کرے گا۔ یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لآئم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ واسع علیم ٥ (المائدہ) مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین حق کو کوئی نقصان پہنچیگا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے۔ مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت' اللہ کی راہ میں (جان ومال سے) جد وجہد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے اور اپنے فضل میں بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔ قبل اس کے کہ کتاب جواہر السلوک کے مضامین سے تعارف کرایا جائے' یہ وضاحت ضروری ہے کہ علم تصوف اور فن سلوک کا کتاب وسنّت سے کیا تعلق ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارزا یوما للناس فاتاہ رجل فقال ما الایمان، قال الایمان ان تؤمن باللہ وملئکتہ وبالقائہ ورسلہ وتؤمن بالبعث قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال متی الساعۃ قال ما المسئول باعلم من السائل وساُخبرک عن اشراطھا اذا ولدت الامۃ ربھا واذا تطاول رعاۃ الابل البھم فی البنیان فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم تلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ ثم ادبر فقال ردوہ فلم یروا شیئًا فقال ھذا جبریل جاء یعلم الناس دینھم (صحیح البخاری)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر اور (آخرت میں) اس کے حضور میں پیش ہونے پر اور اس کے رسولوں پر اور تو ایمان لائے (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جانے پر۔ پوچھا اس نے کہ اسلام کیا ہے؟ تو فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کرے کسی کو اس کا شریک نہ گردانے اور تو نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے (پھر) پوچھا احسان کیا ہے؟ تو فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر پوچھا قیامت کب ہوگی، تو فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے، اور میں تجھ کو اس کی علامتوں کی خبر دوں گا۔ جب لونڈی اپنے مالک کو جنے۔ جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے اپنے مکانات کی بلندی میں ایک دوسرے پر فخر کریں۔ (یہ بات) ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی۔ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ کہ قیامت (کے وقوع کے وقت کا) علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ (وہ شخص) پلٹ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں سے) فرمایا کہ اس کو لوٹاؤ۔ (پھر لوگوں نے اس کی تلاش کی) لیکن کسی کو نہیں دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے، جو لوگوں کو ان کا دین سکھلانے کے لئے آئے تھے۔

اس حدیث شریف میں سائل نے چار سوال علی الترتیب کئے ہیں۔ ایمان کیا ہے، اسلام کیا ہے، احسان کیا ہے، قیامت کب ہوگی۔ ان میں سے امور ایمان علم التوحید (علم العقائد) کا موضوع اور امور اسلام علم الفقہ کا موضوع اور امور احسان علم تصوف کا موضوع اور قیامت کے احوال کا تعلق متشابہات سے ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی خمس لا یعلمھن الا اللہ متشابہات کے متعلق فرمان الٰہی ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا متشابہات کی تاویل اور مراد بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں راسخ اور استوار ہیں، وہ یہی کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے (محکمات و متشابہات) سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ اور کجی ہے، وہ فتنہ کی غرض سے ان متشابہات کی تاویل کے درپے ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے قیامت اور احوال قیامت کو کسی مستقل علم کا موضوع نہیں بنایا۔

علم التوحید۔ علم الفقہ اور علم التصوف کے درمیان نہایت گہرا اور ذاتی علاقہ ہے۔
ایمان۔ اسلام اور احسان۔ ان میں ایمان بنیاد اور اساس ہے جس پر اسلام کا قیام ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو اسلام صحیح نہ ہوگا۔ نہ نماز صحیح ہو گی نہ روزہ صحیح ہو گا اور نہ کوئی عبادت عنداللہ مقبول ہو گی۔ دنیوی اعتبار سے اگرچہ وہ امت اسلام میں شمار کیا جائے گا اور دنیا میں حقوق مسلم کا مستحق ہو گا اور مسلمانوں پر واجب احکام کی پابندی اس پر لازم ہو گی اور بس، ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی عمل عنداللہ مقبول نہ ہو گا۔ حبط اعمال اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسی لئے ایمان کو شجر اسلام کی جڑ کہا جاتا ہے۔ ایمان ہی سے شجر اسلام پھوٹ نکلتا ہے اور شجر اسلام کے پھل تصوف کہے جا سکتے ہیں کہ شجر سے مقصود اس کا ثمر ہی ہے۔ تصوف اور سلوک کی غایت وجہ اس کیفیت و حالت کا حصول ہے جس کو اس حدیث احسان میں "ان تعبد ربك كانك تراه وان لم تكن تراه فانه يراك" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن بے ثمر شجر بھی ہوتے ہیں جن کے پھول جن کے پتے اور جن کا سایہ خلائق کے کام آتا ہے اور وہ عبث اور بے فائدہ بھی نہیں۔ لیکن شجر بار آور ہی مطلوب و مقصود ہے کہ اسی میں شجر کا کمال ہے۔

؎ نہ گلم نہ برگ سبزم نہ ثمر نہ سایہ دارم ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

اس بیان سے واضح ہو گا کہ تصوف جس کا موضوع بحث احسان ہے دین کا جزو لاینفک ہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے دین کا کمال ہے اور اس کا منبع اور اصل اور سرچشمہ نصوص کتاب وسنت ہیں۔ اگرچہ لفظ صوفی یا تصوف کا استعمال قرون اولیٰ میں نہیں لیکن زمانۂ مابعد میں لفظ صوفی یا تصوف جن معنوں میں استعمال ہونے لگے ان کی حقیقت زمان نبوت ﷺ عصر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین و تبع تابعین میں علیٰ وجہ الکمال پائی جاتی تھی۔ چنانچہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں یہ مقولہ زبان زد صوفیہ تھا کہ آج صوفیت ایک نام ہے بلا حقیقت۔ لیکن آج سے قبل ایک حقیقت تھی جس کا کوئی نام نہ تھا۔ حضرت ابوالحسن توشنجہؒ نے فرمایا التصوف اليوم اسم ولاحقيقة وقد كان حقيقة ولا اسم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے کشف المحجوب میں فرمایا۔ صحابہ اور سلف رحمہم اللہ کے زمانہ میں یہ اسم نہ تھا اور اس کے معنی ہر شخص میں پائے جاتے تھے اور اب اسم رہ گیا ہے، معنی کچھ نہیں۔! یعنی معاملات معروف تھے اور دعوے مجہول تھے۔ اب دعوے معروف ہیں اور معاملات مجہول ہیں۔ اس کے بعد منکرین تصوف سے یہ کہا کہ تمہارے انکار تصوف سے کیا مراد ہے۔ اگر محض اسم کا انکار کرتے ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس واسطے کہ مسمیات کے حق میں غیر ہیں اور اگر بعینہٖ ان معانی کا انکار کرتے ہو تو کل شریعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خصائل ستودہ کا انکار کرنا ہے۔

مسلمانوں میں جن کی نظر ایمان و اسلام سے گزر کر احسان اور احسان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکی، انہوں نے تصوف کو ایک بدعت اور معاملات تصوف کو گمراہی سمجھا۔ ع
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است ، لوگوں کی غلط تعبیروں پر اعتماد کرکے مستشرقین نے تصوف اور طریقت اور فقر و درویشی کو اسلام میں ایک نو ایجاد امر قرار دیا جو عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں اور تپسیوں سے اخذ کیا گیا۔ اپنے اس زعم کو حقیقت کے رنگ میں پیش کرنے لگے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات محض اس وجہ سے کہ ترک دنیا کو مستحسن نہیں سمجھا۔ رہبانیت کو بدعت قرار دیا گیا، نکاح کو سنت قرار دیا۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی پاک' اور طیّب چیزوں کو حرام نہیں کیا۔ روحانیت سے بالکل معرّا ہیں' اگر روحانیت کا کوئی شائبہ یا روحانیت کا کوئی کمال' پایا گیا تو وہ غیر اسلامی ہے' وہ اس حقیقت کا انکار نہ کرسکے کہ عالم اسلام میں بہت سے افراد ایسے پائے گئے جو روحانیت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اور ان کے فیض روحانی کے چشموں سے ہر دور میں ایک جماعت کثیر سکون روح اور اطمینان قلب حاصل کرتی رہی۔ ہوائے نفسانی اور شیطانی وساوس اور گمراہیوں کے تسلط سے محفوظ رہی۔ اس حقیقت کی وہ یہی توجیہ کرسکے کہ روحانیت کے یہ سارے کرشمے غیر اسلامی عناصر سے ماخوذ ہیں۔ اور قرآن و سنت نبویہ سے کوئی لگاؤ یا تعلق نہیں اور ان ناوانوں کے اقوال اور عبارتوں اور ادعاء سے استنا دکیا' جو تصوف و سلوک کو بدعت و ضلالت قرار دیتے تھے۔ اگر وہ احسان کی حدیث کے معنوں پر ذرا بھی غور کرتے تو اس گمراہی میں نہ پڑتے۔ اگر قرآن کریم کی مکی سورتوں ہی کا مطالعہ احقاق حق کی نظر سے کرتے تو ان پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی کہ دورِ تشریع سے بہت پہلے بھی دین اسلام میں عملی احکام کے ساتھ ساتھ باطنی معارف و حقائق کا پہلو موجود تھا۔ طریق نجات کے ہم پہلو طریق ولایت بھی پایا جاتا تھا' اطاعت خدا و رسول کے ساتھ خدا اور اسکے رسول کی محبت پر زور دیا گیا تھا۔

قرآن کریم میں توحید' احسان' صدق' سبقت فی الخیرات' تقرب الٰہی' ذکر الٰہی' شکر الٰہی' رغبت و رہبۃ' خوف و رجاء' توبہ و انابت' تقویٰ و طہارت' صبر و توکل' تسلیم و رضا' تبتل الی اللہ' العلم' حکمۃ' البصیرۃ العزم' الفقر' الغنی' التواضع' الصدق' الاستقامۃ' الاخلاص' الذکر' الزہد الخشوع' الخضوع' الاخبات' الورع التذکر' الاعتصام' جیسے احوال و مقامات تصوف کا صراحۃً ذکر موجود ہے۔

معارف تصوف کی اساس محکم قرآن کریم اور احادیث نبویؐ پر قائم ہے۔ ذیل میں ان میں سے بعض آیتوں کیطرف بطور مثال اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱) وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (البقرہ)

۲) الله ولی المؤمنین یخرجهم من الظلمات الی النور (البقرہ)

۳) فلم تقتلوهم ولکن الله قتلهم وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمیٰ لیبلی المؤمنین منه بلاء حسنا ان الله سمیع علیم (انفال)

۴) ان اولیاؤه الا المتقون (انفال)

۵) الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون (یونس)

۶) والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین (العنکبوت)

۷) ونحن اقرب الیه من حبل الورید (ق)

۸) الله نور السموٰت والارض مثل نوره الایة (النور)

۹) ونحن اقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون (الواقعة)

۱۰) لترکبن طبقا عن طبق (الانشاق)

۱۱) وان الی ربك المنتهیٰ (النجم)

قرآن کریم کی تصریحات سے یہ امر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ خلق کے لئے انبیاء و مرسل مبعوث کئے۔ انہیں کتاب و حکمت اور کبھی حکم و نبوت اور کسی کو ملکِ عظیم اور کسی کو فصل الخطاب دیکر بھیجا۔ آلِ ابراہیم اور بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:

فقد اٰتینا آل ابراهیم الکتاب والحکمة واٰتیناهم ملکا عظیما (النساء)

ہم نے خاندانِ ابراہیم کو کتاب و حکمت دی تھی اور ساتھ ہی عظیم الشان سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حضرت مریم سے فرمایا ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل ورسولا الی بنی اسرائیل (آل عمران) اور (اے مریمؑ) اللہ تعالیٰ اس (ہونے والے لڑکے) کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا نیز توراۃ اور انجیل کا اور اسے بنی اسرائیل کیطرف بہ حیثیت رسول کے بھیجیگا۔

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کیا گیا واذ قال الله یا عیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی علیك وعلیٰ والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المهد وکهلا واذ علمتك الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل (المائدہ) اس دن اللہ کہے گا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ میں نے تم پر

اور تمہارے ماں پر جو انعام کئے ہیں انہیں یاد کرو۔ جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے روح القدس سے تمہیں قوت دی تھی، تم لوگوں سے کلام کرتے تھے، چھوٹی عمر میں بھی کہ جھولے میں جھولتے تھے اور بڑی عمر میں بھی اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھلا دی تھی۔

قرآن میں یہ بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق مذکور ہے ولما جاء عیسیٰ بالبینات قال قد جئتکم بالحکمۃ ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ داؤد علیہ السلام کی نسبت کہا گیا: وقتل داؤد جالوت وآتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء (البقرہ) اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا پھر اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا اور جو کچھ (حکمرانی اور دانشوری کی باتوں میں سے سکھلانا تھا سکھلا دیا۔ وشددنا ملکہ وآتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب ہم نے اسکی سلطنت کو مضبوط بنایا اور اس کو حکمت اور فصل الخطاب عطا کیا عموم انبیاء و رسل کے متعلق قرآن ناطق ہے ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون (آل عمران)

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران) کسی انسان کو یہ سزاوار نہیں کہ اللہ اسے (انسانوں کی ھدایت کے لیئے) کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے، خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہئے کہ ربانی انسان (یعنی خلق کے مرشد اور رہنما) بنو اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو اور اس لئے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے نبیوں کے بارے میں (بنی اسرائیل سے) عہد لیا تھا کہ ہم نے تمہیں کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے پھر اگر ایسا ہو کہ دوسرا رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے تمہارے پاس آئے تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اس کی مدد کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا: وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء) اور (اے پیغمبر) اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کر دی ہے اور جو باتیں معلوم نہ تھیں وہ تمہیں سکھلا دی ہیں اور تم پر اس کا بہت ہی بڑا افضل ہے۔

اللہ نے مومنین کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں تو فرمایا: واذکروا نعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم

من الکتاب و الحکمۃ یعظکم بہ (البقرہ) اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو اور اس نے کتاب و حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے اس کے ذریعہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں مومنین پر اپنا احسان جتایا کہ ان میں ہی سے ایک رسول بھیجا تو فرمایا: لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (العمران) بلاشبہ اللہ کا مؤمنوں پر بڑا ہی احسان تھا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیجا جو ان ہی میں سے ہے۔ وہ اللہ کی آیتیں سناتا ہے۔ ہر طرح برائیوں سے انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے (اس نے ان پر ہدایت کی راہ کھول دی) حالانکہ اس سے پہلے وہ گمراہی میں مبتلا تھے۔ سورۂ جمعہ میں بھی مرقع امتنان میں کتاب و حکمت اور تلاوتِ آیات کے ساتھ ساتھ تزکیہ کا بھی ذکر فرمایا وھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین امت مرحومہ پر اپنی اتمام نعمت کے سلسلے میں فرمایا کما ارسلنا فیکم رسولا یتلوا علیکم اٰیاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب و الحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرۃ) جس طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا وہ ہماری آیتیں تمہیں سناتا ہے اپنی پیغمبرانہ تربیت سے تمہارے دلوں کی اصلاح کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر ناآشنا تھے (تو اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں اور تم اس مرکز ہدایت سے وابستہ ہو کر نیک ترین امت ہونے کا مقام حاصل کر لو)۔

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے بیت اللہ الحرام کی بنیادیں بلند کرتے ہوئے یہ دعا کی تھی: ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ (البقرۃ) اے پروردگار! اپنے فضل و کرم سے ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول مبعوث ہو، جو انہیں میں سے ہو، وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دے، اپنی پیغمبرانہ تربیت سے ان کے دلوں کو مانجھ دے۔ اے پروردگار تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے۔

تعلیم کتاب و حکمت میں دوسرے انبیاء و رسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک

ہیں، لیکن امت کے تزکیہ کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منفرد ہیں۔

مصنف جواہر السلوک رحمۃ اللہ علیہ نے فائدہ سی و دوم کے ضمن میں فرمایا:

بقی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان خلیفۃ للّٰہ فی ارضہ وعالما بما انزلہ اللہ تعالیٰ من القرآن والحکمۃ معلما للکتاب والسنۃ ومزکیا للامۃ فما فعلہ علی جہۃ کونہ معلما للکتاب والحکمۃ ومزکیا للامۃ کان سنۃ للعلماء الراسخین۔ باقی رہا یہ بیان کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ تھے، اس کی زمین میں اور عالم تھے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اور حکمت کو اتارا اور معلم تھے قرآن اور حدیث کے اور امت کے پاک کرنے والے تھے سو جو فعل کہ حضرتؐ نے بنا بر خلافت کے کیا وہ خلفاء کے واسطے سنت ہو گیا اور جو فعل کہ بجہت تعلیم کتاب اور حکمت اور تزکیۂ امت کے کیا وہ علماء راسخین کے واسطے سنت ہوا کتاب و حکمت کی تعلیم شخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت، مرکز ھدایت کا قیام اور نیک ترین امت ہونے کا نصب العین (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس) یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ امت کی نشوونما کے لئے ضروری تھی اور یہ تمام مراتب فی الواقع ظہور میں آ گئے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فتح مکہ اور ظہور غلبۂ اسلام کے بعد لوگ جوق جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے جزیرۂ عرب کے تمام باشندے الا ماشاء اللہ مسلمان ہو گئے تھے یعنی حکومت اسلامی اور حکم اسلامی کے تابع اور فرماں بردار ہو گئے۔ لیکن انہیں نبی اکرم کی صحبت اور پیغمبرانہ تربیت نصیب نہیں ہوئی۔ جب ان لوگوں نے ایمان کا دعویٰ کیا: قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئا ان اللہ غفور رحیم ۝ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (الحجرات)

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مکہ اور مدینہ کے باہر بسنے والے قبیلوں میں بہت سے لوگ مرتد ہو گئے کہ ان کا اسلام قبول کرنا وقتی مصلحت پر مبنی تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال و جہاد کیا اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور مرتدین ناکام رہ گئے۔ جو قتل ہو گئے ہو گئے اور جو باقی رہے ان پر یہ حقیقت کھلی: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ (التوبہ، الفتح) اور (الصف) ہاں وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اور جب ان کا حال یہ ہوا حتی اذا ضاقت علیھم

الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم۔ (التوبہ) جب کہ زمین اپنی ساری وسعت پر بھی ان کے لئے تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ مگر خود اسی کے دامن میں پس اللہ اپنی رحمت سے لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا ہی رحمت والا، پھر یہ لوگ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار اور الذین اتبعوھم باحسان کی تربیت فیض صحبت اور تزکیہ سے بتدریج الذین اتبعوھم باحسان کے زمرے میں شامل ہوئے اور جب تک ان میں یہ کیفیت نہیں پیدا ہوئی دورِ خلافتِ صدیقی میں باوجود مسلمانوں کی قلت عدد کے روم وفارس کے خلاف جہاد و قتال میں ان کو شریک جہاد ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ فتح مکہ کے چند دنوں بعد جنگِ حنین ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی فوج میں مکہ کے نو مسلم بڑی تعداد میں شریک تھے لیکن دشمن کے پہلے ہی حملے میں وہ پسپا ہو گئے۔ کیونکہ تربیت نبویؐ سے ہنوز مستفیض نہ ہو سکے تھے۔ جب دورِ فاروقی آیا تو ان دوبارہ مسلمان ہونے والوں کو شرکتِ جہاد کی اجازت دی گئی کہ وہ صحابۂ کرام مذکور الصدر کی صحبت سے تربیت یافتہ ہو چکے تھے۔ اور انہوں نے بھی پوری فداکاری اور قوتِ ایمانی کا ثبوت دیا۔

حاصل کلام یہ کہ صرف تعلیم کتاب وحکمت کافی نہیں تزکیہ اور تربیت بھی کمال ایمان واسلام کا جزءِ لاینفک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اپنی تعلیم اور تزکیہ اپنے اسوۂ حسنہ اور تربیت سے ایک جماعت فراہم کر لی تھی جو امت کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتصفیہ کے کفیل ہو۔ اس جماعت کے وصف میں قرآن کریم ناطق ہے: والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم (التوبہ) اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا اور وہ اللہ سے خوشنود ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر دئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں وہ ہمیشہ اس (نعمت وسرور کی زندگی) میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میری تربیت اور تزکیہ سے تربیت یافتہ اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جو رستوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے،

ھدایت پاؤگے۔ اس جماعت کی تشکیل اور تکوین اس لئے ضروری تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر خاتم النبیین تھے اور آپ تمام انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

زمانۂ سابق کے نبیوں اور رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی، لیکن ایک نبی کے گذر جانے کے بعد دوسرے نبی کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے اور کوئی زمانہ نبیوں سے خالی نہ رہا۔ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کے بعد بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے البتہ ایک جماعت اپنی حواریوں کی تیار کی۔ عیسائی روایتوں کے مطابق وہ گنتی میں بارہ ۱۲ تھے۔ ان کے ذمہ بنی اسرائیل کی ہدایت اور تزکیہ تھا۔ جیسا کہ عہد جدید کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن پیغمبرانہ تربیت کا زمانہ بہت قلیل تھا اور عیسائی روایتوں کے مطابق زیادہ سے زیادہ تین برس تھا۔ اور اس تین برس کی مدت میں بھی حضرت عیسیٰ کا اکثر وقت سیاحت میں گذرا۔ اگرچہ عیسائی اصطلاح میں ان کے حواریوں کو رسول (Apostle) کہا جاتا ہے۔ خود عیسیٰ کو ان حواریوں پر اعتماد نہ تھا۔ انجیل متی کے باب ۲۶ میں ہے:۔

" جب شام ہوئی تو دو بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا (۲۰ ـــ ۲۱)"

" اسوقت یسوع نے کہا تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤگے کیونکہ لکھا ہے کہ میں چرواہے کو ماروں گا اور گلہ کی بھیڑیں پراگندہ ہوجائیں گی ● لیکن میں اپنے جی اٹھنے کے بعد تم سے پہلے گلیل کو جاؤں گا ● پطرس نے جواب میں اس سے کہا گو سب تیری بابت ٹھوکر کھائیں، لیکن میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا ● یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کریگا ● (۳۱-۳۴)

" اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا تھا تو ایک لونڈی نے اس کے پاس آکر کہا تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا ● اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا تو کیا کہتی ہے ● اور جب وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسری نے اسے دیکھا اور جو وہاں تھے ان سے کہا یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا ● اس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا ● تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے پطرس کے پاس آکر کہا بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے ● اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا اور فی الفور مرغ نے بانگ دی ● پطرس کو یسوع کی وہ بات یاد آئی جو اس نے کہی تھی کہ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا اور وہ باہر جاکر زار زار رویا ● (۶۹ - ۷۵)۔

یہ جاننا چاہیئے کہ عیسائی روایتوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسولوں میں پطرس وہ رسول ہے، جس کو جنت کی کنجیاں سونپی گئی تھیں اس کے ایمان و ایقان کا یہ حال تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فترۂ رسل کے بعد تمام اقوام عالم کیطرف خاتم النبیین بنا کر بھیجے گئے تھے تو ضروری تھا کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کرتے جس میں آنے والے تمام زمانوں کے لئے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ امت اور تربیت نبوی ؐ کی سنت کے وجود اور تحقیق کی ضمانت ہوتی۔

تعلیم کتاب وحکمت کے دوام وبقا کے لئے قرآن کریم نے فرمایا وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (التوبۃ) اور دیکھو یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں تفقہ اور فہم پیدا کرے اور جب تعلیم دین کے بعد اپنے گروہ میں واپس جاتی اور لوگوں کو جہل وغفلت کے نتائج سے ہشیار کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں۔ برائیوں سے بچنے تقویٰ کو اپنا شعار بنانے، غرض تربیت اور تزکیہ کے لئے قرآن نے ارشاد فرمایا: یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (التوبہ) مسلمانو! تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، حدود اللہ کی حفاظت کرو اور صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو اور پھر یہ بھی بیان کر دیا کہ صادقین کون ہیں۔

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اُولٰئک ھم الصادقون (الحجرات) مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک وشبہ میں نہ پڑے اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے اور صادقین ہیں۔ سورۂ حشر میں فرمایا: للفقراء الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصادقون۔

صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانۂ خیر القرون میں تعلیم کتاب وحکمت اور تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس کی ذمہ داریاں منقسم نہیں ہوئی تھیں۔ صحابۂ کرام خود مرکز تعلیم وتربیت نبوی ؐ سے براہ راست برکت اندوز ہوئے تھے۔ بعض صحابہ کتاب وسنت کی تفسیر اور تبیین اور استنباط احکام کی طرف متوجہ ہوئے کہ اس دور کے احوال وظروف کا تقاضا ہی یہی تھا۔ اسلامی حکم کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا۔ روم ومصر، شام وعراق وفارس کے علاقے فتح ہو رہے تھے۔ عجمی بڑی تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ ہر

نئی صورتِ حال کے لئے کتاب و سنت کی تطبیق یا ان سے استنباط احکام کی فوری ضرورت تھی۔ جن صحابہؓ نے یہ کام خاص طور پر اپنے ذمہ لیا وہ تزکیہ اور تربیت کی اہمیت اور اقدمیت سے غافل نہیں تھے بعض دیگر صحابہ کی توجہ کا رجحان دارالاسلام کی توسیع اور استحکام کی طرف تھا اور بعض تو وہ تھے جو زہد و عبادت کی راہ پہ گامزن تھے ان ربك یعلم انك تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفه وثلثه وطائفة من الذین معك (المزمل)

ان کے اوصاف کی تفصیل سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں مذکور ہے :

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما ○ والذین یبیتون لربهم سجدًا وقیاما ○ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها کان غراما ○ انها ساءت مستقرًا ومقامًا ○ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالك قواما ○ والذین لا یدعون مع الله الٰهًا اخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالك یلق اثاما ○ یضٰعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا ○ الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحًا فاولئك یبدل الله سیئاتهم حسنٰت وکان الله غفورا رحیما ○ ومن تاب وعمل صالحا فانه یتوب الی الله متابا ○ والذین لا یشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما ○ والذین اذا ذکروا بآیات ربهم لم یخروا علیها صما وعمیانا ○ والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما ○ اولئك یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة وسلاما ○ خالدین فیها حسنت مستقرا ومقاما ○ (الفرقان)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ان سے بے سمجھ لوگ بات کرتے ہیں تو صاحب سلامت (یا عفو و درگزر کی بات) کہتے ہیں اور وہ لوگ رات کو خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ (جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں) اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹا دے، بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔ بلاشبہ وہ بُری جگہ ہے ٹھہرنے کے لئے رہنے کے لئے اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں تو نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور (موقع دیکھ بھال کر) میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، وہ کسی جان کا خون نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام کیا۔ مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے، وہ سخت گناہ میں جا پڑا

اور قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا اور اس میں خوار و ذلیل ہوکر ہمیشہ پڑا رہے گا مگر وہ جس نے توبہ کی ایمان لایا اور نیک کام کیا سو ان کو اللہ بدلہ دے گا۔ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے اور بہت مہربان۔ جو کوئی توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع ہوگا' اور وہ لوگ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے اور جھوٹ نہیں بولتے اور جب بیہودہ کام کی جگہ سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر گزر جاتے ہیں' اور وہ لوگ جن کو پروردگار کی نشانیاں یاد دلائی جاتی ہیں تو ان پر بہرے اور اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے اور وہ لوگ جو کہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی بیویوں اور اولاد کیطرف سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش کر اور ہم کو متقیوں اور پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ ان کو کوٹھوں کے جھروکے اپنے صبر کرنے کی جزا میں دئے جائیں گے' اور ان کو فرشتے دعا اور سلام کہتے ہوئے لینے کو آئیں گے' وہ ان میں (یعنی جنت کے اونچے درجوں میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ٹھہرنے اور رہنے سہنے کی نہایت خوب جگہ ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا وکانوالنا خاشعین (الانبیا) یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سبقت کرنے والے تھے (ہمارے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہمارے جلال سے ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے۔ اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے) اس گروہ میں اصحاب صفہ ممتاز تھے۔ النھایہ فی غریب الحدیث والاثر میں ابن اثیر نے لکھا ہے:

"اھل الصفۃ ھم فقراء المھاجرین ومن لم یکن لہ منھم منزل یسکنہ فکانوا یأوون الی موضع مظلل فی مسجد المدینہ یسکنونہ" اہل صفہ وہ فقراء مہاجرین ہیں اور وہ جن کی اپنی سکونت گاہیں نہیں تھیں اور مسجد مدینہ کے ایک سایہ دار گوشہ میں سکونت کرتے تھے۔" صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے "تمام امت کا اتفاق اس امر پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک گروہ تھا جو آپ کی مسجد میں رہتے تھے، اور شب و روز سوائے عبادت ان کو اور کوئی کام نہ تھا اور دنیا سے وہ لوگ دستبردار ہوگئے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان پر نفقہ کے کفیل تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے تصریح کی ہے کہ مال فئ میں سے یہ فقراء مہاجرین اپنے نفقہ کے مستحق ہیں۔ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون (الحشر) ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ان کے مال سے وہ محروم کر دئے گئے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ صادقین اور راستباز ہیں۔ شب و روز عبادت

ہیں مشغولیت سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فی سبیل اللہ جہاد میں ان سے کوئی کمی یا کوتاہی واقع ہوئی تھی ۔ فقراء مہاجرین کے باب میں قرآن نے یہ تصریح کر دی ہے : ینصرون اللہ ورسولہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت میں دریغ نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ سے فضل و رضوان کے طلبگار رہتے ہیں ۔ رسول اکرم کے ان اصحاب کے متعلق سورۃ الفتح کی آخری آیت ناطق ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعا سجدًا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل (الآیۃ) اور پھر سورۃ توبہ کی ان آیتوں میں اور تفصیل دی گئی ہے :

ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویُقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقراٰن ومن اوفی بعھدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہٖ وذالک ھو الفوز العظیم ۝ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الاٰمرون بالمعروف والنّاھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنین (التوبۃ)

بلاشبہ اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی (اب نہ جان ان کی ہے اور نہ مال ان کا) اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو' وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں ۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں' یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا ہے ۔ توراۃ انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو ۔ پس (مسلمانو) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا ہے' خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروزمندی ہے (ان لوگوں کے اوصاف و اعمال کا یہ حال ہے کہ اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ کرنے والے ۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے' اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے' سیر و سیاحت کرنے والے' رکوع و سجود میں جھکنے والے' نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (اے پیغمبر یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کامیابی و سعادت کی) خوش خبری دے دو ۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان آیات کے تشریحی اشاروں میں لکھا ہے کہ " یہ کل سات وصف ہوئے اور جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں وہ قابل غور ہے ۔ گویا نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے سات درجے ہیں' یا سات طبقے جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں ۔

جب کوئی انسان راستی اور ہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا قدم توبہ وانابت ہی کا ہوگا۔ یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے (خواہ وہ کفر کی ہوں، خواہ نفاق کی، خواہ معاصی وزلات کی) باز آئیگا اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کریگا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ اللہ کی بندگی اور نیازمندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے۔ پس یہ دوسری منزل ہوی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ پھر چونکہ عبادت گذاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور ملکوت السماوات والارض کے مشاہدہ ومعرفت کا دروازہ کھل جائے اس لئے تیسری منزل تحمید وتسبیح کی منزل ہوی یعنی اللہ کی حمد وثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا (آل عمران) پھر اگر توبہ وانابت کا نتیجہ عبادت کا ذوق اور تحمید وتسبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے، تو ممکن نہیں کہ وہ مؤمن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے۔ ضروری ہے کہ وطن ومکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر وسیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا چوتھا طبقہ ہوا۔ ان چار منزلوں سے جو کاروان عمل گذر گیا اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کرلی۔ پس اب پانچویں منزل الراکعون الساجدون کی ہوی۔ یعنی بندگی اور نیازمندی میں پورے ہوگئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لئے جھک گیا۔ اب الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا، یعنی اپنی تعلیم وتربیت کا معاملہ پورا کرکے دوسروں کے لئے معلم ومربی ہو جائیں گے، چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوی اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ الحافظون لحدود اللہ کا مقام ہے۔ یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدود الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ اور قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔ مولانا آزاد نے تزکیہ اور ترقی کے جو یہ سات درجے بیان کئے ہیں وہ انہیں درجات ثلثہ سے متفرع ہیں۔ جن کا ذکر صاحب جواہر السلوک نے فائدہ اول مراتب طبقات مردم علی اختلاف درجاتہم کے بیان میں کیا ہے۔ مصنف نے انہیں طبقات سے متفرع ہونے والے سو مقامات کی طرف فائدہ یازدہم میں اشارہ کیا ہے اور پھر یہ تصریح کی کہ "قدوۃ الاولیاء شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ در کتاب منازل السائرین دریں سفر اول بین العبد والرب صد مقام بقلم آوردہ است وہر یکے ازیں صد مقام محتوی بردہ مقام است، پس بین العبد والرب ہزار مقام می شوند کما اشار الیہ القیصری"۔ پھر سہولت فہم وافہام کی خاطر ان ہزار مقامات کو مختصر شرح کے ساتھ مصنف علام نے بصورت جداول کتاب کے آخر میں ملحق کیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا ہے کہ شیخ اکبر ابن عربیؒ

نے اپنی کتاب مناہج الارتقاء میں سفر اول بین العبد و الرب کے تین ہزار مقامات تحریر کئے ہیں۔

قرآن کریم کے کتاب الہی منزل من عند اللہ ہونے پر اجماع امت ہے۔ لیکن حکمت کے مفہوم میں متعدد اقوال ہیں۔ قول و عمل میں درستگی، وہ معارف و احکام جو تکمیل نفس کے لئے ضروری ہیں۔ تفقہ فی الدین، حسن قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک نے بیان کیا کہ حکمت سے مراد سنت نبوی ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ قرآن و سنت دونوں من عند اللہ ہیں۔ قرآن وحی متلو ہے تو سنت وحی غیر متلو۔ سنت قرآن کے اجمال کی تفسیر اور تبیین ہے۔ دونوں یکساں واجب العمل ہیں۔

کتاب و حکمت کی تعلیم کے ضمن میں کئی مستقل علوم مدون ہوئے۔ علم تفسیر و علوم القرآن، علم الحدیث و علم اصول الحدیث اور علم الفقہ و علم اصول الفقہ، مفسرین محدثین، اور فقہاء قرن اول ہی سے تعلیم کتاب و حکمت کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے ابتداء میں کسی خاص جماعت کی ضرورت نہیں تھی۔ جب قرون اولی المشہود لہا بالخیریۃ گزر گئے اور فساد و فتن ظاہر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کی تکوین اور تشکیل کے اسباب فراہم کر دئے، التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ کی جماعت نمودار ہوئی۔ ان میں مفسرین بھی تھے، اور محدثین بھی اور فقہاء بھی۔ لیکن ان کا مقصد تعلیم احکام کے علاوہ تزکیہ تھا اور وہ تزکیہ و تربیت کی اہمیت اور اقدمیت کے پیش نظر قبول حق کی راہ روکنے والے وساوس اور خطرات کے ازالے، اور امراض نفسانی کے معالجے، اور ایمان و یقین بالتوحید کے تمام موانع اور حجابات کو دور کرنے میں اپنی ہمتیں اور صلاحیتیں صرف کرتے تھے۔ وہ یقین کے اس مرتبہ کے طالب تھے جو لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا کے مصداق ہو۔ ابتداء میں انہیں لوگ کبھی زاہد کبھی عابد کہتے تھے۔ لیکن پھر چونکہ بتقاضائے زہد وہ اونی لباس (صوف) پہنا کرتے تھے، یا اصحاب صفہ کے طور طریق پہ تھے یا محض اس لئے کہ صفائے باطن میں کوشاں تھے وہ صوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب معاملہ اپنی حد تک محدود تھا تو اپنے معارف اور علوم کو ایک مستقل علم کی طرح تدوین کی حاجت نہ تھی۔ لیکن جب معاملہ دوسروں کی تربیت، دوسروں کے نفسانی امراض کا علاج اور سیر و سلوک روحانی میں دوسروں کی راہنمائی اور ارشاد کا لاحق ہوا تو باہمی مفاہمت کے لئے ایک مستقل علم کی ضرورت ہوئی۔

یہ مسلمات میں سے ہے کہ ہر علم اور ہر فن کے اپنے خاص محاورات و اصطلاحات و تعبیرات ہوتے

ہیں اور اس علم اور فن سے تعلق رکھنے والے تمام افراد ان محاورات کے اغراض و مفہوم پر متفق ہوتے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے ان محاورات و تعبیرات کے معانی و مطالب سے ناواقف رہتے ہیں یا جیسا چاہیے واقف نہیں ہوتے ان محاورات کے مطابقی مدلولات اگرچہ معین و محدود ہوتے ہیں لیکن ان کے اشارات و مدلولات التزامیہ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ہر تعبیر کے ساتھ ایک عالم خیال اور ہر محاورے کے ساتھ ایک دنیائے معانی وابستہ ہے۔ سہولت مفاہمت کے علاوہ ان محاورات کے استعمال سے اطناب اور بیجا تطویل کلام سے بچاؤ ہوتا ہے۔ طائفہ صوفیا اور ارباب سلوک بھی ایسے اصطلاحات اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں۔ محدثین بھی تو اسناد احادیث کے جانچنے کے سلسلہ میں وضع اصطلاحات پر مجبور ہوئے۔ ان اصطلاحات سے جو ناواقف ہوتے ہیں ان کا اس علم کے معارف کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہونا ناگزیر ہے کسی علم کے معارف و حقائق کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے اور جانچنے کا ایک معیار بھی ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کسی کی زندگی میں کیا تبدیلی ہوتی ہے، اگر نیکیوں میں اضافہ اور برائیوں میں کمی ہوتی ہے تو یقیناً وہ طریق خیر ہے۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ راہ سلوک میں گامزن ہونے کے بعد انسان میں ایک والہانہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔ دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ کلام میں قوت تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ (صوفیانہ شاعری اور تغزل کی تاثیر کی یہی وجہ ہے) نفس میں ہیجانی کیفیت میں کمی ہونے لگتی ہے۔ سکون دل اور اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ دنیوی خوف و حزن سے دوری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جن سے خوشنود ہوتا ہے اور وہ اللہ سے خوشنود ہوتے ہیں، وہ اولیاء اللہ ہیں اور الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

دیگر علوم کے طالبوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چاہیں تو اپنے علم کے مقتضیات پر عمل کریں یا نہ کریں مثلاً حدیث و فقہ کے طالبوں کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس حد تک اخلاص اور دیانت کے ساتھ عامل بالحدیث ہیں۔ یا فقیہانہ احکام کے پابند ہیں۔ ان کی طلب کی غایت صرف علمی اور نظری ہے۔ دائرۂ علم اسکے ماوراء ہے۔ لیکن تصوف و سلوک کے طالبوں کو ایک طویل مدت تک اپنے شیوخ کی زیر تربیت رہ کر منازل سلوک طے کرنے پڑتے ہیں اور جب پہلی منزل کے آداب و معاملات کا ملکہ اور اس میں پختگی پیدا نہیں ہوا تو دوسری منزل میں قدم نہیں رکھ سکتا تا آنکہ آداب و معاملات اسکی طبیعت کا تانا بانا ہو جائیں۔ اسی لئے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لیس التصوف رسوما ولاعلوما ولکنہ اخلاق یعنی تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں ہے بلکہ نام ہے اخلاق کا اور اس کو متخلق باخلاق اللہ ہونا چاہیئے۔ ان کے عملی نتائج مستحسن ہیں تو وہ معارف بھی مستحسن

ہیں، اگر عمل نتائج قبیح یا مضر ہیں تو وہ معارف بھی قبیح اور ضرر رساں ہیں۔ اب اس معیار پر علم تصوف اور فن سلوک کو جانچا جائے تو یہ حقیقت روشن ہوگی کہ یہی علم وفن انسان کی انسانیت کے کمال کا ضامن ہے اور جو اس سے منحرف ہوگا وہ بمشکل رذائل نفسانی سے متخلی اور فضائل انسانی سے متحلی ہوگا۔

محدثین رحمہم اللہ نے جن زمانوں میں تدوین حدیث کی طرف توجہ کی تو اس کے منجملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس سے کچھ پہلے سیاسی گروہ بندیوں نے وضع حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ پھر زنادقہ اور ملحدین نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے نہایت چالاکی اور طباعی سے وضع حدیث کو اپنی فتنہ پردازیوں کا آلۂ کار بنایا۔ محدثین رحمہم اللہ نے اس کے سدِّباب کے لئے بڑی دیانت اور امانت کے ساتھ احادیث صحیحہ اور موضوعات میں امتیاز کے لئے بڑی جدوجہد کی صحت احادیث کے جانچنے کے اصول وقواعد اور شروط مقرر کئے۔ متن حدیث اور اسناد دونوں ان اصول وقواعد اور شروط کی کسوٹی پر پرکھے گئے۔ متن حدیث کے جانچنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ جو روایتیں قرآن کریم کی آیتوں کے خلاف تھیں اور اسلامی تعلیم کی روح سے یکسر مختلف تھیں ان کو مردود اور موضوع قرار دیا گیا۔ البتہ اسناد کا معاملہ اس قدر آسان نہ تھا۔ تدوین حدیث کے وقت لاکھوں روایتیں رائج ہوگئی تھیں۔ اس وقت چار پانچ راویوں کے واسطے سے حدیثیں روایت کی جاتی تھیں۔ کسی حدیث کی صحت کا اعتبار کرنے سے پہلے اس حدیث کے تمام راویوں کے احوال اور وقائع زندگی کا معلوم کرنا ضروری تھا۔ ان کی عقل ان کے اسلام، ان کے عدل (یعنی کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار کی کیفیت) اور ان کے حفظ وضبط کا جائزہ لینا تھا۔ محدثین کرام نے کسی حدیث کو صحیح قرار دینے کے پہلے اس کے تمام راویوں کا ایسا ہی تزکیہ کیا، جیسا کسی مقدمے کے شاہد کی شہادت قبول کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی راوی کا اس شخص سے سماع ثابت نہ ہو، یا خود راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو ایسا اسناد ضعیف اور اگر وہی روایت دوسرے متعدد طریقوں سے ثابت ہو تو اس کو حسن کہتے ہیں لیکن صحت کا درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر دوسرے طریقوں سے اسناد جید ثابت نہ ہو تو اس کو متروک قرار دیتے تھے۔ قبول حدیث کی ان شرطوں میں خود محدثین کے درمیان اختلاف بھی تھا۔ بعض کے نزدیک ہر راوی کا حامل حدیث سے جس سے وہ روایت کرتا ہے سماع کا ثابت ہونا ضروری تھا اور بعض کے نزدیک اگر سماع ثابت نہ ہو تو کم از کم دونوں میں ملاقات کا ثابت ہونا ضروری تھا اور بعض دیگر محدثین دونوں کا ایک زمانے میں ہونا قبول حدیث کے لئے کافی سمجھتے تھے۔

محدثین کے اسناد رواۃ کے مماثل صوفیاء میں سلسلۃ الشیوخ ہے، تصوف وسلوک کے معارف اور

طور و طریق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تربیت و تزکیہ کی کامل متابعت ہے۔ یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کی روایت نہیں جس میں ثبوت سماع کافی ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ ہر شیخ اپنے شیخ کی صحبت کا تربیت یافتہ اور معیت سے برکت اندوز ہو۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ بواسطۂ صحابہ کرام جو براہ راست مرکز تعلیم و تزکیہ کی پیغمبرانہ تربیت کے حامل تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور یہ معلوم ہے کہ کوئی شیخ اپنے کسی مرید یا طالب کو منصب تعلیم و تربیت ارشاد و ہدایت کی اجازت نہیں دیتا۔ جب تک اس کو اس مرید کی اہلیت تربیت و تزکیہ کا وثوق نہ ہو، اس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اسناد روایت کے معیاروں کے مقابلہ میں سلسلۂ شیوخ کا معیار زیادہ احتیاط کا حامل ہے۔ ایسا ہونا ضروری بھی تھا۔ اس وجہ سے کہ شیخ مرید کے صرف ظاہری اعمال کا نگران اور محتسب نہیں، مرید کے دل اور نفس، قلب اور فؤاد اور نیت کی تصحیح اس کا دائرۂ عمل ہے، اور یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ مرید کے تزکیہ اور تربیت میں شیخ طریقت پر گوناگوں ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ صاحب جواہر السلوک نے فائدہ بیعت و بہم در امور ضروری سلوک میں تحریر فرمایا:

" بالجملہ تزکیۂ نفس موقوف بر اکتساب عقائد صحیحہ و اعمال فقہیۂ اہل سنت و جماعت و اجتناب از عقائد باطلۂ فلسفیہ و فرق مبتدعہ و ملاحدۂ وجودیہ و بدعات منتسبان صوفیہ و رسوم و عادات فاسدۂ رواجیہ و احتراز از مخلات عبادات و اتصاف بطرق ادا، طاعات و تخلی از رذائل و تحلی بفضائل است و اخبث رذائل دہ اند:

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ ۔۔۔ دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و طمع و بخل و حرام و غیبت ۔۔۔ کذب و حسد و کبر و ریا و کینہ

تزکیہ از رذائل نزد سلف صالح اقدام و اہم بود ص ۱۴۴

سلوک توجہ القلب الی الحق کو کہتے ہیں۔ اس کی غایت معرفت باری تعالیٰ تک پہونچنا ہے، اور اپنے بالقوہ کمال وجود کو بالفعل موجود کرتا ہے۔ اس سفر کی چار قسمیں ہیں۔ سفر اللہ۔ سفر الی اللہ۔ سفر فی اللہ و سفر باللہ۔ پہلا سفر جہل سے علم کی طرف، اس میں بندۂ مؤمن اپنے دین کی استقامت کے لئے علوم نقلیہ و عقلیہ کا اکتساب کرتا ہے۔ دوسرا سفر الی اللہ ہے جس میں بندہ علوم سے مزین ہونے کے بعد محبت و جذبات اور ذکر و اوراد کے ذریعہ طریقت کے واضح راستے پر اللہ کی طرف چلتا ہے۔ تیسرا سفر سفر فی اللہ ہے جس میں سالک طریقت باری تعالیٰ لا نہایت مظاہر جلال و جمال و کمال کی طرف کھنچا جاتا ہے۔ افعال اسماء و صفات کی تجلیات میں اس طرح کھو یا جاتا ہے کہ افعال و اسماء و صفات کے پرتو کے سوا کچھ نہیں۔ اسی کیفیت کو اتصاف بصفات باری تعالیٰ یا تخلق باخلاق اللہ سے تعبیر کرتے

ہیں۔ چوتھا سفر سفر باللہ ہے جس میں صفاتِ باری تعالیٰ سے متصف ہونے کے بعد خلق کیطرف رجوع ہوتا ہے۔

سالک یا مسافر کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض مقامِ معصیت سے سفر کرکے مقامِ طاعت تک پہنچتے ہیں اور یہ عوام مسلمین کا سفر ہے بعض غفلت سے ہوشیاری تنبہ اور آگاہی کی طرف سفر کرتے ہیں۔ یہ سالک کا پہلا سفر ہے۔ بعض مذموم اخلاق کو چھوڑ کر محمود اخلاق تک پہونچتے ہیں۔ یہ سالک سفر کی آخری منزل ہے۔ بعض خلق کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سفر الی اللہ کی انتہا اور سفر فی اللہ کی ابتداء ہے۔ ان میں سے بعض اپنی صفات سے بری ہو کر صفاتِ حق کی طرف سفر کرتے ہیں۔ بعض اپنے نفس کی ہستی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اس سفر میں ان کی ہستی بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی فنا سے بقا باللہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ وہ مسافر بھی ہیں جو فعل الٰہی کی صفت سے گذر کر جمال الٰہی کی طرف جاتے ہیں۔ بعض صفات فعلیہ کی جلوہ گاہ سے صفاتِ نفسیہ یا ذاتیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان میں بعض صفاتِ جمال سے صفاتِ جلال کی طرف اور بعض صفاتِ جلال سے صفاتِ کمال کی طرف۔ ان میں سے بعض وہ مسافر بھی ہیں جو صفات کی جلوہ گاہ سے ذات کی جلوہ گاہ کا عزم کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض جو جلوہ گاہِ ذات میں پہنچے بقول شاعر ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اور بعض دیگر خلق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی ؎ ہست قرآں در زبانِ پہلوی' زباں زدِ عوام و خواص ہے۔ کتاب جواہر السلوک کے متعلق ایسا کچھ کہنے کی میں جرأت نہیں کرسکتا۔ اگرچہ یہ کتاب بھی بزبانِ پہلوی ہے لیکن اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ وہ سرتاسر قرآن وسنّت سے ماخوذ ہے۔ فائدہ یکم در مراتب طبقات مردم علیٰ اختلاف درجاتہم کے ابتدائی بارہ سطروں کے مضمون کی قرآنی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تا اس سے اندازہ ہوسکے کہ یہ کتاب اور اس کتاب کے مضامین کس حد تک قرآن مجید کی شہادتوں سے مستند اور محقق اور ثابت ہیں۔

طبقاتِ انسانی کے مراتب تین ہیں۔ پہلا واصلین اور کاملین کا مرتبہ ہے۔ دوسرا طائفۂ کمال کے سالکین کا مرتبہ ہے۔ تیسرا ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو نقصان کی پستی میں پڑے ہیں۔

واصلین کو بلحاظ تقرب اولیت ہے۔ سالکین کا شمار ابرار و اصحابِ یمین میں ہے اور نقصان کی پستی میں پڑے ہوے لوگ اشرار ہیں جو اصحاب شمال میں آتے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی تمام انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے :-

۱) السابقون السابقون اولئك المقربون ۲) اصحاب الیمین

۳) اصحاب الشمال والمکذبین الضالین -

قرآن کریم اس تقسیم کے ہر گروہ کے احوال اور مآل کار واضح اور مفصل طور پر بیان کئے ہیں۔ سورۃ الواقعہ کے ابتدائی چھ آیتوں میں واقعۂ قیامت کی بعض کیفیتوں کا بیان ہے۔ پھر ساتویں آیۃ میں ذکر کیا وکنتم ازواجا ثلثہ اور تم تین جوڑیا گروہ ہو جاؤ گے۔ آٹھویں آیت میں اصحاب المیمنہ۔ نویں آیت میں اصحاب المشئمہ اور دسویں اور گیارھویں آیت میں السابقون السابقون اولئك المقربون ذکر کئے گئے۔ آیت نمبر بارہ سے آیت نمبر ۲۶ تک ان سابقین مقربین کی آخرت میں نعمتوں اور بخشائشوں کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۲۷ میں فرمایا کہ واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین پھر آیت نمبر ۲۸ سے نمبر ۴۰ تک ان کی جنت میں زندگی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال آیت نمبر ۴۲ سے آیت نمبر ۵۶ تک اصحاب شمال کے عذاب آخری کا حال مذکور ہے۔ آیت نمبر ۵۸ سے آیت نمبر ۸۷ تک ان کے کفر وانکار قیامت وتکذیب قرآن کی تردید تہدید اور سرزنش ہے۔ آیت ۸۸ سے آخر تک پھر ان تینوں گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلے مقربین پھر اصحاب یمین اور پھر المکذبین الضالین کا فاما ان کان من المقربین ۝ فروح وریحان وجنۃ نعیم ۝ واما ان کان من اصحاب الیمین ۝ فسلام لك من اصحاب الیمین۔ واما ان کان من المکذبین الضالین ۝ فنزل من حمیم ۝ وتصلیۃ جحیم ۝ ان ھذا لھو حق الیقین ۝ فسبح باسم ربك العظیم ۝ کیا یہ واقعہ نہیں کہ سورۃ الواقعہ کا موضوع سخن ہی انسانوں کی ان تین گروہوں میں تقسیم ہے۔ طبقات انسانی کے مراتب سہ گانہ کے اس اجمالی ذکر کے بعد جواہر السلوک میں واصلین کاملین کی بھی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اول انبیاء جو وصول وکمال کے بعد تکمیل ناقصان خلق کے کام پر مامور ہوتے ہیں اور عالم غیب اور عالم شہادت کے درمیان واسطہ ہیں۔ دوم مشائخ صوفیہ جو کمال متابعت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مرتبۂ وصول پر فائز ہونے کے بعد متابعت رسول کے طریقے سے دعوت خلق کے فرائض سونپے گئے۔ قل ھذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (یوسف) سوم درجۂ کمال پر پہنچنے کے بعد اسی طرح غرق بحر فنا ہوئے کہ پھر ان کی کچھ خبر نہیں۔ اس لئے تکمیل ودعوت خلق ان کے سپرد نہیں کی گئی۔ پھر اہل سلوک یا ابرار واصحاب الیمین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ سالکین جو اللّٰہ کی ذات کو چاہتے ہیں۔

ومنکم من یرید الآخرۃ سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے علاوہ اپنے برگزیدہ بندوں کی بھی تین قسمیں بیان کی ہیں ۔ والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر○ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذالک ھو الفضل الکبیر○ (الفاطر) اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے' وہ حق ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ۔ اور بعضے ان میں سے میانہ رَو ہیں اور بعضے ان میں خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جا رہے ہیں ۔ یہ بڑا افضل ہے ۔ فمنھم ظالم لنفسہ کی دوسری جگہ یہ تفصیل دی گئی ہے واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا واٰخر سیئاً عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم (التوبہ) دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انہوں نے ملے جلے کام کئے ۔ کچھ اچھے کچھ برے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ان پر اپنی رحمت سے لوٹ آئے' اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کرنے اور ان صدقات کو قبول کر کے انہیں بخل و طمع برائیوں سے پاک کرنے کیونکہ بخل و طمع جو حبِّ دنیا کا نتیجہ ہیں اکثر برائیوں کا باعث ہیں ۔ اور انہیں تربیت یافتہ کرنے کا حکم دیا گیا ۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا اور فرمایا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم واللہ سمیع علیم (التوبہ) ان کے لئے دعائے خیر کیجئے کیونکہ آپ کی دعاؤں کے لئے راحت و سکون ہے اور اللہ دعائیں سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ تصوف و سلوک کا ماخذ غیر اسلامی ہے یا بدعت و ضلالت ہے ۔ اگر یہ ضلالت ہے تو نہیں معلوم ان مدعیوں کے پاس ہدایت کا کیا مفہوم ہے ؟

کتاب جواہر السلوک' سلوکِ معنوی کے چالیس جواہر پاروں پر مشتمل ہے ۔ ان میں سے ہر جوہر جس کی لفظ فائدے سے تعبیر کی ہے ایک باب کا موضوعِ سخن ہے ۔ یہ موضوعات علم تصوف و فن سلوک کے مہمات میں سے ہیں' سلوک کے اصول و مقاصد" نظریات اور توجیہاتِ تصوف کا موضوع ہیں اور خود سلوک علم تصوّف کا عملی پہلو ہے' جو نسبت فقہ کو اصول فقہ سے ہے' وہی نسبت سلوک کو تصوف سے ہے ۔ علم تصوف کے معارف و حقائق سالک

طریقیت کی راہ کو روشن اور واضح کرتے ہیں۔ کتاب **جواہر السلوک** نظری اور عملی دونوں قسم کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی فوائد علمی و نظری ہیں اور اس کے بعد عملی فوائد ہیں۔ جیسا فہرستِ ذیل سے واضح ہے :-

دائرۃ الوجود متعلقۂ رسالہ :-

فائدہ یکم ــــ درمراتب طبقات مردم علی اختلاف درجاتہم

فائدہ دوم ــــ معرفت نفس کلید معرفت حق است

فائدہ سیوم ــــ درانواع سفر

فائدہ چہارم ــــ مسافران راہ حق بر دو قسم اند یکے حکماء و علماء، دویم عرفاء و اولیاء

فائدہ پنجم درسفر حق و سفر العبد

فائدہ ششم درقوس نزولی و قوس عروجی وجود

فائدہ ہفتم درقوس عروجی و قوس نزولی سفر العبد

فائدہ ہشتم دراحکام و خواص طور ولایت و طور نبوت

فائدہ نہم درحبِ عشقی ای راہ ولایت و درحبِ ایمانی ای راہ نبوت۔

فائدہ دہم دراسفار اربعۂ دائرۃ الوجود و فیما یتعلق بہا

فائدہ یازدہم درسلوک سفر اول و طریق اکتساب ولایت

فائدہ دوازدہم درمرتبۂ نفس و مرتبۂ قلب و مرتبہ روح

فائدہ سیزدہم در ترقیاتِ سالک

فائدہ چہاردہم دربیان انسان و قرب نوافل و قرب فرائض

فائدہ پانزدہم درتصویر توحید وجودی و دفع شبہات سالکان

فائدہ شانزدہم تجلیات حق بر چہار گونہ است

فائدہ ہفدہم دراقسام توحید متضمن فوائد عجیبہ

فائدہ ہجدہم درانواع تجلی افعال

فائدہ نوزدہم درانواع تجلی اسماء

فائدہ بیستم درانواع تجلیاتِ صفات

فائدہ بست ویکم	در تجلیٔ ذات
فائدہ بست ودوم	در بیان جہت معیت وجہت سلسلۂ تربیت
فائدہ بست وسیوم	ارباب صلاح وسلوک چہار اند
فائدہ بست وچہارم	در بیان راہ جذب وراہ سلوک وغیرہما
فائدہ بست وپنجم	در بیان جذبہ وسلوک وغیرہما
فائدہ بست وششم	در بیان ولایت واولیاء
فائدہ بست وہفتم	در اقسام ولایت ودیگر فوائد معیت وتجدد (الامثال ووحدۃ وجود واندراج (الکل فی الکل)
فائدہ بیست وہشتم	در عقائد
فائدہ بیست ونہم	در امور ضروری سلوک مع فوائد متعلقہ
فائدہ سی ام	در آداب ذکر ہنگام مشغولی وقبل آن وبعد آن
فائدہ سی ویکم	در بیان تبتّل
فائدہ سی ودویم	در طریق سلوک مع فوائد متعلقہ تفصیلاً
فائدہ سی وسیوم	در سلوک مقام عشرہ
فائدہ سی وچہارم	در سلوک دائرۂ وجود
فائدہ سی وپنجم	در نصیحت سالک
فائدہ سی وششم	در معمور داشتن اوقات باذکار وتلاوت وصلوٰۃ وغیرہا۔
فائدہ سی وہفتم	در صلوٰۃ وصوم وصدقہ وتلاوت وغیرہا
فائدہ سی وہشتم	در کیفیت ذکر وغیرہا
فائدہ سی ونہم	در مراقبہ
فائدہ چہلم	در معارضات راہ ومعالجات آں

الف۔ مقام ملحقۂ رسالہ (بصورت جداول)

کتاب جواھر السّلوك ایک اعتبار سے امہاتِ کتبِ صوفیہ کے معارف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے،

ملّا جلال دوانی کی "لوامع الاشراق" سلطان العلماء عزالدین عبدالسلام کی "حل الرموز" شیخ اکبر ابن عربی کی "فتوحاتِ مکیہ"

اور فصوص الحکم" شیخ اکبر ثانی عبد الکریم الجیلی کی" الانسان الکامل"۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی" عوارف المعارف"۔ قیصری کی" شرح فصوص" اور شرح قصیدہ فارضیہ"۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکاتیب۔ الشیخ الکبیر صدر الدین القونوی کی" تبصرۃ المبتدی"۔ جامی کی" اشعۃ اللمعات" اور شرح فصوص۔ شبستری کی" گلشن راز" اور اس کی شرح" مفاتیح الاعجاز۔ مولانا روم کی مثنوی۔ قطب الاقطاب شیخ عبد القادر الجیلانی کی" فتوح الغیب"۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کا رسالہ" عشرۃ الوصول"۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی" شرح فصوص"، شاہ ولی اللہ دہلوی کی" الطاف قدس" مکتوب قدس،" ہمعات" و رسالۂ حسن عقیدہ"۔ و قول الجمیل"۔ شیخ فتح محمد محدث برہان پوری کا رسالہ در عقائد صوفیہ اور فتح الطریق۔ شاہ عبد العزیز کی" تفسیر عزیزی"۔ تحفۂ اثنا عشریہ" اور فتاوی اور دیگر مصنفین صوفیاء کے معارف کا خلاصہ اور وضاحت ہے۔ اور بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن کا کتاب جواہر السلوک میں حوالہ دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مزید تفصیلات چاہے تو خود ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

کتاب جواہر السلوک مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، تحقیق و تدقیق پر بیّن دلالت کرتی ہے، جو اختصار پسند ہیں ان کے حق میں جواہر السلوک مذکور بالا کتب اور رسائل کے قائم مقام ہے۔

واصلین کاملین کے مراتب سہ گانہ میں مرتبہ اولیٰ انبیاء کرام کا ہے تو مرتبۂ ثانیہ پیر مشائخ صوفیاء ہیں، جو بکمال متابعت نبی کریم علیہ الصلوات والتحیات مرتبۂ وصول پر فائز ہونے کے بعد متابعت رسول کے طریقے سے دعوۃ الخلق الی الحق کے فرائض ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ بھی منازل سلوک و مراحل علوم و معارف و حقائق کے اتمام پر ہدایت خلق، دعوت الی الحق، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور حفظ حدود اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے آپ نے درس و تدریس، افتاء، وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف اور اپنی فیض صحبت کی تربیت سے طالبان حق کے تزکیہ اور تصفیہ کے وسائل اختیار کئے: آپ کے حلقۂ درس و تدریس اور فیض صحبت سے مستفید ہونے والوں کی تعداد حد شمار سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر، مولوی عبد الحی صاحب مطلع النور، اور مولانا عبد الرحیم ضیا حیدر آبادی کی مقالات طریقت اور کتاب" انوار اقطاب ویلور" میں پایا جاتا ہے۔ صاحب مقالات طریقت فرماتے ہیں:- "بعد خواندگی اوراد و ادعیۂ ماثورہ و ادائے صلوٰۃ اشراق مسجد کے باہر درس علوم دینی میں خصوصاً حقائق و سلوک میں متوجہ رہتے اور بعد تدریس جوابات خطوط و استفتاء دست خاص سے تحریر فرماتے۔"

انوارِ اقطابِ ویلور میں مذکور ہے کہ آپ کے فتاویٰ کا ضخیم دفتر موجود ہے اور ایک مکتوبات کی ضخیم جلد بھی موجود ہے۔" صاحبِ مطلع النور فرماتے ہیں کہ "افتاء کے اندر آپ کا اتنا بلند مقام تھا کہ عوام کے علاوہ استفادہ کی غرض سے ان حضرات کا بھی ہجوم رہتا جو اس وقت منصبِ افتاء پر فائز تھے۔ اصلاح و ہدایت خلق دعوت الی الحق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض سے ہفتہ میں دو روز آپ نے وعظ و تقریر کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ضمیمۂ جواہر السلوک میں بھی آپ کے معمولات کے تحت ذکر کیا گیا ہے کہ "و ہر جمعہ در مرداں و ہر سہ شنبہ در زناں وعظ نمودند" آپ نے تقریر کے علاوہ تحریر سے بھی بہت زیادہ کام لیا۔" انوار اقطاب ویلور کے صفحہ ۸۰ میں مذکور ہے: "آپ نے بیعت و خلافت کے ذریعہ بھی سینکڑوں انسانوں کو راہِ حق پر گامزن کر دیا۔ چنانچہ عرب و عجم میں آپ کے مریدین کا کوئی شمار نہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے سات لاکھ مرید ہیں۔

پروفیسر کوکن (رسالۃ اللطیف میں بابت ۱۳۸۹ ہجری کے صـ۱۳۶ پر) تحریر فرماتے ہیں: کہ جب احیاء توحید و سنت پر آپ کی زوردار تقریریں ہونے لگیں، تو بعض شریر النفس لوگوں نے ۱۲۵۵ھ ہجری میں برطانوی حکام کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی کہ حضرت قطب ویلور عام لوگوں کو حکومت کے خلاف جہاد پر برانگیختہ کر رہے ہیں۔ حکام وقت نے ان پر مقدمہ چلایا اور کچھ دن حوالات میں رکھا۔ ایک سال یہ ہنگامہ جاری رہا۔" لیکن ع دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

حضرت قطب ویلور کو راہِ حق میں قید و بند کی سختیاں جھیلنی پڑیں تو کیا تعجب۔ آپ کے جد امجد حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت الی الحق کی پاداش میں قتل کی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ (انوار اقطاب ویلور صـ۳۳)

ہمیشہ داعیانِ حق کے ساتھ منکرینِ حق اور معاندین اور حاسدین کا یہی طریق کار رہا۔ ان معاندین اور حاسدین کی نظر میں داعیانِ حق کا یہی جرم کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے کہ دنیا ان کی طرف کیوں کھنچتی ہے۔ علماءِ حق اعلان و تذکیر میں اسی طرح ناچار ہیں جس طرح بینائی رکھنے والا دیکھنے پر مجبور رہتا ہے۔ یہاں حق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دلوں میں گھر کرے اور ہر طرح سے انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔

یہ واقعہ ہے کہ ہر دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسانوں کے مرکزِ محبت ہوتے ہیں۔ زمین والوں ہی پر موقوف نہیں آسمانوں میں بھی ان کی مقبولیت و محبوبیت کے چرچے رہتے ہیں۔ صحیح بخاری میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: "اذا احب اللہ العبد فقال لجبریل انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی جبریل فی اہل السماء ان اللہ قد احب فلانا فاحبوہ فیحبہ اہل السماء ثم یضع لہ

القبول فی الارض یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں، تم بھی اس کو دوست رکھو۔ پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر آسمان والوں میں اس کی منادی کر دیتے ہیں، پس تمام آسمان والے بھی اس کو چاہنے لگتے ہیں اور اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ پھر جب آسمانوں پر اس کی محبوبیت کا اعلان ہو جاتا ہے تو زمین والوں کے دل میں بھی اس کی محبت کے در کھل جاتے ہیں۔

حضرت قطب ویلور میں خاصان حق کے وہ تمام صفات پائے جاتے تھے جن کا ذکر سورۂ الفتح کے آخری رکوع محمد الرسول اللہ والذین معہ (الآیہ) سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ اور آیت نمبر ۱۱۲ ’ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم الیٰ قولہ تعالیٰ وبشر المؤمنین اور سورۂ الفرقان کے آخری رکوع: وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا .... الیٰ آخر السورۃ میں کیا گیا ہے:

آپ کی سیرت کے تمام جزئیات کا استقصاء کیا جائے تو اس کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ صاحب انوار اقطاب ویلور نے ایجاز اور جامعیت کے ساتھ آپ کی سیرت اور اوصاف کریمانہ کے متعدد پہلو واضح کئے ہیں۔ اب نہ ان کا اختصار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو بعینہٖ نقل کیا جاسکتا ہے۔ ان قارئین کرام کو جو آپ کی سیرت سے اکتساب فیض کرنا چاہتے ہیں کتاب مذکور کے صـ۹۴ سے صـ۹۷ تک کا بامعان نظر مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی نے کتاب جواہر السلوک کا اردو ترجمہ کرنا شروع کیا۔ لیکن صرف آٹھ فوائد اور نویں فائدے کے کچھ حصے کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ ۲۸ جنوری ۱۹۶۷ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

مولانا شاکر نائطی ۱۸۹۵ء میں بمقام میلمبور ضلع جنوبی آرکاٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی میں حاصل کی اور مزید تعلیم کے لئے دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں داخل ہوئے۔ جہاں نو سال تک زبان فارسی اور عربی اور تمام علوم متداولہ ادبیہ وعقلیہ و دینیہ کی تعلیم حاصل کی۔ سلوک اور تصوف بھی نصاب تعلیم کا اہم جزء تھا۔ شعر و شاعری کا ذوق طبعی تھا۔ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے نصاب تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ مدت مقامی اورسس کالج میں اردو کے مدرس رہے۔ جامعہ عمر آباد دارالسلام کا افتتاح ہوا، تو اعلیحضرت ابو الفتح سلطان محی الدین شاہ عبدالقادر قادری سجادہ نشین حضرت مکان نے تدریس کے لئے مولانا شاکر نائطی کا نام تجویز فرمایا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء کی ابتدا میں عمر آباد چلے آئے اور اخیر تک وہیں رہے۔ شروع شروع میں تمام اہم اسباق عربی و فارسی کے آپ ہی کے ذمے تھے۔ اسی دوران میں الانابۃ الی اسعاد الصحابہ کی تالیف کی اور ترجمہ کے ساتھ اس کو شائع کیا۔ متعدد مقالات اور مضامین

تحریر فرمائے لیکن ناساعد احوال کی وجہ سے ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

کتاب جواہر السلوک کا ترجمہ بایماء اعلیحضرت شروع کیا تھا لیکن موت نے ترجمہ مکمل کرنے کی مہلت نہ دی ترجمہ کی عمدگی کی بابت یہ کہنا کافی ہے کہ مترجم نہ صرف یہ کہ سلوک وتصوف سے وابستہ تھے اور اس فن کو اہل فن سے حاصل کیا تھا۔ ان کا ذوق ادب اور ترجمانی معارف وحقائق میں مہارت ترجمہ کی صحت کی ضمانت دیتی ہیں۔

کتاب جواہر السلوک کے حصۂ اول کی اشاعت کا وقت آیا تو ضروری تھا کہ ترجمہ مکمل کرلیا جائے۔ جناب ابوالمکارم سید شاہ مصطفےٰ حسین بخاری صاحب استاذ دارالعلوم نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔

آپ حیدرآباد میں ۲۹ ڈسمبر ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد اور بھرکڈپہ میں ہوی۔ مزید تعلیم کے لئے ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم لطیفیہ میں داخل ہوے۔ نوسال کی تعلیم کے بعد دارالعلوم لطیفیہ سے شہادت فضیلت حاصل کی۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں اپنی قابلیت کا ایسا ثبوت دیا کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ہی دارالعلوم میں مدرس بنا دئے گئے۔ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے اسے زمانے میں افضل العلماء کی شہادت بھی حاصل کی۔ علوم دینیہ کے علاوہ کتاب جواہر السلوک جو داخل نصاب تھی اس کی تدریس بھی آپ کی ذمّے رہی۔ خود سبقاً سبقاً اہل فن سے اس کتاب کو پڑھا تھا۔ تدریس کے دوران کتاب مذکور کے معانی وحقائق ان پر منکشف ہوئے۔ آپ نے ۱۹۷۳ء میں اعلیحضرت قبلہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا گیا۔ اس لحاظ سے کتاب جواہر السلوک کے لئے آپ ہی بہت زیادہ موزوں مترجم تھے۔ چنانچہ اب آپ کا نویں فائدے کے پچھلے حصّے اور دسویں فائدے کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین خانقاہِ اقطاب ویلورؒ، شمس العلماء مولانا مولوی الحاج حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب قادری قدس سرہ العزیز کے دوسرے فرزند ہیں۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو مکان حضرت قطب ویلور میں پیدا ہوے۔ دارالعلوم لطیفیہ کی علمی ودینی وروحانی ماحول میں تربیت پائی۔ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے وقت دس سال کے تھے۔ ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۷۸ھ تک تقریباً چالیس سال اپنے بڑے بھائی اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری نقویؒ کے زیر سایہ روحانی فیوض حاصل فرماتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جائداد کی نگرانی آپ کے ذمہ تھی۔ آپ نے اپنے بھائی کے ہاتھ پر

بیعت کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ان کی وفات کے چالیس دن بعد ۲۲ر صفر المظفر ۱۳۷۸ھ کو سجادہ نشینی کی تقریب انجام پائی۔ علماء وفضلاء اور علاقۂ دکن کے تقریباً جمیع سلاسل کے سجادہ نشین اور مشائخ کرام مدعو تھے۔

آپ سے دارالعلوم کی ترقی کی جو امیدیں بھی وابستہ کی گئی تھیں وہ ایک ایک کرکے پوری ہونے لگیں۔ آپ نے جائداد کی دوبارہ پوری تنظیم کی اور اس سے جو بھی آمد ہونے لگی اس کو دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء پر صرف کرنا شروع کیا۔ یہی ہر وقت سوچتے تھے۔ اس جائداد سے حلال کمائی حاصل ہو، جس کا مصرف اساتذہ وطلباء کی راحت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اب یہاں دارالعلوم کی جتنی بھی ترقی ہوئی ہے، وہ آپ کی وجہ سے ہے، پہلے صرف چند اساتذہ یہاں کام کرتے تھے اور طلباء کی تعداد بھی بالکل کم تھی۔ آج یہاں دس اساتذہ ہیں اور ایک سو کے قریب طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔

آپ اپنے خاندانی روایات کے پورے پورے حامل ہیں۔ آپ کا سفرہ سفرۂ عام ہے، جو مہنگائی اور قلّت کے زمانے میں بھی گھٹ نہیں سکا۔ یہاں جو بھی آتا ہے اس سفرۂ عام سے سیراب ہوتا ہے اور حضرت سعدیؒ کے قول کے مطابق ؎ ادیم زمیں سفرۂ عام اوست ‌ ‌ ‌ ‌ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی۔ وہ ہر ایک سے ایسی محبت سے پیش آتے ہیں کہ ان کا مخالف بھی ان کا گرویدہ ہوکر رہ جاتا ہے، اور بقول صاحب انوار اقطاب ویلور:

"حقیقت یہ ہے کہ یہ وسیع النظری، حسن خلق صرف انہی حضرات کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ کا بہت ہی زیادہ پاس ولحاظ، ہمیشہ سنّتِ رسولؐ پر چلنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ عبادت وریاضت کا بہت زیادہ شوق غالب رہتا ہے، منکسر المزاجی حد درجہ پائی جاتی ہے۔ دَورانِ گفتگو میں اس احتیاط سے تکلم فرماتے ہیں، جس سے غرور وتمکنت کی بو نہ پیدا ہو۔ حتی الامکان یہی کوشش رہی ہے کہ خود تکلیف جھیل کر دوسروں کو آرام پہنچائیں۔ خدمتِ دین کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اور ہمہ وقت یہی تمنا رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین لے اور اس کو قبول فرمالے کیونکہ آخرت کے لئے یہی بہترین سرمایہ ہے۔ اسی جذبۂ خدمت دین نے دارالعلوم لطیفیہ کو نشأۃ ثانیہ عطا فرمایا۔

حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری، آپ شمس العلماء مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپ مؤرخہ ۵ر ذی الحجہ

۱۰/

۱۳۲۹ھ کو بہ مقام مکان حضرت قطب ویلور پیدا ہوئے۔ آپ دارالعلوم لطیفیہ کے اندر ہی مشغول بالتعلیم رہے۔ چند سال قابل اساتذۂ روزگار کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم فرمایا۔ بعد میں اعلیٰحضرت مرحوم کے زیرسایہ تربیت پاتے رہے۔ اور خاندانی جواہر پارے اپنے برادر بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرماتے رہے۔ اور ۱۳۷۵ھ میں انہیں کے دستِ حق پرست پر بیعت فرماکر خرقۂ خلافت حاصل فرمایا۔ آپ نہایت ہی خلیق واقع ہوئے ہیں۔ آپ کے اندر بھی اپنے ہی بزرگوں کی خوبو ہے۔ مہمان نوازی، تواضع وانکسار کا وہی عالم ہے جو آپ کے اور بھائیوں کا ہے۔ صاحب جلال سنجیدہ مزاج ہیں۔ کتبِ تصوّف سے آپ کو بہت زیادہ قلبی لگاؤ ہے۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد جب بھی آپ کو موقع ملا تو ملفوظات یا کسی مسائل تصوف پر کوئی کتاب مطالعہ فرماتے رہتے ہیں۔ خلق سے بڑی خوش طبعی سے پیش آتے ہیں۔ حتی الامکان یہی کوشش رہتی ہے کہ اپنی جانب سے کسی خلق خدا کو کوئی ایذا نہ پہنچے، خواہ کوئی کچھ بھی سلوک کرے، لیکن ہمیشہ خاروں کا جواب پھول سے دینے کی سعی فرماتے۔

آپ بھی اور بھائیوں کی طرح مدرسہ کے کاروبار میں نہایت جانفشانی سے کام لیتے رہے اور ہمیشہ اس ادارے کی ترقی کے لئے کوشاں رہے ہیں، اور یہ ترجمہ آپ کے زیراہتمام قارئین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مولنا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری، بی اے۔ شمس العلماء مولنا مولوی الحاج حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب قادری قدس سرہٗ العزیز کے چوتھے اور سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ ۵ ربجمادی الاول ۱۳۳۶ھ کو مکان حضرت قطبؒ ویلور میں پیدا ہوے۔ خانقاہ کی روحانی اور دارالعلوم لطیفیہ کی علمی فضا میں پرورش پائی۔ علماء وفضلاء وقت کی باتیں ان کے ذہن نشین ہوتی جارہی تھیں لیکن انگریزی پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ اس لئے ان کو گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول میں داخل کیا گیا۔ ایس ایس ایل سی کے بعد محمڈن کالج مدراس سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ انگریزی اور اردو کے علاوہ اسلامی تاریخ وتمدن ان کا خاص موضوع رہا۔ ایک سال تک لا کالج مدراس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر قانون کی تعلیم کا خیال ترک کرکے دارالعلوم لطیفیہ کی تنظیم وتنسیخ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے۔ اپنے بڑے بھائی اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری نقویؒ سے روحانی فیوض بھی حاصل کرتے رہے۔ ان کے انتقال سے تین برس پیشتر ۱۳۷۵ھ میں ان کے ہاتھ بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

متعدد اسباب کی بنا پر جن پر بحث کی یہاں گنجائش نہیں کچھ مدت سے دارالعلوم لطیفیہ کے فیوضات علمی

کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی۔ لیکن جب اس کی براہ راست نگرانی آپ کے ذمہ ہوئی تو نہ صرف طرزِ تعلیم و تربیت میں ایک نئی روح پیدا ہوئی بلکہ اس درسگاہ کی پرانی روحانی آب و تاب بھی عود کر آئی۔ آپ نے لائق اساتذہ کا انتخاب کیا، اور طلباء کی ذہنی سطح کو درجہ بدرجہ بلند کرنے کی کوشش کی۔ مختلف اہل علم و بصیرت کو دعوت دے کر ان کی طلباء کے سامنے تقریریں کروائیں۔ انہوں نے دائرۃ المعارف کے نام سے ایک تصنیفی ادارہ بھی قائم کیا اور اقطاب ویلور کی زرین تعلیمات و ارشادات کو خواص و عوام سے روشناس کرنے کا اقدام کیا۔ اللطیف کا سالنامہ جاری کیا جس میں صرف دارالعلوم کے طلباء و اساتذہ کے مضامین شائع ہوتے ہیں بلکہ اکثر علماء و فضلاء و شعراء کی بھی تحریریں شائع کی جانے لگیں۔

اس ادارے کے جانب سے ابتک کئی علمی و مذہبی کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے ہیں، جن میں "انوارِ اقطابِ ویلور" ۔ رسالۂ قولی رحمۃ اللہ علیہ، میزان العقائد، بیعتِ غائب و حاضر۔ النشائے عقائدِ ذوقی ۔ نیز جواہر السلوک کا پہلا حصہ مع ترجمہ کے قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں جواہر السلوک اور جواہر الحقائق خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ اسلئے انہیں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کا بھی عزم راسخ ہے۔ چنانچہ اب کتاب جواہر السلوک انہی کی خاص توجہ کی بنا پر اردو ترجمے کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے، اس سے قارئین کرام کو اکتسابِ فیض روحانی کا ایک زرین موقع مل رہا ہے۔ ہم سب اس بنا پر آپ کے بیحد ممنون ہیں کہ آپ کی کوششوں کی بدولت یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے، اور یہ سب کچھ اعلیحضرت کی ہدایتوں اور ان سے استصواب اور مشورے سے ممکن ہوا۔ اللہ

اللہ تعالیٰ اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی، ان کے برادران حضرت ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری اور حضرت سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری مدظلہ، کو جزائے خیر دے اور ان کی کوششوں کو بارآور فرماوے اور ان کے روحانی فیوض و برکات کو عام کرے۔ آمین !

خادم دین

محمد حسین عفی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ الذین سلکوا مرشدہ وجلسوا مقعدہ

اما بعد ایں جواہر یست چند در سلوک معنوی کہ در سلک حروف وکلمات منسلک گردید۔ وفوائدیست بلند در سیر وسفر انسانی کہ از مکمن غیب بجلوہ گاہ شہادت رسید۔

مقاصد ایں فوائد تا وسع در طی اسناد مطوی است ورعایت افہام عوام در وے مرعی مع ھٰذا اکثر مقاصد در البسۂ مختلفہ تکرار پذیرفتہ اند۔ تا طالب بانحاء متنوعہ پی بمقصود برد، ولباس موجب حجاب مقصودی ولباس دیگر نشود۔ چوں غوری رود، روشن شود کہ ایں رسالہ ہمچو کچکول دریوزہ گراں لبریز نوالہ ہائے گوناگون ہست۔ وماننـد مرقع درویشاں بہیئت اجتماعیہ قطعات بوقلموں۔

پس وجود مؤلف را درمیان نہ بینند وبلش

تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو یکتا ہے اور درود وسلام اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کے آل واصحاب پر جو آپ کی راہ چلے اور آپ کے جانشین ہوئے۔

اما بعد۔ سلوک معنوی میں یہ چند جواہر ہیں جو حروف وکلمات کی لڑی میں پروئے گئے اور یہ سیر وسفر انسانی میں بلند فوائد ہیں، جو نہاں خانۂ غیب سے جلوہ گاہ شہادت میں لائے گئے۔

ان فوائد کے مقاصد حتی المقدور اسناد پر مبنی ہیں، اس میں عوام کے سمجھ کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکثر مقاصد مختلف تعبیرات میں مکرر بیان کئے گئے ہیں تاکہ طالب کی رسائی مختلف طریقوں سے مقصود تک ہو سکے۔ اور تعبیر کا کوئی لباس مقصود کے حجاب کا باعث نہ ہو اور نہ وہ کوئی دوسرا لباس بن جائے۔ جب غور سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہ رسالہ فقیروں کے کشکول کی طرح ہے جو گوناگوں نوالوں سے لبریز ہے۔ یا یوں کہئے کہ بہیئت مجموعی یہ درویشوں کی گدڑی ہے جس میں رنگ برنگ کے پیوند لگے ہوتے ہیں۔

لہٰذا اس رسالہ کی تالیف میں مؤلف کے وجود کو درمیان

از سفرہ چینی مرتبۂ نہ نہند کہ اِنَّمَا اَنَا
قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔[ل]
وزبان قدح برسخنان کبرئ دین وعظمائے
اہل یقیں نہ کشایند۔ ؎
بچو دانی کہ مقصود گوئندہ چیست
مپیں اے برادر کہ گوئندہ کیست
نباید بدیں قدر گوہر شکست
کہ از دست بے قدر آید بدست
کی افتد در اعجاز قرآن شکے
اگر خواندش بے خرد کودکے
و از صورت عیب جوئی بزرگان و سیرت
بدگوئی گذشتگان اجتناب فرمایند۔
مثنوی ؎ گر خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب اہلِ دل نفس
ور خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد
میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد
نکتہ ہا چوں تیغ پولاد ست تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا
رجا از مُلہمِ غیبی آنکہ دریں عجالۂ نافعہ و
سلالۂ رائعہ دل وزبان فقیر را از اقترانِ
احادیث نفسانیہ نگہدارد۔

میں نہ رکھیں اور اس کو سفرہ چین سے زیادہ مرتبہ نہ
دیں میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا تو اللہ ہے۔
بنابریں اکابرِ دین اور عظمائے اہل یقین کی
باتوں پہ نکتہ چینی نہ کریں۔ (ترجمۂ اشعار)
جب تمہیں معلوم ہے کہ کہنے والے کا مقصود کیا ہے تو
اے بھائی یہ نہ دیکھنا کہ کہنے والا کون ہے۔
گوہر کی قدر و قیمت اس لئے نہیں گھٹا دینی چاہیئے
کہ وہ ایک بے قدر آدمی سے حاصل ہوا ہے۔
قرآن مجید کے اعجاز میں کیونکر کوئی شک کیا جائے
اگرچہ کہ اس کو بے سمجھ لڑکا ہی پڑھے۔
نیز بزرگوں کی عیب جوئی اور گذرے ہوؤں
کی بدگوئی سے صورتاً و سیرتاً پرہیز کریں۔
اگر خدائے تعالیٰ کسی کا عیب چھپانا چاہتا ہے تو
ایسا شخص اہل دل کے عیب میں زبان نہیں کھولتا۔
اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب کو ظاہر کرنا چاہتا ہے
تو اس کو پاک لوگوں کی طعنہ زنی پہ مائل کر دیتا ہے۔
یہاں فولادی تلوار کی طرح کئی نکتے ہیں۔ اگر تمہارے
نزدیک ڈھال نہیں ہے تو بھاگ نکلو۔
اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے نہ آؤ
کیونکہ تلوار کو کاٹنے میں کوئی عار نہیں ہوتا۔
ملہم غیبی یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ اُمید ہے کہ وہ عجلت
میں لکھے گئے اس نفع بخش عمدہ رسالہ میں فقیر کے دل و
زبان کو خطرات نفسانی سے محفوظ رکھے گا۔

[ل] حدیث شریف

وباعلوم خالصۂ الہامیّہ[1] مقرون گرداند
اِنَّهٗ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔
قال اصحاب الاصول والعقائد اَلْمُجْتَهِدُ
يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ۔
وقیل اِنَّ اَوَّلَ نَاسٍ اَوَّلُ النَّاسِ
پس در خطاء مؤلف سفرہ چین ریبی نیست توقع
از برادرانِ دینی آں کہ دریں خطا باصلاح طغیانِ
قلم ولغزش قدم احراز اجر نمایند۔ واز اُمورِ
نفسانیہ مجتنب باشند اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
باعث بر تحریر ایں رسالہ نواب والا مناقب
رفیع القدر والمناصب میر ابن الامیر امیر الدولہ بہادر
است عَظَّمَ اللّٰهُ اَجْرَهٗ وَلْيَسِّرْ اَمْرَهٗ وَزَكّٰى نَفْسَهٗ وَ
شَرَحَ صَدْرَهٗ بِحُرْمَةِ سیدالبشر المطہر عن
زیغ البصر علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن
التحیات اکملہا۔ ؎

شد باعث نظم ایں رسالہ
نواب زماں امیر دولہ
مشغول حصول علم رائش
ناظم مشغول در دعائش
حق حافظ حال آں یگانہ

اور خالص علوم الہامیہ سے آشنا کر دیگا۔
بیشک وہ قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔
اصحاب اصول وعقائد نے فرمایا کہ مجتہد سے خطا
وصواب بھی ہوتے ہیں۔
نیز یہ بھی کہا گیا کہ وہ پہلا انسان تھا جس نے پہلے بھول کی۔
لہٰذا اس مؤلف سفرہ چین کی غلطی میں کوئی شبہ نہیں،
دینی بھائیوں سے توقع ہے کہ اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو قلم
کی سرکشی اور قدم کی لغزش کی اصلاح کر کے اجر حاصل کرینگے۔
اور امور نفسانیہ سے پرہیز کریں گے۔ بیشک وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔
اس رسالہ کی تحریر کا باعث نواب والا مناقب رفیع،
القدر والمناصب امیر ابن امیر امیر الدولہ بہادر
ہیں اللہ تعالیٰ سیدالبشر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے
میں ان کے اجر کو بڑھا دے، ان کے کاموں کو آسان کر دے۔ ان کے
نفس کو پاک کر دے اور ان کا سینہ کھول دے۔

نواب امیر الدولہ بہادر اس رسالہ کی
تحریر کا باعث ہیں۔
نواب صاحب کی رائے حصول علم میں مشغول
اور میں اس کی دعا میں مشغول ہوں۔
حق تعالیٰ اس یگانہ کو حوادثات

---

[1] احتراز ہست از علوم مکتسبہ کہ بسماع وتعلّم صورت می پذیرند ومقدمات فکریہ کہ بترتیب دلائل بدست می آیند ۱۲

کسبی علوم سے احتراز ہے جو سننے اور سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں نیز مقدمات فکریہ سے جو دلیلوں کو ترتیب دینے سے حاصل ہوتے ہیں ۱۲

یاد از نوائب زمانہ

از قید خودی دہد رہائی
ز اطلاق خودیش آشنائی

این ہست حیاتِ جاودانی
تولیدِ ولادت ہست ثانی

از لطف تو شاد کن مر او را
انسان مراد کن مر او را

در خورد و بزرگ شاد و خرّم
با خردی خود بزرگ عالم

تا علم بنامہ ہاست مسطور
نامش بعلوم باد مشہور

سال رقم رسالہ ظاہر
گردیدہ باسم پاک غافر ۱۲۸۱ھ

خواہم ز عطاء ربّ غفار
غفران گنہ من گنہگار

صلوٰۃ و سلام ربّ رحمان
بر جان جہان مرادِ اکوان

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لِکُلِّ مُبْتَدٍ تَبْصِرَۃً وَّ
لِکُلِّ مُنْتَہٍ تَذْکِرَۃً فَھَا اَنَا اَشْرَعُ
فِی الْمَقْصُوْدِ مُتَوَکِّلاً عَلَی اللّٰہِ الْمَعْبُوْدِ

زمانہ سے محفوظ رکھے۔

قید خودی سے رہائی دے اور
اطلاق خودی سے اس کو آشنا کرے۔

یہی حیات جاودانی ہے اور اسی کو
ولادتِ ثانی کہتے ہیں۔

اے اللہ اپنے لطف و کرم سے اس کو شاد کر
اور اس کو بامراد انسان بنا دے۔

وہ چھوٹوں اور بڑوں میں شاد و خرم رہے
اپنی اخروی کے باوجود بزرگ عالم بنا رہے۔

جب تک علم کتابوں میں لکھا جاتا رہے گا اس
کا نام علوم میں مشہور رہے۔

اس رسالہ کی تحریر کا سال اسم پاک غافر ۱۲۸۱ھ
سے ظاہر ہے۔

میں ربّ غفار کی بخشش سے گناہوں
کی مغفرت چاہتا ہوں۔

پروردگار رحمان کی رحمت اور سلام جانِ جہاں
صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو، جو مقصودِ کائنات ہیں۔

اے اللہ اس رسالہ کو ہر مبتدی کے لئے تبصرہ کر دے اور
ہر منتہی کے لئے تذکرہ بنا دے۔ اب میں اللہ تعالےٰ پر
بھروسہ کرتے ہوئے مقصود کو شروع کر رہا ہوں۔

فائدہ ۱

مراتب طبقات مردم علی اختلاف درجاتہم سہ اند یکی[1] مرتبۂ واصلاں و کاملاں، و آں طبقۂ علیا ست۔

دوم[2] مرتبۂ سالکان طریق کمال و آں طبقۂ وسطی ہست۔

سیوم[3] مرتبۂ مقیمان ہدۂ نقصان و آں طبقہ سفلی است واصلان مقربان و سابقان اند۔ و سالکان ابرار و اصحاب یمین و مقیمان اشرار و اصحاب شمال۔

اما اہل وصول سہ طائفہ اند۔ طائفۂ اول انبیاء اند کہ حق سبحانہ ایشاں را پس از وصول و کمال بجہت تکمیل ناقصان بخلق رجوع فرمودہ، و وجود ایشاں را رابطۂ غیب و شہادت گردانیدہ ہست تا خلق را بحق دعوت می کنند و ملک و ملکوت را معمور می دارند۔

و طائفۂ دوئم مشائخ صوفیہ اند کہ بواسطۂ کمال متابعت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مرتبۂ وصول یافتہ پس ازاں در رجوع برائے دعوت خلق بطریق متابعت ماذون و مامور شدہ اند کما قال عزوجل قل ہٰذہٖ[1]

فائدہ ۱

اختلاف درجات کا لحاظ کرتے ہوئے طبقات انسانی کے مراتب تین ہیں۔ پہلا[1] واصلین و کاملین کا مرتبہ ہے۔ یہ بلند طبقہ ہے۔

دوسرا[2] طریق کمال کے سالکین کا مرتبہ ہے یہ درمیانی طبقہ ہے۔

تیسرا[3] ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو نقصان کی پستی میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ ادنیٰ طبقہ ہے۔ واصلین کو بلحاظ تقرب اوّلیت ہے، سالکین کا شمار ابرار و اصحاب یمین میں ہے اور نقصان کی پستی میں پڑے ہوئے لوگ اشرار ہیں جو اصحاب شمال میں آتے ہیں۔

اہل وصول کے تین گروہ ہیں۔

پہلا گروہ انبیاء کا ہے جن کو حق سبحانہ تعالیٰ نے وصول و کمال کے بعد ناقصین کی تکمیل کے لئے خلق کی طرف بھیجا اور ان کے وجود کو غیب و شہادت کا رابطہ قرار دیا ہے، وہ خلق کو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں اور عالم ناسوت و مثال کو معمور رکھتے ہیں۔

دوسرا گروہ مشائخ صوفیہ کا ہے، جنہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل متابعت سے وصول کا مرتبہ پایا ہے۔ اس کے بعد بطریق متابعت دعوت خلق کے لئے مامور کئے گئے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے، کہدو (اے پیغمبر) یہ میرا راستہ ہے

۱؎ سورہ یوسف رکوع ۱۲

سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔

واین ہر دو طائفہ کاملان مکمل اند، کہ فضل وعنایت ازلی ایشاں راپس از استغراق در عین جمع وبحر توحید از شکم ماہی فنا بساحل تفرقہ ومیدان بقا خلاصی ومناصی ارزانی فرمود تا خلق را بنجات ودرجات دلالت کنند۔

وطائفہ سیوم آں جماعت اند کہ بعد از وصول بدرجۂ کمال حوالۂ تکمیل ورجوع بدعوت خلق بدیشاں نہ رفت وغرقۂ بحر جمع گشتند ودر شکم ماہی فنا ناچیز ومستہلک شدند۔ کہ از ایشاں خبری اثری بساحل تفرقہ وناحیۂ بقا نرسید۔ ودر سلک زمرۂ سکان قباب غیرت وقطان دیار حیرت انخراط یافتند وبعد از کمال وصول ولایت تکمیل بدیشاں مفوض نگشت۔

اما اہل سلوک بر دو قسم اند

وطالبان مقصد اعلیٰ ومریدان وجہ اللہ کما قال تعالیٰ وتقدس يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وطالبان بہشت ومریدان آخرت، کما قال عزوجل وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ

میں بصیرت پر اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جنہوں نے میری اتباع کی۔

یہ دونوں گروہ کامل اور مکمل ہیں جن کو فضل اور عنایت ازلی نے جمع[1] وتوحید[2] کے سمندر میں ڈبونے کے بعد ماہی فنا کے شکم سے نکال کر تفرقہ[3] کے ساحل اور بقا کے میدان پر لا ڈالا تاکہ خلق کو نجات ودرجات کی طرف رہنمائی کرتے رہیں۔

تیسرا گروہ، یہ وہ جماعت ہے جو درجۂ کمال پر پہنچ تو گئی مگر خلق کی دعوت اور تکمیل کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں کی گئی۔ یہ لوگ جمع کے دریا میں غرق رہے اور ماہی فنا کے شکم میں[ع] ناچیز وہلاک ہوئے۔ کہ ساحل تفرقہ پر انکی کوئی خبر اور نہ مقام بقا میں انکا کوئی اثر ملا۔ اور وہ دیار غیرت وحیرت کے بسنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کمال وصول کے بعد تکمیل خلق کی ولایت ان کے سپرد نہیں کی گئی۔

اہل سلوک دو قسم پر ہیں

اول وہ لوگ ہیں جو مقصد اعلیٰ کے طالب اور وصول ذات کا ارادہ رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وہ اللہ کی ذات کو چاہتے ہیں"۔ دوسرا گروہ طالبان بہشت اور مریدان آخرت کا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "تم میں سے بعض وہ

---

[1] شہود حق بلا خلق کو جمع کہتے ہیں [2] ذات حق کو جمع اور فرق کے ساتھ ایک جاننا اور اس میں خود کو گم کرنا اور یگانہ ہونا و بیگانہ رہنے کو توحید کہتے ہیں۔ [3] قلب کو شک میں ڈالنا، صفات اور ذات میں فرق کرنا، خلق کو دیکھنا، حق تعالیٰ کو نہ دیکھنا اسی کو تفرقہ کہتے ہیں۔

[ع] وایشاں را مجذوب مستہلک خوانند، یعنی ان کو مجذوب مستہلک کہتے ہیں۔

[عہ] قباب بکسر دو وبا موحدہ جمع۔ [۳] سورہ رکوع [۴] سورہ رکوع

اما طالبانِ حق دو طائفہ اند۔ متصوّفہ
و ملامتیہ۔ متصوّفہ آں جماعت اند کہ از بعض صفات
نفوس خلاص یافتہ و ببعضی از احوال و اوصاف صوفیان
موصوف گشتہ و متطلّع نہایات احوال ایشاں شدہ
ولیکن ہنوز باذیال بقایاء صفاتِ نفوس متعثّر ماندہ
باشند و بداں سبب از وصول غایات و نہایات
اہل قرب و صوفیہ متخلف گشتہ۔

ملامتیہ جماعتی باشند کہ در رعایت معنی
اخلاص و محافظت قاعدۂ صدق غایت جہد مبذول
دارند و در اخفاء طاعات و کتم خیرات از نظر خلق
مبالغت واجب دانند۔ باآں کہ ہیچ
دقیقہ از صوالح اعمال مہمل نگذارند۔ و تمسک
بجمیع فضائل و نوافل از لوازم شمرند و مشرب
ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود
و لذّت شاں در تفرّد نظرِ حق باعمال و احوال ایشاں
وہمچناں کہ عاصی از ظہورِ معصیت پر حذر بود ایشاں
از ظہور طاعت کہ مظنّۂ ریا باشد حذر کنند تا قاعدۂ
اخلاص خلل نپذیرد۔

و بعضی گفتہ اند اَلْمَلَامَتِیُّ هُوَ الَّذِیْ لَا
یُظْهِرُ خَیْرًا وَّلَا یُضْمِرُ شَرًّا۔ و ایں طائفہ

طالبانِ حق کے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک متصوفہ
دوسرا ملامتیہ۔ متصوّفہ وہ جماعت ہے جو بعض صفاتِ
نفوس سے نجات پاچکی ہے اور صوفیاء کے بعض احوال و
اوصاف سے موصوف ہوچکی ہے اور ان کے احوال کی نہایت پہ نظر
جمائے رکھی ہے لیکن ابھی وہ بعض صفاتِ انسانی کے دامن میں
اُلجھ کر رہ گئی جس کی وجہ اہل قرب اور صوفیہ کی غایات و
نہایات تک پہنچنے سے قاصر رہی۔

ملامتیہ وہ جماعت ہے جو معنی اخلاص کی رعایت
اور قاعدۂ صدق کی محافظت میں انتہا درجہ کی جد و جہد
مبذول رکھتی ہے اور خلق کی نظر سے طاعت و خیرات کو
پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ سے کام لیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ
وہ نیک اعمال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی۔ تمام
فضائل و نوافل کا تمسک ضروری سمجھتی ہے اور ان کا مشرب
ہر وقت معنی اخلاص کی تحقیق ہے۔ ان لوگوں کو
اسی وقت لذت ملتی ہے جبکہ ان کے اعمال و احوال پر مخلوق
کی نظر کی بجائے صرف حق تعالیٰ کی نظر پڑے جس طرح گنہگار
اظہار معصیت سے خوف کرتا ہے اسی طرح یہ لوگ اظہار طاعت سے جس میں
ریا کا شائبہ ہوتا ہے خوف کرتے ہیں تاکہ اخلاص کے اصول میں خلل واقع نہ ہو

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملامتیہ وہ گروہ ہے جو نہ خیر کو ظاہر کرتا
ہے اور نہ شر کو چھپاتا ہے۔ یہ گروہ جس قدر

(بسلسلۂ ۶ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) قبۂ و بہندی قبہ را کلس گویند۔ قباب بالضم چنانچہ مشہور ست خطا است از منتخب و کشف ۱۲ غیاث اللغات
قباب، قاف کو زیر کے ساتھ یہ جمع ہے قبہ کی، ہندی میں قبہ کو کلس کہتے ہیں۔ قباب، قاف کو پیش کے ساتھ پڑھنا جیسا کہ مشہور ہو چکا ہے، منتخب
اور کشف سے غلط ہے ۱۲ (غیاث اللغات)

[1] چشم دارندہ = آنکھ لگائے رکھنے والا ۱۲ [2] بر رو افتادہ

ہر چند عزیز الوجود و شریف الحال باشند ولیکن حجاب وجود خلقیت ہنوز از نظر ایشاں بکلّی منکشف نشدہ و از مشاہدۂ جمال توحید و معائنۂ عین تفرید بداں سبب محجوب ماندہ، چہ اخفاءِ اعمال و ستر احوال خود از نظر خلق مُشعِر و موذِن است برویّت وجود خلق و نفس خود کہ مانع معنی توحید اند و نفس نیز از جملہ اغیار ہست، امّا ہنوز بر حال خود نظر دارد۔ اخراج اغیار از مطالعۂ اعمال و احوال خود بکلّی نکردہ ہست۔ و فرق میان ایشاں و صوفیہ آں است کہ جذبۂ عنایتِ قدیمہ صوفیہ را بکلّی از ایشاں انتزاع کردہ ہست و حجاب خلق و انانیت از نظر شہود ایشاں بر داشتہ لاجرم در اتیان طاعات و صدور خیرات خود را و خلق را در میان نہ بینند و از اطلاع نظر خلق، مامون باشند و باخفاءِ اعمال و ستر احوال مقیّد نہ۔

اگر مصلحتِ وقت در اظہار طاعت بینند اظہار کنند و اگر در اخفاء آں بینند اخفاء۔ پس ملامتیہ مُخلِصان[1] اند بکسر لام و صوفیہ مُخلَصان[2]

عزیز الوجود اور شریف الحال سہی لیکن وجودِ خلق کا حجاب ابھی اس کی نظر سے مکمل طریقے سے دُور نہیں ہُوا۔ جس کی وجہ سے جمالِ توحید کا مشاہدہ اور کمالِ تفرید کا معائنہ اس سے محجوب رہا۔ کیونکہ خلق کی نظر سے اپنے اعمال و احوال کو چُھپانا خود اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کی نظر وجودِ خلق پر اور خود اپنے نفس پر بھی ہے اور یہ معنی توحید کے منافی ہے۔ نفس بھی اغیار میں سے ہے اور وہ بھی اپنے حال پر نظر رکھتا ہے۔ تو گویا انہوں نے اپنے اعمال و احوال کے مطالعہ میں اغیار کو پورے طور پر خارج نہیں کیا۔ ان میں اور صوفیہ کے گروہ میں فرق یہ ہے کہ صوفیا کو عنایتِ الٰہی کے جذبہ نے کامل طور پر ان کے اپنے وجود سے الگ کر دیا ہے۔ اور خلق و انانیت کا حجاب ان کی نظروں سے اٹھا دیا ہے اس لئے وہ طاعات و عبادات اور نیک کاموں میں خلق کو اور اپنے نفس کو درمیان میں نہیں دیکھتے، اور نظرِ خلق کی آگاہی سے مامون رہتے ہیں اور اخفائے اعمال و پوشیدگیٔ احوال کے پابند نہیں ہوتے۔

اگر مصلحت اظہارِ طاعت میں دیکھتے ہیں تو اظہار کرتے ہیں اور اخفاء کی ضرورت پڑتی ہے تو اخفاء سے کام لیتے ہیں تو معلوم ہُوا کہ ملامتی (بکسرِ لام) مخلِص لوگ ہیں۔

---

[1] کہ اعمال خود را خالص سازند برائے خدائے تعالیٰ کہ نظر غیر براں نیفتد۔ (ملا عبد الغفور فی حاشیۃ النفحات)

[2] کہ حق سبحانہ ایشاں را برائے خود گردانیدہ کہ نظر ایشاں بغیر نیفتد۔ (ملا عبد الغفور فی حاشیۃ النفحات)

یعنی وہ اپنے اعمال کو خالص خدا تعالیٰ کے لئے کر دیتے ہیں اور ان پر غیر کی نظر پڑنے نہیں دیتے۔

یعنی حق سبحانہ نے ان کو اپنے لئے خالص کر لیا ہے اور انکی نظر غیر پر پڑنے نہیں دیتا۔

بفتح لام إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ[1]
وصفِ حالِ ایشان است۔

واما طالبانِ آخرت چہار طائفہ اند:۔
زہّاد۔ وفقرا۔ وخدّام۔ وعبّاد

اما **زہّاد** طائفۂ باشند کہ بنورِ ایمان وایقان مشاہدۂ جمالِ آخرت می کنند و دنیا را بصورتِ قبیحہ معائنہ می نمائند و رغبت از التفات بزینت مزخرف دنیاءِ فانی می گردانند، و در جمالِ حقیقی باقی راغب می باشند۔

واما **فقراء** طائفۂ اند کہ مالکِ ہیچ چیز از اسباب و اموالِ دنیوی نباشند و در طلبِ فضل و رضوانِ الٰہی مہاجرت اوطان نمودہ، و ترکِ مالوفات کردہ باشند، قال اللہ تعالیٰ[2] لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا۔ باعث ایں طائفہ بر ترکِ یکی از سہ چیز باشد۔

اول رجاءِ تخفیفِ حساب با خوف عقاب چہ حلال را حساب لازم است و حرام را عقاب۔

دوم توقعِ فضلِ ثواب و مسابقت در دخول

مگر صوفیہ (بفتح لام) مخلص گروہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول إِنَّا أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ انکے وصف کو بیان کر رہا ہے۔

طالبانِ آخرت کے چار گروہ ہیں:۔
زہّاد۔ فقرا۔ خدّام۔ عبّاد

زاہدوں کا گروہ وہ ہے جو ایمان و ایقان کے نور سے جمالِ آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیا کو اک بُری شکل و صورت میں دیکھتا ہے۔ دنیاءِ فانی میں جو کھوٹی اشیاء ہیں ان کی زینت سے رُوگردانی کر کے باقی رہنے والے جمالِ حقیقی کی طرف رغبت کرتا ہے۔

فقرا کا وہ گروہ ہے جو کسی دنیوی مال و اسباب کا مالک نہیں ہوتا فضل و رضائے الٰہی کی طلب میں وطن سے ہجرت کرتا ہے اور جن سے اُلفت ہو اسکو ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، ان فقراء اور مہاجرین کے لئے جو ان کے دیار اور ان کے اموال سے نکال دئے گئے وہ اللہ کا فضل اور رضامندی ڈھونڈھتے ہیں۔ اس جماعت نے جو ترکِ وطن اور ترکِ مالوفات کیا ہے اس کا باعث تین امور ہیں۔

پہلا تخفیفِ حساب کی اُمید اور عقاب و عذاب کا خوف کیونکہ حلال کے لئے حساب لازمی ہے اور حرام کے لئے عقاب ضروری ہے۔

دوسرا فضل و ثواب کی امید اور دخولِ جنت میں

---

[1] سورۂ ص رکوع ۴۔ یعنی ما ایشاں را خالص گردانیدیم بخصلتے کہ مارا باشند و غیر مارا نباشند۔ (ملا عبد الغفور فی حاشیۃ النفحات)
[2] سورۂ حشر رکوع ۱

یعنی بے شک ہم نے ان کو ایک خصوصیت کی بنا پر خالص بنالیا کہ وہ ہمارے رہیں غیر کے نہ رہیں۔

جنّت چہ فقراء بہ پانصد سال پیش از اغنیاء بہ بہشت در آیند۔

سیوم طلب جمعیّت خاطر و فراغت اندرون زیرا کہ اکثار طاعات و حضور دل در آن بود۔

و امّا خُدّام، جماعتی باشند کہ خدمت فقرا و طالبان راہِ حق اختیار کنند چنانچہ با داؤد علیہ السلام خطاب کردند اِذَا رَأَیْتَ لِیْ طَالِبًا کُنْ لَہٗ خَادِمًا و اوقاتِ خود را بعد از ادائے فرائض در تفریغ و ترفیۂ خاطر ایشان از اہتمام با مورِ معاش و اعانت بر استعدادِ امورِ معاد مصروف دارند و آن را بر نوافل عبادات تقدیم کنند و در طلبِ مایحتاج ایشان در ہر طریق کہ شرعاً مذموم نباشد مداخلت نمایند، بعضے بہ کسب و بعضی بدریوزہ و بعضی بفتوح و نظر ایشان در اخذ و اعطا بر حق بود۔

و خلق را در اخذ رابطۂ اعطاء حق سبحانہٗ و تعالیٰ در حق خود دانند و در اعطاء واسطہ قبول۔

و امّا عُبّاد، آن طائفہ اند کہ پیوستہ بر وظائف عبادات و فنون نوافل مواظبت و ملازمت نمایند از برائے نیل ثواب اُخروی، و این وصف در صوفی موجود بود، لیکن مُعَرّا و مُبرّا از شوائب علل و اغراض چہ ایشان حق را برائے حق پرستند نہ برائے ثواب اُخروی۔

پس معلوم شد کہ واصلان سہ طائفہ اند

اوروں سے مسابقت کیونکہ فقراء مالداروں سے پانچسو[۵۰۰] سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

تیسرا جمعیت خاطر اور فراغتِ دل کی طلب کیونکہ حضورِ دل اور طاعتوں کی زیادتی اسی میں ہے۔

خدام وہ جماعت ہے جو فقرا اور طالبانِ راہِ حق کی خدمت اختیار کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کیا گیا (ترجمہ) جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کی خدمت کرو"۔ یہ خدام فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو فقرا اور طالبانِ حق کے فراغ دل اور آسودگی خاطر میں صرف کرتے ہیں اور ان کے اُمورِ معاش کا اہتمام اپنے ذمہ لیکر امورِ معاد کی تیاری میں انکے مددگار ہوتے ہیں، وہ اس خدمت کو نوافل عبادات پر مقدم رکھتے ہیں اور اپنی ضروریات وحاجات کی طلب میں ہر وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں، جو شرعاً مذموم نہ ہو بعض کسب کو بعض دریوزہ گری کو اور بعض فتوحات کو کسی چیز کے لینے اور دینے میں ان کی نظر حق پر ہوتی ہے۔ لینے کے وقت خلق کو اپنے حق میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بخشش کا رابطہ اور دینے کے وقت قبول کا واسطہ جانتے ہیں۔

عابدین کا وہ گروہ ہے جو ہمیشہ ثوابِ اُخروی حاصل کرنیکے لئے مختلف قسم کے نوافل وعبادات میں مشغول رہتا ہے۔ عبادت گذاری کا یہ وصف صوفیا میں موجود ہے۔ لیکن علتوں اور اغراض کے شائبہ سے بالکل مُعرّا و مُبرّا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ حق کی عبادت اُخروی ثواب کیلئے نہیں بلکہ محض حق کے لئے کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ واصلین کے تین گروہ، اور

وسالکان شش طائفہ وہر یک ازیں طوائف سہ گانہ دو متشبّہ دارند، یکی محق و دیگر مبطل وتفصیل اینہا مع التفرقہ از ترجمۂ عوارف قاشانی ونفحاتِ جامی رحؒ باید طلبید۔

وَلَیسَ ھٰذا المَحَلُّ تَفْصِیلِہٖ ۔

وصاحب لوامع الاشراق مُلّا جلال دوّانی (ای اخلاق جلالی) در نکوہش مقیمانِ وہدۂ نقصان میگوید کہ چوں طالبانِ نعم خارجی وسعادات مجازی کہ در معرض زوال وصَدَدِ تبدّل وانتقال است در کسب خصلتی ازاں تحمّل اخطار وتکلّف اسفار وتعرّض مکارہ ومخاوف اختیار نمایند، بطریق اَولیٰ در اقتناء نعم حقیقی وفضائل ذاتی کہ حلیۂ ذات او باشد وبہیچ وجہ ازو جدا نہ شود سعی بلیغ و جِدِّ اکید واجب داند۔ چہ غبن وخسران بایں تواند رسید کہ جوہری نفیس باقی را صرف خزفی خسیس فانی گرداند کہ بعد ازاں کہ بمشقتِ بسیار بدست آید۔ اگر آں چیز ازو فوت نشود او ازاں چیز فوت شود وبعد ازاں بمیراث گیرانِ او کہ اکثر اعداء او باشند رسد ولہٰذا در کلامِ ہدایت فرجام سیدانام علیہ الصلوٰۃ والسلام بتکرار امر باجتناب از فضول دنیا و

سالکین کے چھے گروہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک گروہ دو قسم پہ ہے۔ ایک محقق یعنی کسی شئی کو ثابت، اور بحال رکھنے والا۔ دوسرا مبطل یعنی کسی شئی کو باطل اور ناپید کرنے والا' ان کی تفصیل ترجمۂ عوارف کاشانی اور نفحاتِ جامی میں جداگانہ طور پہ دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ان کی تفصیل کا مقام نہیں ہے۔

لوامع اشراق کے مصنف ملّا جلال الدین دوّانی اس گروہ کی بُرائی میں جو نقصان کے قعر و پستی میں پڑے ہوئے ہیں فرماتے ہیں "خارجی نعمتیں اور مجازی سعادتیں جو معرض زوال میں ہیں اور جن میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ان کے طلبگار جب ان میں سے کسی ایک کی طلب اور کسب میں ہر خطرے کو برداشت کرتے ہیں اور سفر کی تکلیفیں جھیلتے ہیں مکروہات کو قبول ناپسندیدہ اور خوف کو اختیار کرتے ہیں تو بطریق اولیٰ یہ شخص حقیقی نعمتوں اور ذاتی فضائل کے اکتساب میں جو اس کی ذات کا زیور' اور کسی صورت اس سے جدا نہیں ہوتے ہیں انتہائی کوشش اور جدّ وجہد ضروری سمجھتا ہے۔ اب یہ سوچنا چاہیئے کہ اس شخص کو کسقدر نقصان ہوگا کہ جوہر نفیس باقی کو ایک خسیس اور فنا ہونے والی ٹھکری کیلئے خرچ کر دے اور وہ بھی بڑی مشقتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے اگر وہ چیز اس سے جُدا نہ ہوی تو وہ خود اس سے جُدا ہو جائیگا۔ آخر کار وہ وارثین کو پہنچ جائیگی جن میں اکثر دشمن ہونگے۔

اسی لئے سیدانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام ہدایت فرجام[1] میں بار بار فضول دنیا اور اسباب دنیا سے جو

[1] انجام = انتہا ۔ عاقبت ۔ لائق

زهد در اسباب آن که متاع غرور است هست ازانجمله فرموده اَزْهِدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّكَ اللّٰهُ وَ اَزْهِدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّكَ النَّاسُ، و در حدیث دیگر کُنْ فِی الدُّنْیَا كَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعِدْ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ۔

و ارسطاطالیس گفته کسی که بر کفاف معیشت قادر باشد نشاید که زیادتی طلبد چه آن را نهایتی نباشد و طالب آن را مکاره بے نهایت رسد۔ انتهی

و بعضی از اکابر ترقی روح انسانی را در ۹ مرتبه حصر کرده اند۔ یکی[۱] مومن۔ دوم[۲] عابد، سوم[۳] زاهد، چهارم[۴] عارف، پنجم[۵] ولی، ششم[۶] نبی، هفتم[۷] رسول، هشتم[۸] اولوالعزم، نهم[۹] خاتم۔ در هر مرتبه ازین مراتب تسعه مر حضرت خداوندی را جل سلطانه تربیتها است که در عبارت نمی گنجد و در اشارت نیز نمی آید۔

تعریف و تفصیل مراتب مذکوره از مبسوطات باید طلبید۔ اما ظهور مراتب اربعهٔ اخیره از قوة بفعل پس از وجود خاتم موقوف و منقطع است و خاتم الانبیاء محمد رسول الله اند۔ قال الله تعالیٰ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (صلی الله علیه و علیهم و علی آله الطیبین و اصحابه الطاهرین، مَا طَلَعَ فِی الْخَضْرَاءِ نَجْمٌ وَنَجَمَ فِی الْغَبْرَاءِ طَلْعٌ[۱]

متاع غرور ہیں اجتناب اور پرہیز گاری کا حکم آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (ترجمہ) دنیا سے پرہیز کرو، اللہ تمہیں دوست رکھیگا اور لوگوں کے متاع و اسباب سے پرہیز کرو، لوگ تمہیں چاہنے لگیں گے دوسری حدیث میں ہے (ترجمہ) تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو یا راستہ چل رہے ہو اور اپنے آپ کو اصحاب قبور میں شمار کرو۔

اور ارسطاطالیس نے کہا ہے کہ جس آدمی کو روزمرہ کے خرچ پر قدرت ہو اس کو زیادہ کی طلب نہ رکھنی چاہئے کیونکہ اس کی انتہا نہیں، زیادتی کے طالب کو بے انتہا مصیبتیں پہنچتی ہیں۔

بعض اکابر نے روح انسانی کی ترقی کو نو مراتب میں منحصر کیا ہے۔ پہلا[۱] مرتبہ مومن کا، دوسرا[۲] عابد کا، تیسرا[۳] زاہد کا، چوتھا[۴] عارف کا، پانچواں[۵] ولی کا، چھٹا[۶] نبی کا، ساتواں[۷] رسول کا، آٹھواں[۸] اولوالعزم کا، نواں[۹] خاتم کا۔ ان نو مراتب میں سے ہر مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی مختلف تربیتیں ہیں جو عبارت میں نہیں آسکتیں، بلکہ ان کو اشاروں میں بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مراتب مذکورہ کی تعریف و تفصیل مبسوط کتابوں میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اخیر کے چار مرتبوں کا قوت سے فعل میں ظہور کرنا وجود خاتم کے بعد موقوف و منقطع ہو گیا ہے۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) اور لیکن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں آپ پر اور ان انبیاء پر آپ کی آل پاک و اصحاب مطہرہ پر ابد تک درود و سلام ہوں۔

[۱] یعنی مادامکه طالع شود در سبزه زار آسمان ثریا و بروید در زمین خوشهٔ خرما | جبتک کہ آسمان سے ستارے نکلتے رہیں اور زمین سے کھجور اگتا رہے۔

فائدہ (۲)

بدانکہ معرفتِ نفس کلیدِ معرفتِ حق ست تعالیٰ و تقدس در کتبِ انبیاءِ گذشتہ اِعْرِفْ نَفْسَكَ تَعْرِفْ رَبَّكَ آمدہ و در آثار[1] و اخبار[2] مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ وارد گردیدہ و ایں کلمات دلیلِ آن ست کہ نفسِ آدمی چوں آئینہ است کہ ہر کہ دروی نگرد حق را بیند و بسیار خلق در خود می نگرند و حق را نمی شناسند، پس لابدست شناختن آں از وجہی کہ آں آئینۂ معرفت است و ایں بر دُو وجہ است۔

یکی غامض تر است کہ بیشتر عوام ندانند و فہم ایشاں احتمال آں نکنند۔ و ہر چہ عوام فہم نتوانند کرد صواب نبود گفتنِ آن۔

امّا آں وجہ کہ ہمہ کس فہم توانند کرد آن است کہ آدمی از ہستیٔ خود ہستیٔ ذاتِ حق بشناسد و از صفاتِ خود صفاتِ حق بشناسد، و از تصرف

فائدہ (۲)

جاننا چاہئے کہ نفس کی معرفت حق کی معرفت کی چابی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں آیا ہے "تم اپنے نفس کو پہچانو تو اپنے رب کو پہچان لو گے" آثار و اخبار میں آیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یہ کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس انسان آئینہ کی طرح ہے، جو اس میں نظر کرے گا وہ حق کو دیکھ لیگا۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ میں نظر کرتے ہیں مگر حق کو نہیں پہچانتے۔ اس کے لئے پہلے اپنے نفس کو آئینۂ معرفت کی حیثیت سے پہچاننا ضروری ہے اسکی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت بعید از فہم ہے جس کو اکثر عوام نہیں جان سکتے اور ان کی سمجھ اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جو بات عوام نہ سمجھ سکتے ہوں اس کا کہنا بھی ٹھیک نہیں۔

دوسری وہ صورت ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے ذات حق کی ہستی اور اپنی صفات سے حق کی صفات کو پہچانے اور وہ اپنی مملکت

---

[1] مقولاتِ صحابہؓ [2] احادیث [3] واں قرب نوافل و قرب فرائض و عروج و نزول و شہود و معنی ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ ہست یعنی وہ قرب نوافل، قرب فرائض، عروج، نزول، شہود اور ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ کا معنی ہے۔ پہلی وجہ کو وجدانی اور دوسری وجہ کو استدلالی کہتے ہیں (اخبار اخیار)

عسہ یعنی مادامکہ طالع شود در سبزہ زار آسمان ثریا دبر دمید در زمین نوشتہ خرما۔

جب تک کہ آسمان سے ستارے نکلتے رہیں اور زمین سے کھجور اگتا رہے۔

در مملکت خود کہ آں تن و اعضائے اوست تصرّف حق در جملہ عالم بشناسد و شرح آں این است کہ چوں خود را اوّلاً بہ ہستی شناخت و می داند، کہ پیش ازیں نیست بود چناں کہ حق تعالیٰ فرمود :-

سلہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔ و آنچہ آدمی بآں راہ برد از اصل آفرینش خود پیش از ہستی خویش نطفہ ہست قطرۂ آبِ گندہ در آں نہ عقل نہ سمع نہ بصر نہ سر نہ دست نہ پائے نہ زبان نہ چشم نہ رگ نہ پی نہ استخواں نہ گوشت نہ پوست بلکہ آبے سفید بود۔ بہ یک صفت۔ پس ایں ہمہ عجائب در وی پدید می آید او خود را پدید آورد، یا کسی او را پدید آورد، چوں بضرورت بشناسد کہ اکنوں بدرجۂ کمال است از آفریدن یک موئے عاجز ہست داند کہ آں وقت کہ قطرۂ آب بود، عاجز تر و ناقص تر بود، پس بضرورت او را از ہست شدن ذات خود ہستی ذات آفریدگار معلوم شود، چوں در عجائب تن خود نگرد از روئے ظاہر و از روئے باطن، چنانکہ بعضی شرح کردہ شد قدرت آفریدگار خود روشن بیند و بشناسد کہ قدرتی بکمال ہست کہ ہر چہ خواہد کند و چناں کہ

میں تصرف سے جو اس کے تن و اعضا ہیں تمام عالم میں حق تصرف سمجھے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے آپ کو ہست (یعنی موجود) دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے وہ نیست تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "انسان پر زمانے میں سے ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہم اسکو آزمانا چاہتے ہیں اسی لئے ہم نے اس کو سننے اور دیکھنے والا بنایا"۔ انسان اپنی ہستی سے پہلے اپنی آفرینش کی جس اصل کو پاتا ہے، وہ ایک نطفہ ہے، گندہ پانی کا قطرہ اس میں نہ عقل ہے نہ سمع نہ بصر، نہ سر نہ ہاتھ نہ پیر، نہ زبان، نہ آنکھ، نہ رگ نہ پٹھا نہ ہڈی، نہ گوشت، نہ پوست بلکہ ایک ہی صفت کا ایک سفید حقیر پانی تھا۔ پھر یہ تمام عجائب اس میں ظاہر ہوئے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خود انسان نے اپنے آپ کو پیدا کیا یا کسی اور نے۔ جب بدیہی طور پر یہ جانتا ہے کہ اب درجۂ کمال کو تو پہنچا ہوا ہے، لیکن ایک بال بھی پیدا کرنے سے عاجز ہے، اسی سے یہ جاننے لگتا ہے اس وقت جبکہ یہ ایک قطرۂ آب تھا بہت ہی عاجز اور ناقص تھا لامحالہ اسکو اپنی ذات کے وجود سے پیدا کرنیوالے کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ جب انسان از روئے ظاہر و از روئے باطن اپنے جسم کے عجائب پر نظر کرتا ہے تو اس پر اپنے پیدا کرنیوالے کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور یہ جاننے لگتا ہے کہ اس کو ایک کمال درجہ کی قدرت

سلہ سورۂ دہر کی پہلی آیت

خواہد تواند آفرید چہ قدرت ازیں کامل تر باشد
کہ از چناں قطرۂ آب حقیر مہین چنیں
صورتی بجمال و باجمال پُر بدائع و عجائب
بیافریند۔

و چوں در عجائب صفات خود و منافع
اعضاء خود نگرد کہ ہریکی را برائے چہ حکمت آفریدہ
اند از اعضاء ظاہر چوں دست و پای و چشم و
زبان و دندان و از اعضاء باطن چوں جگر و سپرز
و زہرہ و غیر آں علم آفریدگار خود بشناسد
کہ در نہایت کمال ست و ہمہ چیزہا محیط ست
و بداند کہ از چنیں عالمی ہیچ چیز غائب نتواند بود۔
چہ اگر ہمہ عقل عقلا در ہم زنند و ایشاں را عمرہای
دراز دہند و اندیشہ کنند تا یک عضو را
از جملۂ ایں اعضاء وجہی دیگر در آفرینش آں
بیروں آورند بہتر ازیں کہ ہست نتوانند۔
اگر خواہند مثل کہ دنداں را صورت دیگر تقدیر
کنند کہ دندانہائے پیشیں را سر تیز است تا
طعام را ببرد و دیگرہا را سر پہن تا طعام را آس
کند و زبان در بر آں چوں مجرفۂ آسیابان کہ طعام
را باسیا می اندازد و قوتی کہ زیر زبان ست چوں
خمیر گر آب ریزد بداں وقت کہ باید چندانکہ باید
آب می ریزد تا طعام ترشود و بگلو فرو رود، و در

ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اور جیسا کہ چاہتا ہے پیدا کر سکتا ہے
کیا اس سے بھی زیادہ کامل کوئی قدرت ہو سکتی ہے
کہ ایسے حقیر و مہین پانی کے قطرہ سے باکمال و با
جمال صورت جو عجیب و نادر ہو پیدا کر سکے۔

اور جب وہ اپنی صفات کی عجائبات میں اور اپنے
اعضا کے فائدوں میں غور کرتا ہے کہ ہر ایک کو خالق نے
کس حکمت کے لئے پیدا کیا ہے تو وہ اعضاء ظاہری جیسے ہاتھ
پاؤں، آنکھ زبان اور دانت وغیرہ اور اعضائے باطنی سے
جیسے جگر، تلی[۱]، اور پتہ وغیرہ سے اپنے خالق کے علم کو پہچاننے
لگتا ہے کہ اس کا علم انتہائی کمال درجہ کا ہے اور تمام
چیزوں کو محیط ہے اور یقین کرتا ہے ایسے عالم سے کوئی چیز
غائب نہیں ہو سکتی۔ اگر تمام عقلاء کی عقل و فہم کو اکٹھا کر
دیا جائے انہیں طویل عمریں عطا کر دی ہیں اور یہ لوگ
اس امر کیلئے غور و فکر کرنے لگیں ان اعضاء میں سے کسی عضو
کے لئے موجودہ صورت کے علاوہ اور بہتر صورت نکال سکیں تو
یہ ناممکن ہوگا نکال نہیں سکیں گے۔ مثلاً آگے کے نوکدار
دانت جن سے غذا کے کترنے کا کام لیا جاتا ہے
اور دوسرے وہ دانت جن کے سرے چپٹے ہوتے ہیں اور جن سے
غذا چبائی جاتی ہے اور ان کے پہلو میں زبان چکی پیسنے والے کے بیلچے کی
طرح جس سے غلہ چکی میں ڈالا جاتا ہے اور زبان کی وہ قوت جو اس کی
تہ میں ہے چھڑک چھڑک کر آٹا گوندھنے والے خمیر گر کی طرح جس
وقت چاہیئے اور جسقدر چاہیئے پانی مہیا کرتی ہے کہ غذا بھیگے اور

۱ بیلچہ، پھاوڑا ۱۲

گلو نماند، ہمہ عقلائے عالم ہیچ صورت، دیگر نہ توانند اندیشید نیکو تر ازیں۔

وہمچنیں دست کہ پنج انگشت است چہار دریک صف وابہام از ایشاں دُور تر و ببالا کوتاہ تر، چنانکہ باہر یکی از ایشاں کار میکند وبرہمہ میگردد، وہر یکی راسہ بند ظاہر وآں را دو بند ظاہر چناں ساختہ کہ اگر خواہد مجرفہ سازد وخواہد مغرفہ وخواہد قبض کند وخواہد گرد کند وسلاح سازد وخواہد پہن کند وطبق سازد، از وجوہ بسیار بکار دارد۔ اگر ہمہ عقلائے عالم خواہند، کہ وجہی دیگر اندیشند در نہادن ایں انگشتان تا ہمہ دریک صف بود، یا سہ از یک سو ودو از یک سو، یا ایں کہ پنج ست شش باشد یا چہار یا آں کہ سہ بند دارد دو باشد یا چہار باشد، ہر چہ اندیشند وگویند ہمہ ناقص بود، وکامل تر آن ست کہ خدائے تعالیٰ آفریدہ۔

بایں معلوم شود کہ علم آفریدگار بایں شخص محیط ست وبرہمہ چیز مطلع ست ودر ہر جزوی از اجزاء آدمی ہمچنیں حکمتہا ست، ہر چند کسی کہ ایں حکمتہا

آسانی سے حلق میں اتر جائے پھنسنے نہ پائے۔ اگر تمام عقلائے عالم ان چیزوں پہ غور کریں اور ان کی کوئی دوسری صورت تجویز کرنا چاہیں تو اس سے بہتر تجویز نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ہاتھ جس میں پانچ انگلیاں ہیں چار انگلیاں ایک قطار میں ہیں۔ انگوٹھا ان سے دُور ہے اور لمبائی میں ان سے کم ہے، ایسا کہ ہر ایک انگلی کے ساتھ کام کرتا ہے اور تمام پر اس کا گذر رہتا ہے۔ ہر ایک انگلی کے تین ظاہر جوڑ ہیں اور انگوٹھے کو دو ظاہر جوڑ ہیں، وہ اسی طرح بنایا گیا ہے اگر وہ چاہے تو پنجہ بنا دے، اگر چاہے چلّو بنا دے اگر چاہے اسکو بند کرے اگر چاہے انگلیوں کو جمع کر کے ہتھیار بنا لے اگر چاہے تو پھیلا کر طبق بنا لے، غرض وہ مختلف صورتوں اور شکلوں سے کام میں آتا ہے۔ اگر تمام عقلائے عالم ان انگلیوں کی ساخت اور ہیئت کی کوئی دوسری صورت سوچیں مثلاً تمام ایک صف میں ہوں یا تین ایکطرف اور باقی دو ایکطرف یا پانچ انگلیوں کی بجائے چھ یا چار ہوں یا یہ کہ تین جوڑوں کی بجائے دو یا چار جوڑ ہوں، غرض جو بھی سوچیں گے وہ ناقص صورت ہوگی، کامل تر صورت وہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیدا کرنے والے کا علم اس شخص پر محیط ہے اور وہ تمام چیزوں سے آگاہ ہے۔ انسان کے اجزا میں سے ہر جزء میں ایسی ہی حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔ ان حکمتوں کو جو کوئی

بیشتر داند. تعجب او از عظمتِ علمِ خدا
بیشتر بود ۔ چوں آدمی در حاجتہائے خود
نگرد، اول باعضاء انگاہ بطعام ولباس و
مسکن و حاجتِ طعام وی بہ باراں و باد و
سرما و گرما و بصنعتہا کہ آں را بصلاح آورد
و حاجتِ صنعتہاء آں با آلات، چوں آہن و
مس و برنج و سرب و چوب و غیر آں و حاجت
آں آلات بہدایت و معرفت کہ چوں سازند،
وانگاہ نگاہ کند کہ ایں ہمہ آفریدہ و ساختہ
بیند بر تمام ترین و نیکوترین وجہی واز ہر
یکی چندیں انواع کہ ممکن شود، اگر
نیافریدے، در خاطر ہیچ کس در نیامدی
یا نتوانستی ساخت ۔ ناخواستہ و نادانستہ
ہمہ بلطف و رحمت و عنایت ساختہ بیند، ازیں
جا ویرا صفت دیگر معلوم گردد کہ حیات ہمہ
اولاً بآں ہست و آں لطف و عنایات رحمت
ہست بہمہ آفریدہا چناں کہ گفت سَبَقَتْ
رَحْمَتِی عَلٰی غَضَبِی[1] و چنانچہ رسول صلی
اللہ علیہ وسلم گفت کہ شفقت خدائے
تعالے بر بندگاں بیشتر از شفقتِ مادر ہست
بر فرزند شیر خوارہ ۔
پس از پدید آمدن ذات خود ببینی

جسقدر معلوم کریگا اسکو علم خداوندی کی عظمت سے اتنی ہی
زیادہ حیرانی ہوگی ۔ جب انسان اپنی حاجتوں کی طرف
نظر کرتا ہے تو پہلے وہ اپنے اعضاء کو، پھر غذا لباس اور مسکن
کو دیکھتا ہے ۔ نیز یہ دیکھتا ہے کہ اپنی غذا کے لئے بارش ہوا
سرما اور گرما کی ضرورت ہے اور ایسی صنعتوں کی بھی ضرورت
ہے کہ ان کو بخوبی کام میں لائے اور ان صنعتوں کے آلات کی
بھی ضرورت ہے جیسے لوہا، تانبا، پیتل، سیسہ اور لکڑی وغیرہ
ان آلات کے واسطے علم اور ہدایت کی بھی ضرورت ہوتی ہے
کہ ان کو کسطرح بنایا جائے ۔ ان تمام پر نظر ڈالنے کے بعد یہ
دیکھتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بہترین اور کامل ترین صورت پر پیدا
کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں ۔ اگر اتنے ممکن انواع میں سے
کسی نوع کو پیدا نہ کیا ہوتا تو کسی کے دل میں اس کا تصور
تک نہ آتا یا اس کو بنا بھی نہ سکتا، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت
و مہربانی ہے کہ انسان کے جانے اور چاہے بغیر بنا دیا،
اس مقام سے اس کو اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت کا علم
ہوتا ہے کہ تمام کی حیات اولاً اسی کے ساتھ وابستہ ہے، اور
اس صفت کا تعلق تمام مخلوقات کے ساتھ اسکی مہربانی اور
عنایت و رحمت ہے جیسا کہ اسکا قول ہے (ترجمہ) "میری رحمت کو میرے
غضب پر سبقت حاصل ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ شیر خوار بچہ پر ماں کی جو شفقت ہوتی ہے اس سے کئی
گنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اپنے بندوں پر ہوتی ہے ۔
پس انسان اپنی ذات کے ظہور سے ذات

[1] حدیث قدسی

ذاتِ حق دانست واز بسیاری تفاصیل اجزا واطراف خود کمال قدرتِ حق تعالیٰ بدید، و در عجائبِ حکمتہا ومنافع اعضاء خود کمال علم حق تعالیٰ بدید، و در اجتماع آنچہ می بایست بضرورت یا بحاجت یا برائے نیکوئی وزینت کہ ہمہ یا خود آفریدہ بیند، لطف ورحمتِ حق تعالیٰ بدید، پس باین وجہ معرفتِ نفس آئینہ وکلیدِ معرفت حق تعالیٰ باشد۔ کذا فی الکیمیاء۔

وقال سلطان العلماء عزّ الدین عبد السلام المقدسی فی حلّ الرموز!

من فتح اللہ عین یقظتہٖ وأشھدہٗ خفایا سریرتہٖ علِمَ انہ لم یکن فی الکونین ولا فی العالمین من مفتقراتِ ذرّاتہٖ شیئ الّا ھو مندمجٌ فی طوایا ذاتہ مندرجٌ فی خفایا صفاتہ وھذا سرقولہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ وقد ظھر من ھذا الحدیث ما یجب کشفہ ویستحسن وصفہ وھو ان اللہ سبحانہ وتعالیٰ وضع ھذہ الروح الروحانیۃ فی ھذہ الجثۃ الجسمانیۃ لطیفۃً لاھوتیۃً مودعۃً فی کثیفۃٍ ناسوتیۃ دالۃً علیٰ وحدانیتہٖ

حق کو پہچان لیا اور اپنے اجزاء واعضاء کی گوناگوں تفصیلات سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو دیکھ لیا، اور اپنے اعضا کی منفعتوں اور عجیب عجیب حکمتوں میں حق تعالیٰ کے کمال علم کو جان لیا اور اپنے میں جن چیزوں کو مجتمع پاتا ہے بعض بلحاظ ضرورت (جیسے دل جگر دماغ وغیرہ) یا بلحاظ حاجت (جیسے ہاتھ پیر وغیرہ) یا بعض خوبصورتی وزینت کی خاطر (جیسے بالوں کی سیاہی وغیرہ) انمیں حقتعالیٰ کی مہربانی ورحمت کو پالیا۔ اس لحاظ سے معرفت نفس معرفت حق کی چابی اور آئینہ ہے۔

سلطان العلماء عز الدین عبد السلام مقدسی "حل رموز" میں فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ جس آدمی کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے اور اپنے پوشیدہ اسرار کو اس پر ظاہر کرتا ہے، وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ کونین میں اپنی ذرّات کی ضروریات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنی ذات وصفات کے اندر مندمج[1] اور مندرج[2] نہ ہو۔ یہی مَن عرف نفسہٗ عرف ربہٗ کا راز ہے۔ اس کلام سے اس کی توضیح اور تشریح ضروری ومستحسن ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس روح کو جثۂ جسمانی میں رکھا، وہ ایک لطیفۂ لاہوتی[3] ہے جو کثیف ناسوتی جسم میں ودیعت کیا گیا ہے اور یہ اسکی وحدانیت اور

---

[1] کسی چیز کی ماہیت میں یا کسی چیز میں محو ہونا اور ایک ہونے کو اندماج کہتے ہیں [2] ایک چیز کا دوسری چیز میں بغیر حلول وبغیر اتحاد کے داخل ہونے کو اندراج کہتے ہیں [3] لاہوت اصطلاح صوفیہ صافیہ میں گنج مخفی، مقام محویت اور عالم ذات الٰہی کا نام ہے۔

وَرَبَّانِيَّتِهٖ وَوَجه الاستدلال بذالك من عشرة اوجهٍ۔

الاوّل انّ هٰذا الهيكل الانسانى لمّا كان مفتقرًا الى مدبّرٍ ومحرّكٍ وهٰذه الروح تُدبّره وتحرّكه علمنا انّ هٰذا العالم لابدّ له من محرّك ومدبّر۔

الثانى لما كان مدبّر الجسد واحدًا وهى الروح علمنا ان مدبّر هٰذا العالم واحد لاشريك له فى ملكه۔ قال الله تعالىٰ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا[1]۔ وقال تعالىٰ۔ لَوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا[2]۔

وقال تعالىٰ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

ربّانیت پر دلالت کرتی ہے، اس پر دس وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ہیکل انسانی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے اور یہ روح اس کی مدبر و محرک ہے، اس سے ہم جاننے لگتے ہیں کہ اس عالم کے لئے ایک مدبر اور محرک کی ضرورت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جسدِ انسانی کا مدبر ایک ہے اور وہ روح ہے، اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس عالم کا مدبر ایک ہی ہے۔ اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر ان دونوں میں اللہ کے سوائے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر اسکے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں، اس وقت وہ عرش والے کی طرف راہ ڈھونڈتے وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے وہ پاک اور بہت ہی برتر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور اس کے ساتھ کوئی بھی معبود نہیں (اگر ایسا ہوتا تو) اسوقت ہر معبود اپنی پیدا کی ہوئی چیز کے ساتھ الگ نکل جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

[1] لوكان فيهما اى السمٰوٰت والارض اٰلهةٌ الا الله اى غيره لفسدتا خرجتا عن نظامهما المشاهد لوجود التمانع بينهم على وفق العادة عند تعدد الحاكم من التمانع فى الشيئ وعدم الاتفاق عليه ۱۲ جلالين اگر بودی در آسمان و زمین خدایان چند غیر خدا ہر دو تباہ گشتندی ۱۲ فتح الرحمان۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے ۱۲ پارہ انبیاء رکوع ۲

[2] لوكان معه اى الله آلهة كما يقولون اذًا لابتغوا طلبوا الى ذ العرش اى الله سبيلًا طريقا ليقاتلوه سُبحانه تنزيهاله وتعالىٰ عما يقولون من الشركاء علوًّا كبيرًا ۱۲ جلالين اگر بودندے با خدا معبودان دیگر چنانکہ می گویند آنگاہ طلب کردندے بسوی خداوند عرش راہِ منازعت پاک است وے و بلند است ازانچہ می گویند بلندی عظیم ۱۲ فتح اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم جیسا بتاتے ہیں تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف راہ۔ وہ پاک ہے اور اوپر ہے ان کی باتوں سے بہت دور۔ موضح القرآن سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۵ یعنی پڑا یا محکوم رہنا کیوں قبول کرتے تخت کے مالک کو الٹ ڈالتے۔

الثالث لما کان ھذا الجسد لا یتحرك الا بارادة الروح و بتحریکہا لہ علمنا انہ مرید لما ھو کائن فی کونہ لا یتحرك متحرك بخیر او شر الا بتقدیرہ وارادتہ و قضائہ۔

الرابع لما کان لا یتحرك فی الجسد شیئ الا بعلم الروح وشعورھا بہ و لا یخفی علی الروح من حرکات الجسد و سکناتہ شیئ علمنا انہ لا یعزب عنہ من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء

الخامس لما کان ھذا الجسد لم یکن فیہ شیئ اقرب الی الروح من شیئ بل ھو اقرب الی کل شیئ فی الجسد علمنا انہ قریب الی کل شیئ لیس شیئ اقرب الیہ من شیئ ولا شیئ ابعد الیہ من شیئ لا بمعنی قرب المسافة لانہ منزہ عن ذالك۔

السادس لما کان الروح موجودًا

تیسری وجہ یہ ہے کہ جسم روح کے ارادے اور اس کی تحریک سے حرکت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے بنانے میں اللہ کا ارادہ کارفرما ہے اور خیر و شر میں ہر متحرک کی حرکت اسی کی تقدیر ارادے اور قضا سے ہوتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جسم میں جس شئی کی بھی حرکت ہوتی ہے اس کا علم و شعور روح کو ہوتا ہے اور جسم کے حرکات و سکنات میں سے کوئی بھی روح سے پوشیدہ نہیں، اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں کوئی شئی روح سے زیادہ قریب نہیں ہے بلکہ روح ہی جسم میں ہر شئی کے قریب تر ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے سے قریب ہے اور کوئی شئی بھی اس سے زیادہ قریب نہیں یہاں قریب مسافت کا معنی نہیں کیونکہ اللہ تعالے اس سے منزہ ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود تھی اور

۳؎ بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) مَا اتَّخَذَ اللہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اِذًا ای لو کان معہ الٰہ لَذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍ بِمَا خَلَقَ ای انفرد بہ ومنع الاخر من الاستیلاء علیہ وَلَعَلٰی بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مغالبة کفعل ملوك الدنیا سُبْحَانَ اللہِ تنزیھًا لہ عَمَّا یَصِفُوْنَ بہ بما ذکر ۱۲ جلالین۔ ہیچ فرزند نگرفتہ است خدا و نیست ہمراہ او ہیچ خدائے دیگر آنگاہ ببردے ہر خدائے چیزے کہ آفریدہ بودے و ہر آئینہ غالب آمدی بعض ایشاں بر بعض پاکی صفت میکنم خدا را از انچہ تقریر می کنند ۱۲ فتح الرحمٰن
اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی کو اور چڑھ جاتا ہے ایک پر ایک اللہ نرالا ہے ان کے بتانے سے۔ موضح القرآن: سورۂ مومنون رکوع ۵۔

قبل وجود الجسد ویکون موجوداً بعد
عدم الجسد علمنا انہ سبحانہ موجودٌ
قبل کون خلقہ ویکونُ موجوداً بعدَ فقد
خلقہ مازال ولا یزالُ وتقدس عن الزوال۔

السّابع لما کان الروح فی الجسد
لا یعرف لہ کیفیۃ علمنا انہ مقدس
عن الکیفیۃ۔

الثّامن لما کان الروح فی الجسد
لا یعلم لہ اَیْنِیَّۃٌ علمنا انہ تقدس
عن الکیفیۃ والاینیۃ فلا یوصفُ
بایْنٍ ولا کیفٍ بل الروح موجودٌ فی الجسد
ما خلا منہ شیئٌ فی الجسد کذالک
الحق سبحانہ وتعالیٰ موجود فی کل مکان
ما خلا منہ مکان وَتَنَزَّہَ عن المکان
والزمان۔

التّاسع لما کان الروح فی
الجسد لا یُحَسُّ ولا یُمَسُّ ولا یُجَسُّ
علمنا انہ منزہٌ عن الحِسِّ والجَسِّ و
اللَّمْسِ والمسِّ۔

العَاشر انہ لما کان الروح فی
الجسد لا یُدْرَكُ بالبصر ولا یمثل
بالصورِ علمنا انہ لا تدرکہ الابصار ولا
یمثل بالصور والاثار ولا یشبہُ

جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہیگی۔
اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ
خلق کی پیدائش سے پہلے موجود تھا اور خلق کے
نیست ونابود ہونے کے بعد بھی موجود رہیگا وہ ہمیشہ سے ہے

ساتویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی کیفیت
پہچانی نہیں جاتی اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کیفیت سے منزّہ ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی کوئی اینیت
یعنی (مکانیت) جانی نہیں جاتی۔ اس سے ہم جانتے ہیں اللہ
تعالیٰ اینیت وکیفیت سے منزہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کو
این وکیف سے متصف نہیں کرسکتے بلکہ روح پورے جسم میں
موجود ہے جسم کا کوئی جزء اس سے خالی نہیں، اس طرح
حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے کوئی مکان اس سے
خالی نہیں۔ اس کے باوجود وہ مکان وزمان سے
منزّہ ہے۔

نویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ محسوس
کرسکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس سے
ہم جانتے ہیں کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) حس ومس وتجسّس
سے پاک ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ ابصر
سے ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ کسی صورت
میں متمثّل ہوتی ہے اس سے ہم جانتے ہیں کہ ابصار اللہ تعالیٰ
کے ادراک سے قاصر ہیں نہ اللہ تعالیٰ صور وآثار سے متمثل ہوتا ہے

بالشموس والاقمار لیس کمثله شیئ وهو السمیع البصیر. فهذا معنی قوله من عرف نفسه فقد عرف ربه فطوبیٰ لمن عرف وبذنبه اعترف.

وفی هذا الحدیث تفسیر اخر و هو ان تعرف ان صفات نفسك علی الضدّ من صفات ربك. فمن عرف نفسه بالعبودیة عرف ربه بالمعبودیة ومن عرف نفسه بالفناء عرف ربه بالبقاء. ومن عرف نفسه بالجفاء والخطاء عرف ربه بالوفاء والعطاء ومن عرف نفسه کما هی عرف ربه کما هو.

واعلم انه لا سبیل لك الیٰ معرفة ایاك کما ایاك فکیف لك سبیل الیٰ معرفة ایاه کما ایاه. فکانه فی قوله من عرف نفسه فقد عرف ربه علّق مستحیلاً علی مستحیل لانه یستحیل ان تعرف نفسك وکیفیّتها وکمّیتها وآینیّتها فاذا کنت لا تطیق ان تصف نفسك التی هی بین جنبیك بکیفیةٍ او آینیةٍ و لا شبحیةٍ ولا هیکلیةٍ ولا هی مرئیةٍ

اور نہ چاند و سورج کے مانند ہے۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ یہی من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کا معنی ہے۔ وہ شخص مبارک ہے جس نے معرفت حاصل کی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا۔

اس کلام کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ وہ یہ کہ تم یہ جان لو کہ تمہارے نفس کی صفات تمہارے پروردگار کی صفات کی ضد ہیں۔ جو شخص اپنے نفس کو عبودیت سے پہچانیگا وہ اپنے پروردگار کو معبودیت سے پہچانیگا۔ جس شخص کو فنا سے اپنے نفس کا عرفان ہوگا وہ اپنے پروردگار کا عرفان بقا سے حاصل کریگا۔ جو شخص جفا اور خطا سے اپنے نفس کی معرفت حاصل کریگا وہ وفا اور عطا سے اپنے پروردگار کو پہچانیگا۔ جس نے اپنے نفس کو جیسا کہ وہ ہے پہچانا اس نے اپنے رب کو جیسا کہ وہ ہے پہچانا۔

یہ بھی جان لو کہ جیسے تم ہو ویسی معرفت تم کو حاصل نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جیسا ہے اس کی معرفت کیونکر ممکن ہے۔ گویا من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کے قول میں محال کو محال پر معلّق کیا گیا ہے کیونکہ اپنے نفس اور اس کی کیفیت، کمیت اور اینیت کی معرفت محال ہے۔ جب تم اپنے نفس کو جو تمہارے پہلو میں ہے کیفیت اینیت اور شکل و صورت سے متصف نہیں کر سکتے اور وہ دکھائی بھی نہیں دیتا ہے تو کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ تم عبد ہوتے ہوئے ربوبیت

فکیف یلیق بعبودیتک ان تصف الربوبیۃ بکیف واین وھو مقدس عن الکیف والاین۔ انتھیٰ۔"

کو کیف و این (کتنا و کیسا) سے متصف کر سکو۔ اور وہ کیف و این سے منزہ ہے۔

فائدہ (۳)

انواع سفر بسیار اند۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی در باب صد و نود و نہم فتوحات می فرماید۔

" المسافر من سلفر بفکرہ فی طلب الآیات والدلالات علی وجود صانعہ فلم یجد فی سفرہ دلیلاً علی ذالک سوای امکانہ ومعنیٰ امکانہ ھو ان ینسب الیہ والی جمیع العالم الوجود فیقبلہ او العدم فیقبلہ فاذا تساویٰ فی حقہ الامران لم تکن نسبۃ الوجود الیہ من حیث ذاتہ اولیٰ من نسبۃ العدم فافتقر الی وجود المرجح الذی رجح لہ احد الوصفین علی الاخر۔ فلما وصل الی ھذا المنزل وقطع ھذہ المنہلۃ واسفر لہ علی وجود مرجحہ احدث سفراً اخر فی علم ما ینبغی لھذا الصانع

فائدہ (۳)

سفر کے اقسام بہت سے ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی "فتوحات مکیہ" کے ایک سو ننانویں[۱۹۹] باب میں فرماتے ہیں۔

مسافر وہ ہے جو اپنی فکر اور سوچ بچار سے اپنے بنانے والے کے وجود پر نشانیوں اور دلیلوں کی طلب میں سفر کرتا ہے۔ اس کو اپنی اس سفر میں اس پر کوئی دلیل سوائے اپنے امکان کے نہیں ملتی۔ امکان کا معنی یہ ہے کہ اپنی طرف اور تمام عالم کی طرف وجود کو منسوب کیا جاتا ہے تو اسکو قبول کر لیتا ہے یا عدم کو منسوب کیا جاتا ہے تو اس کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ جب یہ دونوں باتیں اس کے حق میں مساوی ہیں تو اپنی طرف نسبت وجود نسبت عدم بہ حیثیت ذات بہتر نہیں لہٰذا وہ ایک ترجیح دینے والی ذات کے وجود کا محتاج ہوا۔ جس نے اس کے لئے ان دو امور میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جب اس نے اس صحرا کو طے کیا اور اس منزل تک پہنچا اور اپنے ترجیح دینے والے کے وجود کو معلوم کیا تو یہاں سے اس نے اپنے بنانے والے وجود میں لانے والے کے لئے جو صفات ضروری ہیں

سلہ منہلہ بفتح میم و سکون نون و فتح ہا چشمہ در چراگاہ و صحرا کہ مردم و بہائم از آن آب نوشند ۱۲ غیاث اللغات

منہل میم اور ہ کو فتح، نون کو سکون کے ساتھ۔ وہ چشمہ جو چراگاہ یا جنگل میں ہو جس پر آدمی اور چوپایہ پانی پئیں۔

الذی اوجدہ فاسفر له الدلیل علی انفرادہ بصفات تنزهه عما هو علیه الممکن من الافتقار وان هذا المرجح واجب الوجود بنفسه لا یجوز علیه ما جاز علی هذا الممکن۔

ثم انتقل مسافراً الی منزلة اخری فاسفر له ان هذا الواجب الوجود لنفسه یستحیل علیه العدم لثبوت قدمه وانه من ثبت قدمه استحال عدمه لانه لو کان عدمه لنفسه لما کان واجب الوجود لنفسه ولو انعدم بمعدم فلا بد ان یکون ذالك المعدم له وجوداً او عدماً۔ فمحال ان یکون عدماً فبقی ان یکون وجوداً واذا کان وجوداً فلا بد ان یکون المعدم شرطاً او ضده فان کل واحد من هذین اما ان یکون واجب الوجود ایضاً لنفسه فمن المحال وجود هذا الذی دل الدلیل علی وجوب وجودہ لنفسه ثم یساق الدلیل علی مساق الادلة فی المعقولات۔

ثم یسافر الی منزلة اخری الی ان ینتفی عنه کل ما یدل علی حدوثه فیستحیل ان یکون هذا المرجح

ان کے علم و معرفت میں دوسرا سفر اختیار کیا۔ دلیل نے اس پر واضح کر دیا کہ وہ صفاتِ تنزیہ میں منفرد و یگانہ ہے، یعنی ممکن کے اوصاف جو افتقار و احتیاج ہیں ان سے بالکل منزہ ہے اور اس ترجیح دینے والے کو بذات خود واجب الوجود ہونا چاہیے اس کیلئے وہ باتیں جائز نہیں ہوتیں جو ممکن کیلئے جائز ہو سکتی ہیں۔

پھر دوسری منزل کا سفر اختیار کرتا ہے اس پر یہ واضح ہو جاتا ہے اس واجب الوجود پر عدم کا اطلاق محال ہے کیونکہ اس کیلئے قدم ثابت ہے جس ہستی کو قدم ثابت ہو اس کا عدم محال ہے اس لئے کہ اگر اس کو عدم ذاتی ہو تو وہ واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ (اگر ہم فرض کریں) وہ کسی معدوم کرنے والے کے ذریعہ معدوم ہو سکتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کا معدوم کرنے والا یا تو وجود ہوگا یا عدم ہوگا اس کا عدم ہونا محال ہے پس وجود ہی کی شق باقی رہتی ہے، جب وہ معدوم کرنے والا وجود ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ یا شرط ہو یا اسکی ضد ہو اور ان میں سے ہر ایک یا واجب الوجود ذاتی بھی ہو پس ایسی ہستی کا وجود محال ہے جس کے وجوب ذاتی کے واجب ہونے پر دلیل نے دلالت کی۔ پھر یہاں سے اس دلیل کو ادلۂ معقولات کی طرز پر کام میں لایا جائے۔

پھر وہ دوسری منزل کی طرف سفر کرتا ہے یہاں تک کہ اس ترجیح دینے والے سے ہر اس شئے کی نفی کرتا ہے جو اس کے حدوث پر دلالت کرے پس

جوہرًا مُتحیّزًا اوجسمًا اوعرضًا اوفی جھۃٍ۔ [1]

ثم یسافر الی علم توحیدہ بوجود العالم وبقائہ وصلاحہ اذ لو کان معہ اللّٰہ آخر لم یوجد العالم علی تقدیر الاتفاق والاختلاف کما یعطیہ المنظر۔

ثم ینتقل مسافرًا ایضا الی منزلۃ تعطیہ العلم بما یجب لھذا المرجّح من العلم بما اوجدہ وخلقہ والارادۃ لذلك ونفوذھا وعدم قصورھا وعموم تعلّق قدرتہ بایجاد ھذا الممکن وحیاۃ ھذا المرجح لانھا الشرط فی ثبوت ھذہ النعوت لہ واثبات صفات الکمال لہ من الکلام والسمع والبصر بانّہ لو لم یکن علی ذالك لکان مُرْدفًا لان القابل لاحد الضدین اذا عریٰ عن احدھما لم یعرِ عن

محال ہے کہ یہ ترجیح دینے والا جوہر متحیز ہو، یا جسم ہو یا عرض یا وہ جہت میں ہو۔

پھر وہ عالم کے وجود اور بقا و صلاح سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے علم کا سفر شروع کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خدا ہو تو عالم موجود ہی نہیں ہو سکتا خواہ بیاں اتفاق کی تقدیر لیں یا اختلاف جیسا کہ فکر و نظر

پھر وہ سفر کر کے ایسی منزل تک پہنچتا ہے جہاں اسکو یہ علم ہوتا ہے کہ اس ترجیح دینے والے کیلئے کیا کیا باتیں ضروری ہیں مثلاً ایجاد خلق کا علم اور اس کا ارادہ اور اس ارادہ کا نفوذ و عدم قصور اس ممکن کی ایجاد میں اسکی قدرت کا عمومی تعلق اور ترجیح دینے والے کی حیات۔ کیونکہ ان تمام صفات کو ثابت کرنے کے لئے اسکی حیات شرط ہے۔ پھر اس کے لئے کمال صفات کا اثبات، جو کلام، سمع اور بصر ہیں۔ اگر وہ ان سات امہات صفات سے متصف نہ ہو تو ان کے برعکس دوسرے پہلوؤں سے موصوف ہوگا۔ کیونکہ ضدین میں سے کسی ایک کو قبول کرنے والا جب

[1] شیخ عبدالکریم جیلی در باب اول انسان کامل می فرماید۔ الوجود نوعان۔ نوع موجود محض ھو ذات الباری سبحانہ وتعالیٰ ونوع موجود ملحق بالعدم وھو ذات المخلوقات۔ قولہ نوع موجود محض ای وجود مطلق مستمر قائم بنفسہ لیس بجوھر متحیز فیقدر لہ المکان ولا بعرض فیستحیل علیہ البقاء ولا بجسم فتکون الجھۃ والتلقا مقدس عن الجھات والاقطار مرئی بالقلوب والابصار۔

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی "انسان کامل" کے پہلے باب میں فرماتے ہیں کہ وجود کی دو قسمیں ایک موجود محض ہے جو ذات باری سبحانہ و تعالیٰ ہے اور دوسرا موجود ملحق بہ عدم ہے، وہ ذات مخلوقات ہے۔ آپ علیہ الرحمہ کے قول "نوع موجود محض" سے مراد وجود مطلق مستمر قائم بالذات ہے نہ وہ جوہر متحیز ہے جس کے لئے مکان تقدیر کریں نہ عرض ہے کیونکہ اسکی بقا محال ہے اور نہ وہ جسم ہے اس صورت میں جہت اور جانب لازم آتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جہتوں اور جانبوں سے پاک ہے۔ قلوب و ابصار سے دیکھا جا سکتا ہے۔

الآخر.

فاذا عرف هذا سافر الى منزلة اخرى يعلم منه السفر له عن امكان بعثة الرسل. ثم يسافر فيعلم انه قد بعث رسلاً واقام لهم الدلالة على صدقهم فيما ادّعوه من انه بعثهم.

ولمّا تقرّر هذا وكان هو ممّن بُعث اليه هذا الرسول فامَنَ به وصدّقه واتّبعه فيما رسم له حتى احبّ الله فكشف له عن قلبه وطالع عجائب الملكوت وانتقش في جوهر نفسه جميع ما في العالم. وفرّ الى الله تعالى مسافراً من كل ما يبعدهُ منه ويحجبهُ عنه الى ان رأهُ في كل شيئٍ[٢].

فلمّا رأهُ في كل شيئ اراد ان يُلقيَ عصا السيّار ويزيل عنه اسم المسافر فعرّفه ربّهُ ان الامر لا نهاية له لا دنيا ولا آخرة وانك لا تزال مسافراً كما انت على حالك لا يستقرّ

ایک سے عاری ہوتا ہے تو لامحالہ دوسرے سے عاری نہیں ہو سکتا[١]۔

جب اس کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو دوسری منزل کا سفر شروع کرتا ہے۔ اس سفر میں اس کو بعثت رسل کا امکان واضح ہوتا ہے پھر دوران سفر یہ جانتا ہے کہ اللہ نے انبیاء و رسل بھیجے ہیں اور انکی بعثت کے دعوے کی صداقت پر دلائل بھی قائم کئے ہیں۔

جب اس پر یہ حقیقت کھل گئی اور اس کے پاس کوئی رسول بھیجا گیا تو وہ اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی اور اسکی بتائی ہوی باتوں کی پیروی کی پس اب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے اسکے دل سے حجاب اٹھا دیتا ہے وہ عجائب ملکوت کا مطالعہ کرتا ہے اور اسکے جوہر نفس میں عالم کی تمام چیزیں نقش پذیر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کو جو چیز دور رکھنے والی اور روکنے والی ہوتی ہے اس سے گریز کرکے اللہ کی طرف

جب یہ مسافر ہر شئی میں حق کو دیکھ لیتا ہے تو چاہتا ہے کہ رخت سفر ڈالدے مقیم ہو جائے اور اپنے اوپر مسافر کے نام کا اطلاق ختم کر دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو یہ معلوم کراتا ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس کے لئے کوئی انتہا نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ تم کو

١ـ جیسے علم کے مقابل جہل، ارادہ کے مقابل اضطرار، قدرت کے مقابل عجز۔ حیات کے مقابل موت۔ کلام کے مقابل گونگاپن۔ سمع کے مقابل بہرہ پن اور بصر کے مقابل اندھاپن۔

٢ـ "ای شخص را در عکس آفاق و انفس می بیند کہ آں را قرب نوافل می گویند"

یعنی شخص کو آفاق اور انفس کے عکس میں دیکھتا ہے جس کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

بل قرار كما لم تزل تسافر من وجود
الى وجود فى اطوار العالم الى حضرة
الست بربكم ثم لم تزل تنتقل
من منزلة الى منزلة الى ان
نزلت فى هذا الجسم الغريب
العنصرى فسافرت به كل يوم و
ليلة تقطع منازل عمرك الى منزلة
تسمى الموت ثم لا تزال مسافرا
انقطع منازل البرزخ الى ان تنتهى
الى منزلة تسمى البعث فيركب
مركبًا شريفًا يحملك الى دار
سعادتك فلا تزال فيها تتردد
مسافرًا بينها و بين كثيب المسك
الابيض الى ما لا نهاية له هذا سفرك
بهيكلك ۔

واما فى المعارف فمثل ذلك

وكذلك لا تزال مسافرًا بالاعمال البدنية
والانفاس من عمل الى عمل ما دام التكليف
فاذا انتهت مدة التكليف فلا
تزال مسافرا سفرًا ذاتيًا تعبده لذاته
لا بامره سبحان الذى اسرى

مُسافر ہی بن کر رہنا ہوگا جیسا کہ اب ہو تمہیں کوئی قرار نہیں
مل سکتا جیسا کہ تم اطوار عالم میں ایک وجود سے دوسرے وجود تک
سفر کرتے ہوئے اَلَستُ بِرَبِّکُمْ کی بارگاہ تک پہنچے۔ پھر ایک
منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہوتے ہوئے اس جسم
عنصری میں داخل ہوئے۔ پھر ہر شب و
روز جسم عنصری کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتے
ہوئے اپنی زندگی کی منازل طے کروگے یہاں تک
کہ تم اس منزل پر پہنچ جاؤ گے جس کا نام موت ہے
پھر سفر جاری رکھتے ہوئے برزخ کی منازل طے
کروگے اور اس مقام پر پہنچ جاؤ گے جسے بعثت کہتے ہیں
اس کے بعد تم ایک شریف سواری پر سوار ہو جاؤ گے
جو تمہیں دارِ سعادت تک پہنچا دیگی۔ یہاں سے کبھی نقل و حرکت
کرتے ہوئے تم مشک ابیض کے ٹیلے تک پہنچ جاؤ گے۔ اس
طرح تم اس کی طرف آگے بڑھتے جاؤ گے جس کے لئے کوئی انتہا
نہیں یہ اپنے ہیکل کے ساتھ تمہارا سفر ہے۔

معارف میں بھی اسی طرح کے سفر واقع ہوتے
ہیں' بدنی اعمال اور انفاس کے ساتھ ایک عمل
سے دوسرے عمل کی طرف مدت تکلیف تک سفر جاری رہتا ہے جب
تکلیف کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو سفر ذاتی کا آغاز ہوتا
ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی ذات کے لئے کروگے اس
کے حکم سے نہیں۔ پاک ہے وہ جس نے اپنے بندے کو رات

ل بجری کہتے ہیں ۔ سو موس یو یک قدیم سونا ۔ لک باٹ یہ یک بٹاؤ جونا

بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى
الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِهٖ۔
وقد ذكرنا هذا السفر فى جزءٍ لنا سمّيناه
الاسفار عن نتائج الاسفار وقال تعالىٰ
فى المسافرين اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ
مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وقال اَوَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا وَيَوْمَ
يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فهٰذا معنى المسافر انتهٰى
وشیخ اکبر ثانی عبدالکریم جیلیؒ در کلمہ نوزدہم
چہل کلمات در بیان سفر الغربۃ می نگارد۔

" اعلم ان الخلق كلهم غرباء ولم
يزالوا مسافرين فى مواطن الى غيره فليس
لهم قرار ابدًا۔

فاوّل مبدأ سفرهم من الحضرة
العلمية الى الحضرة الارادية ومنها الى
الحضرة القولية ومنها الى الحضرة القدرية و
منها الى الحضرة العرشية ومنها الى الحضرة القلمية
ومنها الى الحضرة اللوحية ومنها الى الحضرة
الكرسية ومنها الى الحضرة الروحية ،
الكلية الاطلاقية ومنها الى الكرة الهيولانية
ومنها الى الكرة الهبائية ومنها الى الكرة العنصرية
ومنها الى الكرة الفلكية الاطلسية ومنها
الى الكرة الفلكية الزحلية ومنها الى الكرة

میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ
ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔
اس سفر کا ذکر ہم نے اپنی ایک کتاب میں کیا ہے
جس کا نام " اسفار عن نتائج الاسفار" ہے۔ مسافروں
کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) کیا انہوں نے
آسمانوں اور زمین کے ملکوت میں نظر نہیں کیا"۔ نیز فرمایا
(ترجمہ) کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کیا کہ دیکھتے اور جس
دن وہ اسکی طرف لوٹیں گے۔ یہ تمام مسافر کا معنی ہے

شیخ اکبر ثانی عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ
چہل کلمات کے انیسویں کلمہ میں "سفر غربت" کے بیان میں لکھتے ہیں
کہ تمام خلق غریب و مسافر ہے۔ وہ ایک مقام سے
دوسرے مقام کی طرف سفر کرتی رہتی ہے۔ اس کو کبھی
قیام و قرار نہیں ہوتا۔

اس کا پہلا سفر مبدأ بارگاہ علم سے
بارگاہ ارادہ تک ہے۔ پھر قول
تک۔ پھر قدرت تک۔ پھر
عرش تک، پھر قلم تک، پھر
لوح تک

پھر کرسی تک، پھر روح
کلی مطلق تک، پھر کرۂ ہیولانی
تک، پھر کرۂ ہبائی تک پھر کرۂ
عنصری تک، پھر کرۂ فلک اطلس تک پھر
کرۂ فلک زحل تک پھر کرۂ فلک

۱؎ سورۂ اعراف پ۹ ۲؎ سورہ مومن رکوع ۴ ۳؎ سورۂ نور رکوع ۹

الفلكية المشترية ومنها الى الكرة الفلكية المريخية. ومنها الى الكرة الفلكية الشمسية ومنها الى الكرة الفلكية الزهرية ومنها الى الكرة الفلكية العطاردية ومنها الى الكرة الفلكية القمرية ومنها الى الكرة النارية ومنها الى الكرة الهوائية ومنها الى الكرة المائية ومنها الى الكرة الترابية ومنها الى الكرة النباتية والخلق كلهم مستوون في السفر من الحضرة العلمية الى الحضرة النباتية وبعد ذالك يتفاوتون فمنهم من يسلك العناية الالهية به طريق السعادة ومنهم من يسلك به طريق الشقاوة۔

مشتری تک ۔ پھر کرۂ فلک مریخ تک ۔ پھر کرۂ فلک شمس تک پھر کرۂ فلک زہرہ تک، پھر کرۂ فلک عطارد تک، پھر کرۂ فلک قمر تک، پھر کرۂ نار تک، پھر کرۂ ہوا تک، پھر کرۂ آب تک، پھر کرۂ خاک تک، پھر کرۂ نبات تک ۔ بارگاہِ علم سے بارگاہ نباتیہ تک سفر میں تمام مخلوقات مساوی ہیں، اور اسکے بعد ان میں تفاوت پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت بعض کو سعادت کے راستہ پر، اور بعض کو شقاوت کے راستہ پر چلاتی ہے ۔

فمن سلك به طريق السعادة لا يرجع عن المرتبة النباتية الى مرتبة الترابية بل اذا قد صار نباتاً ثمّ الله ذالك النبات غذاءً لوالديه فينتقل من النباتية الى الغذائية ثم ينتقل منها الى المرتبة الدموية ثم ينتقل منها الى المرتبة المنية ثم ينتقل منها الى المرتبة العلقية ثم ينتقل منها الى المرتبة المضغية ثم ينتقل منها الى الحيوانية الجنينية

اللہ تعالیٰ کی عنایت جس کسی کو سعادت کے راستہ پر چلاتی ہے، وہ مرتبۂ نباتیہ سے مرتبہ خاکی کی طرف نہیں لوٹتا، بلکہ جس وقت وہ نبات بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس نبات کو والدین کی غذا بنا دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ نبات سے غذائیت کی طرف منتقل ہوتا ہے، پھر خون کے مرتبہ کی طرف پھر منی کے مرتبہ کی طرف، پھر علقہ کے مرتبہ کی طرف، پھر مضغہ کے مرتبہ کی طرف پھر جنین کے مرتبہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے

ثم ينتقل منها الى ظاهر الدنيا۔
وأمّا من سلك به طريق الشقاوة
فانه لا يزال يتكرر في سفره من المرتبة
النباتية الى المرتبة الحيوانية بأن
يتغذّاه حيوانٌ غير والديه فيموت
ذالك الحيوان وينتقل هو من المرتبة
الحيوانية الى المرتبة الترابية ثم ينتقل
المرتبة الترابية الى المرتبة النباتية
وعلى قدر بُعده عن الله تعالىٰ يسافر من
هذه المراتب الثلث فيتكرر فيها بقدر
شقاوته وبُعده عن الله تعالى حتى ينسى
قابليّة تلك المواطن العُلوية التى انتقل
منها وسافر عليها فلا يتذكرها في
الدنيا فلا يكون من اهل التذكر وينطبع
في قابلية الامور السفلية الترابية
الكثيفة تطوّر تكراره بين تلك الاطوار
والاكوار[1] فلا يميل في ظهوره الا الى الكثائف
الشهوانية فيكون سفره بعد ذالك
في ظلمات الجهل وكثائف الطبعية حتى
ينتهي الى مستقره الى الجحيم بخلاف
اهل السعادة فانهم يسافرون في الاطوار

ظاہر دنیا میں آجاتا ہے۔
اور جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت کے راستہ پر چلاتا
ہے، وہ بار بار مرتبۂ نباتیہ سے مرتبۂ
حیوانیہ کی طرف سفر کرتا ہے۔ اس طرح کہ
اس کو کوئی حیوان سوائے اس کے ماں باپ کے غذا بنا
لیتا ہے، پھر وہ حیوان مرجاتا ہے اور حیوانی مرتبہ سے خاکی
مرتبہ میں منتقل ہوجاتا ہے پھر خاکی مرتبہ
نباتی مرتبہ ہوجاتا ہے جس قدر اس کو اللہ
تعالیٰ سے بُعد ہوتا ہے اسی قدر ان مرتبوں سے
سفر کرتا ہے اور انہیں تین مراتب میں بقدر شقاوت
عن اللہ تکرار اور گشت ہوتی رہتی ہے حتی
کہ ان مواطن علویہ کی قابلیت جن سے وہ
منتقل ہوکر یہاں تک پہنچا بالکلیہ جاتی رہتی
ہے اور ان کو یاد تک نہیں کرتا۔ بلکہ خاک کے
کثیف اور سفلی امور کی قابلیت اس کے
اندر پیدا ہوجاتی ہے اور انہیں حوال واطوار
میں بار بار اس کا تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے
جس کی وجہ سے ظہور کے وقت اس کا طبعی میلان
محض شہوانی کی کثافتوں کی طرف ہوتا ہے اسکے بعد اسکا
سفر جہل کی تاریکیوں میں اور طبیعت کی کثافتوں میں شروع
ہوتا ہے اور چلکر جہنم کے مستقر پر ختم ہوتا ہے برخلاف اہل سعادت کے

[1] کور بالفتح گشتن و پیچ دستار و پیچیدن آن ۱۲ منتخب۔

النورانية حتى يستقر بهم الامر في دار القرار وكل من الطائفتين يجتمعون في هذه الاسفار في مواطن كثيرة ثم يفترقون ثم يجتمعون ثم يفترقون هكذا الى ان يستقر بهم الامر في المنتهى۔

ويجتمع تلك الاطوار على الاجمال على سبعة مواطن۔

الموطن الاول يجتمعون في العلم الالهي

الموطن الثاني يجتمعون في المرتبة الذرية

الموطن الثالث يجتمعون في الاصلاب حكما كما يجتمعون وجودًا في الارحام۔

الموطن الرابع يجتمعون في الدنيا

الموطن الخامس يجتمعون في البرزخ

الموطن السادس يجتمعون في الجواز على سفر[1] جهنم۔

الموطن السابع يجتمعون في الارض المحشر

ومواطن الاجتماع كثيرة لا تكاد تنضبط واختصرنا منها على هذه السبعة لانها امهاتها۔

اعلم ان الاسفار لكل واحد من الطائفتين كثيرة وذالك معنى قوله تعالى

کہ وہ اطوار نورانیہ میں سفر کرتے جاتے ہیں، اور آخرکار دارالقرار میں قرار پاتے ہیں۔ یہ دونوں سعید و شقی گروہ ان اسفار میں اکثر مقامات میں باہم جمع ہوتے ہیں پھر جدا ہوتے ہیں پھر باہم جمع ہوتے ہیں پھر جدا ہوتے ہیں، اجتماع اور افتراق کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ اپنے منتہیٰ میں قرار حاصل نہ کرلیں۔

ان کے یہ اطوار و احوال اجمالی طور پر سات مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔

پہلا مقام علم الٰہی میں جمع ہوتے ہیں

دوسرا مقام (میثاق[ع] کے) مرتبہ ذریہ میں جمع ہوتے ہیں۔

تیسرا مقام اصلاب میں حکماً جمع ہوتے ہیں جیسا کہ وجوداً ارحام میں جمع ہوتے ہیں۔

چوتھا مقام دنیا میں جمع ہوتے ہیں

پانچواں مقام برزخ میں جمع ہوتے ہیں۔

چھٹا مقام جہنم کو طے کرنے کے وقت پل صراط پر جمع ہوتے ہیں۔

ساتواں مقام محشر میں جمع ہوتے ہیں۔

اجتماع کے مقام بہت زیادہ ہیں جن کو ضبط تحریر نہیں کیا جاسکتا لیکن ہم نے ان کو سات پر اسلئے اختصار کیا ہے کہ وہ امہات ہیں۔

تم یہ جان لو کہ شقی و سعید میں سے ہر گروہ کے اسفار بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے

---

[1] سفر بفتحتین قطع کردن مسافت ۱۲ (منتخب)

[ع] روز ازل جس میں تمام ارواح نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا ۱۲

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ونحن نقتصر على ذكر اسفار اهل السّعادة وتغرّبهم بعد الحضور فى المرتبة الاسلامية۔

فاما اسفار اهل السعادة فاعلم انها اربعة اسفار:- سفر الله، وسفر الى الله وسفر فى الله وسفر بالله۔

فاما الاول وهو سفر الله فهو عبارة عن تعلم العبد لعلوم النقلية والعقلية وهٰذا السفر فرض على كل مسلم فانه به ليستقيم دينه وهو سفر من الجهل الى العلم۔

واما الثانى وهو السفر الى الله فهو عبارة عن السلوك الى الله على سنن الطريقة الواضح بالذكر والمخالفات او بالمحبة و الجذبات وهٰذا السفر بناءه على الاعمال سواء كانت قلبية او قالبية والسفر الاول بناءه على العلوم سواء كانت علومًا بالله كاصول الدين او بامر الله كما فى الشرائع۔

واما الثالث وهو السفر فى الله فهو عبارة عن سفر الواصلين وهو سفر التّضافة بالاسماء والصّفات

واما الرابع وهو السفر بالله فهو عبارة عن الرجوع من الحق الى الخلق۔

اس نے تم کو کئی اطوار پہ پیدا کیا" اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ اب ہم اہل سعادت کے اسفار کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں کہ مرتبہ اسلامیہ میں قیام کے بعد ان کا کیا سفر ہوتا ہے۔

اہل سعادت کے سفر چار ہیں:۔

سفر اللہ، سفر الی اللہ، سفر فی اللہ اور سفر باللہ۔

پہلا سفر یعنی سفر اللہ، بندہ کا علوم عقلیہ ونقلیہ سیکھنے سے مراد ہے۔ یہ سفر ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اس کا دین مستقیم ہوتا ہے۔ یہ سفر جہل سے علم کی طرف ہوتا ہے۔

دوسرا سفر یعنی سفر الی اللہ۔ طریقت کے واضح اور کھلے راستہ پر ذکر و مخالفات، یا محبت و جذبات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے کو کہتے ہیں۔ اس سفر کی بنیاد اعمال پر ہوتی ہے خواہ وہ اعمال قلبی ہوں یا قالبی (یعنی جوارح کے) پہلے سفر کی بنیاد علوم پر ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے علوم ہوں جیسے اصول دین، یا اللہ کے امر کے جیسے شرائع کا علم۔

تیسرا سفر سفر فی اللہ ہے۔ یہ واصلین کا سفر ہے یعنی وہ اس سفر میں اسماء وصفات الٰہی سے متصف ہوتے ہیں۔

چوتھا سفر سفر باللہ ہے، یہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا ہے۔

4

والمسافرون علی اقسام فی الجملة فمنهم[1] من یسافر من مواطن المعصیة الی مواطن الطاعة ثم یسافر من نفس المعصیة الی الطاعة وهو سفر عامة المسلمین.

فمنهم[2] من یسافر من الغفلة الی الذکر وهو سفر السالکین فی بدایتهم۔

ومنهم[3] من یسافر من الاخلاق المذمومة الی الاخلاق المحمودة وهو سفر السالکین فی نهایاتهم وفی هذا الموطن یجتمع مسافة المریدین بمقدمة السالکین رضوان الله علیهم۔

ومنهم[4] من یسافر من الخلق الی الحق فلا یری موجوداً سوی الله تعالیٰ وهذا نهایة السفر الی الله وبدایة السفر فی الله ومنها بدایة سفر العارفین۔

ومنهم[5] من یسافر من صفاته الی صفات الحق فیشهد سمعه وبصره وعلمه وحیاته وارادته وقدرته وکلامه تعالیٰ بالتبرّی من الحول والقوّة۔

ومنهم[6] من یسافر من ذات نفسه الی الله تعالیٰ فیفنی عنها بالکلیة۔

فی الجملہ مسافروں کی کئی اقسام ہیں۔

ان میں سے بعض معصیت کے مقامات سے، طاعت کے مقامات کی طرف سفر کرتے ہیں۔ پھر نفسِ معصیت سے طاعت کی طرف سفر کرتے ہیں یہ عامۃ المسلمین کا سفر ہے۔ بعض غفلت سے ذکر کی طرف سفر کرتے ہیں یہ مبتدی سالکین کا سفر ہے۔

بعض اخلاقِ ذمیمہ سے اخلاقِ محمودہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ یہ منتہی سالکین کا سفر ہے۔

اس جگہ مریدین کی مسافت سالکین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سرحد سے مل جاتی ہے۔

بعض خلق سے حق کی طرف سفر کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں دیکھتے، یہ سفر الی اللہ کی انتہا اور سفر فی اللہ کی ابتدا ہے۔

سفر فی اللہ سے عارفوں کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض عارف اپنی صفات سے صفاتِ حق کی طرف سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف سمع، بصر، علم، حیات، ارادہ، قدرت اور کلام کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسمیں وہ اپنی طاقت و قوت سے بالکل بری ہوتے ہیں۔

بعض عارف اپنے نفس کی ہستی سے اللہ کی طرف سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ہستی کو بالکلیہ فنا کر دیتا ہے۔

[۷] ومنهم من يسافر من فناءه الى البقاء بالله فيبقيه الله ببقائه -

بعض عرفا اپنی فنا سے بقا باللہ کی طرف سفر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بقا سے باقی کر دیتا ہے -

[۸] ومنهم من يسافر من صفة الالهية الفعلية الى صفة الالهية الجمالية وهذا ابتداء منازل الزاهدين -

بعض عارف فعل الٰہی کی صفت سے جمال الٰہی کی صفت کی طرف سفر کرتے ہیں - یہ زاہدوں کے منازل کی ابتدا ہے -

[۹] ومنهم من يسافر من المجالى الصفاتية الفعلية الى المجالى الصفاتية النفسانية -

بعض صفاتِ فعلی کے مجالی[۱] و مظاہر سے صفات نفسانی کے مجالی و مظاہر کی طرف سفر کرتے ہیں -

[۱۰] ومنهم من يسافر من صفات الجمال الى صفات الجلال -

بعض صفاتِ جمالی سے صفات جلالی کی طرف سفر کرتے ہیں -

[۱۱] ومنهم من يسافر من صفات الجلال الى صفات الكمال -

بعض صفاتِ جلال سے صفات کمال کی طرف سفر کرتے ہیں -

[۱۲] ومنهم من يسافر من سائر مجالى الصفاتية الى المجالى الذاتية -

بعض مجالی صفاتیہ سے مجالی ذاتیہ کی طرف سفر کرتے ہیں -

[۱۳] ومنهم من يسافر من المجالى الذاتية الى الخلق نزولا بعد العروج وتدليها بعد التدنى[۳] وهذا غريب الحضر وغريب المطلق - وكل غريب بنسبته اوّل بوجه مقيّد - وحقيقة الغربة هو لهذا الولى الكامل فهو غريب الحقيقى عليهم وعلىٰ سيد الغرباء افضل الصلوٰة والسلام - انتهى

بعض عارفین عروج کے بعد نزول کرکے اور تقرب و نزدیکی حاصل کرنے کے بعد نیچے اتر کر مجالی ذاتیہ سے خلق کی طرف سفر کرتے ہیں اور یہ مسافر حضر ہے یعنی صاحب سفر در وطن ہے اور اسکو غریب المطلق بھی کہتے ہیں - اس کی نسبت سے ہر مسافر مطلق ہے اور ایک جہت سے مقید ہے - حقیقی غربت و مسافرت اسی ولی کامل کی ہے اور یہی حقیقی مسافر ہے ان پر اور مسافرین کے سردار حضور انور صلعم پر بے انتہا درود و سلام ہو -

---

[۱] مجالی جمع مجلی معنی جلوہ گاہ - آئینہ [۲] تدلی - درآویختن بدرشت وجز آں وسخت - نزدیک شدن و فرو ہشتہ شدن - درخت یا کسی سے چیز لٹکنا - بہت قریب ہونا - اور نیچے چھوڑ دیا جانا - [۳] ترقی - اندک اندک نزدیک شدن - آہستہ آہستہ قریب ہونا -

فائدہ (۴)

مسافران راہ خدا در اقتباس[1] مطلوب منحصر در دو قسم اند۔

یکی۔ اصحاب البحث والافکار۔ کہ ایشاں را حکماء و علماء گویند۔

دویم ارباب الکشف والابصار کہ ایشاں را عرفا و اولیاء خوانند

امّا اصل بحث و نظر بترکیب مقدمات و تقریر حجج و ادلہ بنظر و استدلال یقین بمطالب حقیقی حاصل می نمایند۔ کتب ایشاں معروف و طرق ایشاں مشہور اند۔ از وجود ممکن بر وجود واجب استدلال می کنند و از صنع بصانع پی می برند و از خلق بخالق می روند۔ اگرچہ ایں طرق محمود است ولیکن چوں از نور[2] فیض خالیست، صاحب طریق واجب را چہ شناسد و حاصل آں بعاقبت جز حیرت مذموم چیزی دیگر نبود۔

فائدہ (۴)

خدا کی راہ کے مسافر مطلوب و مقصود کے اقتباس و تحصیل میں دو قسم پر منحصر ہیں۔

پہلی قسم اصحاب بحث و افکار ہیں جن کو حکماء و علماء کہتے ہیں۔

دوسری قسم ارباب کشف و ابصار ہیں جن کو عرفاء اور اولیاء کہتے ہیں۔

اہل بحث و نظر مقدمات کو ترکیب دے کر اور نظر و استدلال کے ذریعہ دلائل و براہین کو ثابت کرتے ہوئے مطالب حقیقی کا یقین حاصل کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں اور ان کے طریقے مشہور و معروف ہیں۔ یہ علماء و حکماء وجود ممکن سے وجود واجب پر استدلال کرتے ہیں اور صنعت سے صانع کی طرف اور خلق سے خالق کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور آگاہی حاصل کرتے ہیں، اگرچہ کہ یہ طریقہ اچھا ہے۔ لیکن نور فیض سے خالی ہے اسلئے اس طریقہ والے واجب کسطرح پہچان سکتے ہیں۔ اس طریقہ کا انجام کار سوائے حیرت مذمومہ کے اور

---

[1] اقتباس نور گرفتن و علم آموختن و فائدہ گرفتن کذا فی المنتخب والغیاث

[2] بدان کہ نور اسمی ہست از اسماء ذات الٰہیہ کہ ہم بر ضیا و ہم بر علم و ہم بر وجود اضافی اطلاق کنند از آں جہت کہ ہر یکی ازیں اشیاء مظہر شی است اما اطلاق آں بوجود اضافی از بہر آنکہ اگر وجود اضافی نبودی اشیاء بکلہا در ظلمت آباد عدم بماندی و از کتم عدم بفضاء وجود نیامدی

اقتباس۔ نور حاصل کرنا۔ علم سیکھنا۔ فائدہ حاصل کرنا۔

نور ذات الٰہی کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اس کا اطلاق ضیا پر، علم پر اور وجود اضافی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان تینوں میں سے ہر ایک مظہر شی ہے وجود اضافی پر اس کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ اگر وجود اضافی نہ ہوتا تو تمام کی تمام اشیا ظلمت آباد عدم میں رہ جاتیں اور کتم عدم سے وجود کی فضا میں نہ آتیں۔ عدم سے وجود کی فضا میں۔ آئیں۔

وحیرت بر دوگونہ است، حیرتِ[1] نظّار وحیرتِ[2] اولی الابصار۔ حیرت نظّار مذموم است چہ از تصادم شکوک وتعارض ادلہ خیزد۔

وحیرت اولی الابصار محمود است چہ از توالی تجلیات وتتالی بارقات در مشاہدۂ وحدانیت والوہیت واحکام وعجائب ربوبیت دست دہد رَبِّ زِدْنِیْ فِیْكَ تَحَیُّرًا۔ مشیر ہمیں حیر است۔ گلشن ؎

ہر آں کس راکہ ایزد راہ ننمود
ز استعمالِ منطق راہ نہ کشود

حکیم فلسفی چوں ہست حیراں
نمی بیند ز اشیا غیر امکاں

ز امکاں میکند اثبات واجب
ازاں حیراں شد اندر ذات واجب

گہے از دور دارد سیر معکوس
گہے اندر تسلسل گشتہ محبوس

حیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل نظر کی حیرت اور دوسری اہل بصر کی حیرت۔ اہل نظر کی حیرت مذموم ہے۔ کیونکہ یہ شکوک کے تصادم اور دلیلوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔

اہلِ بصر کی حیرت محمود (یعنی عمدہ) ہے کیونکہ یہ وحدانیت و الوہیت اور احکام و عجائبِ ربوبیت کے مشاہدہ میں تجلیات و بارقات کے پے در پے نزول و ورود سے حاصل ہوتی ہے۔ "اے پروردگار مجھے تیری بابت حیرت زیادہ فرما" یہ دعا اسی حیرت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(ترجمہ اشعار گلشن راز)

جس کو اللہ نے راستہ نہ دکھایا اس نے منطق کے استعمال سے راستہ پیدا نہ کیا۔

حکیم فلسفی چونکہ حیران ہے اس لئے اسکو اشیاء سے امکان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

وہ امکان سے واجب کو ثابت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ذات واجب میں حیران ہے۔

کبھی وہ دور کی الٹی چال چلتا ہے اور کبھی تسلسل میں محبوس اور مقید ہو جاتا ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

[2] امّا اطلاق آں بر علم از بہر آنکہ اگر علم نبودی ہیچ کس ادراک ہیچ چیز نہ کردی۔

[3] وامّا اطلاق آں بر ضیا از بہر آنکہ اگر روشنائی نبودی اعیانِ موجودہ در خارج در ظلمت ساترہ بماندی و ہیچ کس آنرا ندیدی۔ پس ضیا آلتِ ادراکِ حس شد محسوسات و علم آلتِ ادراکِ عقل شد در عالمِ معانی و معقولات و وجودِ اضافی نوری گشت موجب مشاہدہ در عالمِ اعیان و ارواح واللہ اعلم کذا فی شرح فص الیوسفی لرکن الدین شیرازی۔

علم پر اس کا اطلاق اسلئے ہے کہ اگر علم نہ ہوتا تو کوئی شخص کسی چیز کا ادراک ہی نہیں کر سکتا۔

ضیا پر اس کا اطلاق اس سبب سے ہے کہ اگر روشنی نہ ہوتی تو خارج کے موجودہ اعیان ظلمت و تاریکی میں چھپے رہتے اور کوئی شخص ان کو نہ دیکھتا۔ پس ضیاء محسوسات کے بارے میں حس کا آلۂ ادراک ہے اور علم عالم معانی و معقولات میں عقل کا آلۂ ادراک ہے اور وجود اضافی ایک نور ہے جو عالم اعیان و ارواح میں مشاہدہ کا موجب ہے واللہ اعلم اسی طرح فص یوسفی کی شرح میں رکن الدین شیرازی نے فرمایا ہے۔

چو عقلش کرد در ہستی توغّل
فرو پیچید در پایش تسلسل
ظہور جملہ اشیاء بضد است
ولی حق را نہ مانند و نہ ندّ است
چو نبود ذاتِ حق را ضد و ہمتا
ندانم تا چگونہ داند او را
ندارد ممکن از واجب نمونہ
چگونہ داندش آخر چگونہ
زہے ناداں کہ او خورشید تاباں
بنورِ شمع جوید در بیاباں

و امّا اہلِ کشف و بصیرت بتفریغِ محل و تصفیۂ باطن و تخلیۂ تخیّل و کمالِ تبتّل و دوامِ توجّہ بمنتہائے مقصود خود می رسند۔ و ھو الوصول الی معرفۃ اللہ و لقائہ و آں را اہلِ سلوک صراطِ مستقیم می خوانند طریق صد و بیست و چہار ہزار پیغمبر ہمین است و اشرف و اکملِ ایں طُرق و ملل، ملتِ حنیفی و دینِ مصطفوی است علیہ و علیہم من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا ظلماتِ اکوان و تقلباتِ حدثان دریں طائفہ اثر نہ کردہ بر طہارتِ فطرت ماندہ اند۔ و از ظلمات

جب اسکی عقل ہستی کے مل میں بہت زیادہ او رمنہمک ہوگئی تو اس کے پاؤں میں تسلسل کی زنجیر پڑ گئی۔
تمام اشیاء کا ظہور ان کی ضد سے ہوا کرتا ہے لیکن حق تعالے کے لئے نہ مانند ہے نہ مثل ہے۔
جب ذاتِ حق کی ضد اور اس کا ہمتا نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ فلسفی اسکو کسطرح جان سکے گا۔
ممکن واجب کا نمونہ نہیں۔ آخر وہ اس کو کس طرح جان سکے گا۔
وہ عجیب ناداں ہے جو شمع لے کر بیابان میں روشن سورج کو تلاش کرتا ہے۔

اہلِ کشف و بصیرت متاعِ دنیا سے بے تعلقی، تصفیۂ باطن، تخلیہ تخیل، کمالِ تبتل اور دوام توجہ سے اپنے مقصود کے منتہا کو پہنچتے ہیں۔ اسی کو معرفتِ الٰہی اور لقائے الٰہی تک رسائی کہتے ہیں۔ ان کو سالکین صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا طریق یہی ہے۔ ان طرق و ملل میں اشرف و اکمل طریقہ ملتِ حنیفی اور دینِ مصطفویؐ ہے۔ آپ پر اور ان انبیاء پر بے انتہا درود و سلام ہوں۔ اس جماعت پر اکوانِ عالم کی تاریکیوں اور زمانہ کی گردشوں نے اپنا کچھ اثر نہیں ڈالا وہ طہارتِ فطرت پر قائم رہے ہیں اور حدوث

حدثاں گزر کردہ بلجۂ دریائے وحدانیت
رسیدہ اند، ہرچہ خلق بحکایت شنیدہ
ایشاں بہ بصیرت دیدہ اند، و اُموریکہ
خلق را غیب است ایشاں را شہادت
بودہ اند، مثنوی ؎

دفتر صوفی سواد حرف نیست
جز دل اسپید ہمچو برف نیست

زاد دانشمند آثار قلم
زاد صوفی چیست اسرارِ قدم

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں
پیر اندر خشت بیند بیش ازاں

در دل انگور مئی را دیدہ اند
در فنائے محض شئی را دیدہ اند

نام ایں طائفہ در موطن اَلَسْت بر جریدۂ
یُحِبُّہُمْ بتفصیل نگاشتہ اند پس
ایشاں از محبوبان لم یزل ولایزال بودہ
اند رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، و از
مؤیدان حضرت الوہیت ہستند۔
اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ [1] لاجرم ایں
طائفہ وجود آفریدگار بے ترکیب مقدماتِ
عقلیہ ادراک می نماید و حق را بنورِ حق

کی تاریکیوں سے گزر کر دریائے وحدت کی
گہرائیوں میں پہنچ گئے ہیں۔ خلق نے جو کچھ حکایتاً
سُنا ہے اس کو انہوں نے بصیرت سے دیکھ لیا ہے۔
جو اُمور کہ عام لوگوں کے حق میں غیب کا درجہ رکھتے ہیں
ان کے حق میں شہادت یعنی حاضر کا حکم رکھتے ہیں۔

ترجمۂ اشعار مثنوی:۔

صوفی کا دفتر حروف کی سیاہی نہیں بلکہ ان کا دفتر
برف جیسے سفید دل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔
عالم کا توشہ نوشتۂ قلم ہے۔ صوفی کا توشہ
(ذات) قدم کے اسرار و رموز ہیں۔
تم آئینہ میں جو کچھ عیاں دیکھتے ہو، پیر کامل اینٹ
میں اس سے زیادہ عیاں اور ظاہر دیکھتا ہے۔
وہ انگور کے اندر ہی شراب دیکھ لئے ہیں اور
عدم محض میں شئی کا معائنہ کر لئے ہیں۔

اس گروہ کا نام مقام "اَلَسْت" میں جریدۂ
"یُحِبُّہُمْ" پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ پس یہ لوگ
اللہ تعالیٰ کے محبوب رہے ہیں۔ اللہ ان سے خوش ہے
اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ
کی تائید پہ تائید ملتی رہتی ہے۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ
دیا اور اپنی روح سے ان کی تائید کی۔ بیشک
یہ گروہ پیدا کرنے والے کے وجود کا ادراک مقدمات
عقلیہ کی ترکیب کے بغیر کر لیتا ہے اور حق کو نورِ حق سے

[1] سورہ مجادلہ رکوع ۳

می شناسد اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وبنظر
و استدلال حاجت ندارد۔ ہیہات بینا را
از ادراک اَلوان باستدلال قوت لمس چہ حاجت
اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
از جنید قدس سرہ پرسیدند مَا الدَّلِيْلُ عَلٰى
وَجُوْدِ الصَّانِعِ در جواب فرمود لَقَدْ اَغْنَانِي
الصَّبَاحُ عَنِ الْمِصْبَاحِ واز عارف
دیگر پرسیدند اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَ
اَسْحَقَكَ اللّٰهُ اَتَطْلُبُ مَعَ الْعَيْنِ
الْاَيْنَ چوں ایں طائفہ بمحض
موہبت ربانی بدرجہ کمال فائز شدہ
اند واز مکتب خانہ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّا عِلْمًا سبق گرفتہ ودراں
طریق اشواک شکوک وغوائل اوہام
کمتر است اشرف و اعلیٰ باشند
و بوارثت انبیاء کہ صفوۂ خلائق اند
اقرب و اولیٰ۔

آنہا کہ ربودۂ الست اند
از عہد الست باز مست اند
در منزل درد بستہ پابند

پہچان لیتا ہے۔ "جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے' وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہوتا ہے"۔ ایسے لوگوں کو نظر و استدلال کی حاجت نہیں ہوتی' آنکھ والے کو رنگ پہچاننے کے لئے قوت لامسہ[1] سے استدلال کی کیا ضرورت ہے"۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے"۔ حضرت جنید قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ "صانع یعنی بنانے والے کے وجود پر کیا دلیل ہے" آپ نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً مجھے صبح نے چراغ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ایک دوسرے عارف سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اللہ کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا اللہ تم کو مٹا دے کیا تم آنکھ کے ہوتے ہوئے کہاں ہے' کا سوال کرتے ہو۔ چونکہ یہ جماعت خاص عطائے ربانی سے درجۂ کمال پر فائز ہوئی ہے' اور علمناہ من لدنا علماً کے مکتب سے سبق حاصل کی ہے اور اس راہ میں شکوک کے کانٹے اور وہم میں ڈالنے والے شیاطین بہت کم ہیں اس لئے یہ جماعت اشرف و اعلیٰ ہوتی ہے اور بہ نسبت دوسروں کے انبیاء علیہم السلام جو صفوۂ خلائق ہیں ان کی وراثت کے لئے زیادہ قریب اور اولیٰ ہے۔ (ترجمہ اشعار)

وہ لوگ جو کہ ربودۂ الست میں عہد الست
سے بالکل مست ہیں۔
منزل عشق میں ان کے پاؤں باندھے گئے ہیں' وہ

۱؎ چھو کر پہچاننے کی قوت
۲؎ ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا سورہ کہف رکوع ۹ عہ سورہ زمر رکوع ۳ عہ سورہ ابراہیم ع

دردادنِ جاں کشادہ دست اند
چالاک روند پس بیک گام
از جوئے حدوث باز جستند
فانی زخود و بدوست باقی
ایں طرفہ کہ نیستند وهستند
ایں طائفہ اند اہلِ توحید
باقی ہمہ خویشتن پرستند

و لیکن در ایں طریقہ خطا بسیار ست و مہالک بے شمار چہ خطراتِ[1] وساوس وَ وَرطاتِ ہواجس و تسویلاتِ باطلہ و تخیلاتِ فاسدہ سالک را در بیابانِ طلب حیران و سرگرداں دارد، و افسد مفاسد آنکہ باندک نمایشی کسرابٍ بقیعۃٍ یحسبہ الظّمآن مآءً[عہ] از راہ رفتہ دست از طلب بدارد حتّٰی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا و بعد از اطلاع بر حلیہ حال حاصلش غیر حسرت و وبال نباشد۔ نعوذ باللہ من ذالک ہ

وہ جان دینے میں تیار ہیں۔
وہ ایک قدم میں تیزی سے راستہ طے کر لیتے ہیں اور
حدوث کی نہر سے بالکل نکل جاتے ہیں۔
اپنے آپ سے فانی ہیں اور دوست سے وہ باقی ہیں۔
یہ عجیب بات ہے کہ وہ نیست بھی ہیں اور ہست بھی ہیں۔
یہی اہلِ توحید کی جماعت ہے، باقی تمام
خود پرست ہیں۔

لیکن اس طریقہ میں خطا بے حد اور ہلاکتیں بے شمار ہیں کیونکہ شیطانی و نفسانی خطرات، باطل سوالات اور فاسد خیالات سالک کو میدان طلب میں حیران و سرگرداں کر دیتے ہیں، انتہائی خرابی یہ ہے کہ سالک تھوڑی سی نمائش سے (جیسے بیابانوں کا سراب جس کو پیاسا پانی سمجھ بیٹھتا ہے) راستہ سے بھٹک کر طلب سے دست بردار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اور صورت حال پر مطلع ہونے کے بعد حسرت و وبال کے سوا اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

---

[1] الخاطر اما ربّانی وہو اول الخواطر ولا یخطئ ابدًا و یُعرَفُ بالقوۃ والتسلّطِ وعدم الاندفاع بالدفع۔ واَمّا مَلَکیٌّ وہو الباعث علی مندوب او مفروض و فی الجملۃ کلّ ما فیہ صلاح لیسمّٰی الہامًا۔ واَمّا نفسانیٌ وہو ما فیہ حظّ النفس لیسمّٰی ہاجسًا۔ واَمّا شیطانی وہو ما یدعو الی مخالفۃ الحق ویسمّٰی وسواسًا کذا فی (اصطلاحات الکاشی).

[عہ] سورہ نور رکوع ۵

[1] پہلا خطرہ ربّانی ہوتا ہے۔ یہ اول الخواطر ہے جو کبھی خطا نہیں کرتا اس خطرہ کو قوت و تسلط اور دفع کرنے کے باوجود دور نہ ہونے سے پہچانا جاتا ہے دوسرا خطرہ ملکی ہے جو مندوب فرض اور اعمال خیر پر آمادہ کرتا ہے اس خطرہ کو الہام کہتے ہیں۔ تیسرا خطرہ نفسانی ہے جس میں نفس کو حظ ملتا ہے اور اس خطرہ کا نام ہاجس ہے۔ چوتھا خطرہ شیطانی ہے جو مخالفت حق کی دعوت دیتا ہے اسکو وسوسہ کہتے ہیں (اصطلاحات کاشی میں اسطرح مذکور ہے)

دیگر

دُور ست سرآب دریں بادیہ ہشدار
تا[1] غول بیاباں نہ فریبد بہ سرابت

وایضًا استاد ایں طریقہ و پیر پختہ و راہ رفتہ کہ عبارت از مرشد کامل ہست نادر بود و بر تقدیر وجود شناخت او متعذر یا متعسر چہ کمالات انسانی را جز صاحب کمال نشناسد وقیمت جوہر را جز جوہری نداند ؎

بہ سرّ قصۂ سیمرغ و غصۂ ھدھد
کسی رسد کہ شناسائی منطق الطیرست

واکثر مردم بصورت مُموّہ و ظاہر بے حقیقت از راہ افتادہ ؎

یاقوت را مقابل خرمہرہ می نہند
سنگ سیاہ بنرخ زر سرخ می خرند

و ناگاہ افتد کہ مبتدی تلبیس و تدلیس فریفتہ شود و نقد عمر خود صرف خدمت ناقص کند بظن کمال و مودّی بخسران حال و مآل او گردد ، نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ

ازیں جہت بیشتر علماء بحث مردم را بطریق نظر تربیت نمایند۔ باآنکہ در طریق تصفیہ نیز احتیاج بایں طریق متحقق است ، چہ اگر سالک بکلی از علوم رسمی

خبردار اس بیابان میں پانی کا دہانہ بہت دُور ہے کہیں تم کو غولِ بیاباں (یعنی جنگل کے شیاطین) سراب سے دھوکہ نہ دے بیٹھیں۔ نیز اس طریقہ کا استاد، راستہ طے کیا ہوا پیر پختہ کار جس کو مرشدِ کامل کہتے ہیں۔ نادر الوجود ہوتا ہے۔ اس کے پائے جانے کی صورت میں بھی اسکی پہچان مشکل و دشوار ہے۔ کیونکہ کمالاتِ انسانی کو سوائے صاحب کمال کے اور کوئی نہیں پہچان سکتا۔ جوہر

(ترجمۂ شعر) قصۂ سیمرغ اور غصۂ ہدہد کے راز کو وہی شخص پاسکتا ہے جو پرندوں کی گفتگو جانتا ہو۔

اکثر لوگ نقلی صورت اور بے حقیقت ظاہر سے دھوکہ کھاکر راستہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ (ترجمۂ شعر)

یاقوت کو کوڑی کے مقابل رکھتے ہیں اور سنگ سیاہ کو زرِ خالص کی قیمت سے خریدتے ہیں۔

اور ناگاہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ مبتدی مکر و فریب سے دھوکا کھاکر اپنی نقد عمر کو ناقص کی خدمت میں کامل کے گمان سے صرف کردیتا ہے۔ یہ چیز اسکے حال اور انجام دونوں نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ کی

اسی وجہ سے اکثر علماءِ ظاہر لوگوں کو بطریق نظر یعنی دلائل کے ذریعہ تربیت کرتے ہیں، باوجودیکہ تصفیہ باطن کے طریقے میں بھی اس طریقہ کی ضرورت ثابت ہے کیونکہ اگر سالک پورے طور پر علوم رسمی[2] سے

[1] غولِ بیاباں = دیو اور جن کی ایک قسم ہے جو جنگلوں میں رہتی ہے اور خود کو رنگ برنگی شکلوں پر ظاہر کرتی ہے۔

[2] رسمی = ظاہری

عاری باشد از ورطۂ افراط وتفریط
ایمن نتواند بود۔ واز مخالفتِ شریعت
وحکمت فارغ نہ وشاید کہ بنا برجہل بحدِّ
اعتدال احتمالِ ریاضاتِ مفرطہ کند، ومؤدی
بفسادِ مزاج وبطلان استعداد گردد۔
ولہٰذا حضرت ہادی الثقلین الی صراط المستقیم
علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرمودہ ،
مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلِیًّا جَاھِلًا قَطُّ
ودر حدیث دیگر گفتہ قَصَمَ ظَھْرِیْ
رَجُلَانِ جَاھِلٌ مُتَنَسِّكٌ وَعَالِمٌ
مُتَھَتِّكٌ۔ کَذَا فِی التبصرۃ للقونیوی
ولوامع الاشراق للدّوّانی۔

خالی ہو تو افراط[1] وتفریط[2] کے بھنور سے
بے خوف نہیں ہوسکتا اور شریعت وحکمت کی
مخالفت سے بچ نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ جہل کی
وجہ سے حدِ اعتدال سے تجاوز کرکے ریاضتِ شاقہ
شروع کردے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا
مزاج بگڑ جائیگا اور صلاحیت ضائع ہوجائیگی۔ اسی لئے
حضرت ہادی الثقلین الی صراط المستقیم علیہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کبھی جاہل کو ولی
نہیں بنایا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ دو
آدمیوں نے میری پیٹھ توڑدی ہے۔ ایک نئی راہ پیدا کرنے
والا جاہل اور دوسرا شریعت کی ہتک کرنیوالا عالم
اسی طرح قونیوی کے تبصرہ میں اور دوّانی کی لوامع الاشراق
میں بیان کیا گیا ہے۔

[1] زیادتی [2] کمی

فائدہ (۵)

عند الصوفیة علیهم الرضوان والتحیة سفر بر دو قسم ست. یکی سفر الحق دویم سفر العبد۔

اما سفر الحق از اعلی باسفل و از وحدت بکثرت بود همچو ظهور شخص در مرآیاء متکثرہ مختلفة الالوان والاشکال یا ظهور تخم در شجر یا تعین آب در امواج و حبب. یا تقید موم در پیادہا و فرزین یا خروج حروف مفردہ و مرکبہ از نفس واحدہ سادہ غیر مرکبہ۔ یا ظهور جبرئیل بصورت دحیہ کلبی۔ یا بروز قضیب لبان الموصلی در اماکن مختلفہ۔ یا ظهور جان در بدن۔ یا تجلی حق سبحانہٗ بتحول صور در آخرت۔

وحق را جل مجدہٗ در سفر وی دو کمال اند، یکی کمال ذاتی[1] دویم کمال اسمائی[2]۔

کمال ذاتی مرتبۂ علم وی تعالی بود، واو را جل شانہٗ در کمال ذاتی دو سیر و دور اند۔

یکی سیر و دور اجمالی کہ در وے علم ذات بذات

فائدہ (۵)

صوفیا (علیہم الرضوان والتحیۃ) کے نزدیک سفر دو قسم پر ہے۔ پہلا سفر حق دوسرا سفر عبد۔

سفر حق اعلیٰ سے اسفل کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف ہوتا ہے جیسطرح کہ مختلف رنگ و اشکال کے بیشمار آئینوں میں کوئی شخص ظہور کرے یا درخت میں بیج کا ظہور یا لہروں اور بلبلوں میں پانی کا تعین۔ یا پیادہ و فرزین میں موم کا تقید۔ یا ایک سادہ اور غیر مرکب سانس سے مفرد و مرکب حروف کا نکلنا یا جبرئیل کا دحیہ کلبیؓ کی صورت میں ظاہر ہونا۔ یا قضیب البان الموصلی کا مختلف مقامات میں بیک وقت نمودار ہونا۔ یا بدن میں روح کا ظہور یا آخرت میں مختلف صورتوں میں بدل بدلکر حق سبحانہٗ تعالیٰ کا جلوہ ہونا۔

حق جل مجدہٗ کو اپنے سفر میں دو کمال ہیں، پہلا کمال ذاتی[1] ہے اور دوسرا کمال اسمائی[2] ہے۔

کمال ذاتی اللہ تعالیٰ کے علم کا مرتبہ ہے۔ اس کے کمال ذاتی میں دو سیر اور دور ہیں۔

ایک سیر و دور اجمالی ہے جسمیں ذات کو ذات

---

[1] اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذاتی کمالات

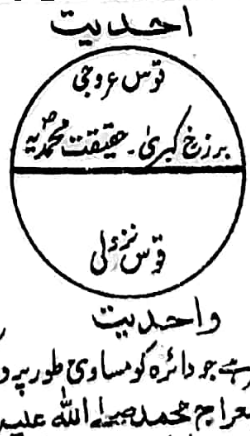
[2] وہ کمالات جو اسماء سے پاک ہیں پائے جاتے ہیں۔

اجمالاً بود۔ وآنرا دائرۃ الوحدۃ خوانند؛ قوس عروجی واعلائے وی احدیت است و قوس نزولی و ادنائے وی واحدیت وقاب[2] ایں دائرہ را برزخ کبرے و حقیقت محمدیہ[3] گویند۔

دوئم سیر و دَور تفصیلی کہ دروے علم ذات بذات و بکمالاتِ ذات مفصلاً بود و آں را دائرۃ الالوهیت نامند، قوس عروجی واعلای وے اسمای الٰہی ووجوبی ست کہ آنرا ظاہر وجود خوانند و قوس نزولی وادنائے وے اسمای کیانی وامکانی کہ آں را ظاہر علم گویند وقاب ایں دائرہ را برزخ صغریٰ وحقیقت انسانیہ خوانند۔ وایں کمال ذاتی را عالم علم وفیض اقدس نیز نامند۔

کا علم اجمالاً ہوتا ہے۔ اس کو دائرہ وحدت[1] کہتے ہیں اس کا اعلیٰ مرتبہ اور قوس عروجی "احدیت" ہے۔ اس کا ادنیٰ مرتبہ اور قوس نزولی "واحدیت" ہے اور اس دائرہ کے قاب[2] کو برزخ کبریٰ وحقیقت محمدیہ[3] کہتے ہیں۔

دوسرا سیر و دَور تفصیلی ہے جس میں ذات کو ذات کا علم تفصیلاً ہوتا ہے۔ اس کو دائرہ الوہیت[ع] کہتے ہیں۔ اس کا اعلیٰ مرتبہ اور قوس عروجی اسمائے الٰہی وجوبی ہیں۔ جن کو ظاہر وجود کہتے ہیں۔ اس کا ادنیٰ مرتبہ اور قوس نزولی اسمائے[4] کیانی وامکانی ہیں جن کو ظاہر علم کہا جاتا ہے اور اس دائرہ کے قاب کو برزخ صغریٰ اور حقیقت[5] انسانی کہتے ہیں۔ اس کمال ذاتی کو عالم علم اور فیض اقدس بھی کہا جاتا ہے۔



دائرۂ وحدت[1]



دائرہ الوہیت[ع]

[2] قاب وہ لکیر ہے جو دائرہ کو مساوی طور پہ دو کمانوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔
[3] لانما هی معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعد الفناء فی اللہ والبقاء بہ (ترجمہ) کیونکہ یہ حضرت محمد صلی اللہ وسلم کی معراج ہے۔ فنافی اللہ کے بعد بقا باللہ سے۔
[4] اشیاء کے حقائق اور اسما کے مربوبات کو کہتے ہیں، ـــــ جیسے عقل کل، نفس کل، طبیعت کل، جوہر ھیا وغیرہ۔
[5] لانہا معراج سایر الانبیاء علیہم السلام بعد الفناء فی اللہ والبقاء بہ (ترجمہ) کیونکہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی معراج ہے فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ سے۔

و ذات بدیں علم و مشاہدہ از وجود عالم و عالمیاں مستغنی است چہ علم و شہود حق مر ایشاں را بجمیع احکامہم و مقتضیاتہم عند اندراجھم فی وحدتہ حاصل است۔ اما ایں شہود شہود لیست غیبی علمی چوں شہود مفصل در مجمل و کثیرہ در واحد و نخلہ مع الاغصان و نوا بعہا در نواۃ واحدہ۔

اما کمال اسمائی مرتبہ وجودِ عالم در خارج بود و موجد مطلق عم نوالہ بر صور علمیہ دریں کمال اسمائی بتجلی ایجادی متجلی و بنور انبساطی وجود ذاتی منبسط گردید۔ و موجودات خارجیہ را بظہور آورد۔ اما مظاہر خارجیہ مجردہ را عالم غیب اضافی و عالم ملکوت و عالم امر خوانند، و مظاہر خارجیہ مادیہ را عالم شہادت مطلقہ و عالم مُلک و عالم خلق نامند و ایں مظاہر مجردہ و مادیہ را عالم خارج و فیض مقدس نیز گویند۔

عند المحققین مراتب سفر الٰہی نا متناہی ست اما حصر اکوان از روی کلیت در بیست و هشت[28] مرتبہ کردہ اند کما قیل ؎

اس علم و مشاہدہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات عالم اور اہل عالم کے وجود سے مستغنی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا علم اور شہود ان کو تمام احکام اور مقتضیات سمیت وحدت میں مندرج ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔ لیکن یہ شہود غیبی و علمی شہود ہے۔ جیسا کہ مفصل کا شہود مجمل میں اور کثرت کا وحدت میں اور درخت کھجور کا اپنی شاخوں اور پھل پات سمیت کھجور کی بیج میں ہوتا ہے۔

کمال اسمائی[1] خارج میں مرتبۂ وجود عالم ہے موجد مطلق عم نوالہ کمال اسمائی سے صور علمیہ پر تجلی ایجادی[1] سے متجلی ہوا۔ اور وجود ذاتی کے نور انبساطی سے منبسط ہوا۔ اور موجودات خارجیہ کو ظہور میں لایا۔ مظاہر خارجیہ مجردہ کو عالم غیب اضافی، عالم ملکوت اور عالم امر کہتے ہیں — اور، مظاہر خارجیہ مادیہ کو عالم شہادت مطلقہ، عالم ملک اور عالم خلق کہتے ہیں۔ ان مجرد اور مادی مظاہر کو عالم خارج اور فیض مقدس[2] بھی کہتے ہیں۔ محققین کے نزدیک سفر الٰہی کے مراتب بے انتہا ہیں مگر انہوں نے اکوان کو باعتبار کلی، اٹھائیس مراتب میں منحصر کیا ہے۔ (ترجمۂ اشعار)

[1] وجود بخشنے والی تجلی [2] وہ تجلیات اسمائی جو اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ کے اقتضا کے مطابق خارج میں وجود بخشتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے جس فیض سے تینوں مراتب خارجی کا ظہور ہوا ہے اس کو فیض مقدس کہتے ہیں۔

عقلِ کل، نفسِ کل، طبیعت کُل
بعد ازاں جوھرِ ہبائی داں

عقل[1] کل، نفس کل، طبیعت[2] کل[3]، اس کے بعد جوہر[4] ہبا جانو۔

جسمِ کل شکل و عرش و کرسی پس
نہ فلک شد بامرِ حق گرداں

جسم[5] کل، شکل کل[6] اور عرش و کرسی۔ پھر نو آسمان، حق تعالیٰ کے حکم سے گردش میں آئے۔

فلک اطلس ہست اوّلِ او
آخرینش قمر ببیں تو عیاں

ان میں پہلا فلک اطلس[7] ہے اور آخری فلک قمر ہے، واضح طور پہ دیکھ لو۔

پس ازاں کرہ اثیر و ہوا
بعد ازاں آب و خاک رامی داں

اس کے بعد اثیر[8] اور ہوا کا کرّہ ہے۔ اس کے بعد پانی اور مٹی کا کرہ جانو۔

شد تمام آنگھے جماد و نبات
ظاہر آمد ازاں پسش حیواں

اس کے بعد جمادات و نباتات پورے ہُوئے، اس کے بعد حیوان کا ظہور ہوا۔

گشت بارز بحسبِ حکمِ ازل
ملک و جن و عاقبت انساں

حکم ازل کے مطابق فرشتے، جنات ہوچکے تو اخیر میں انسان ظہور پذیر ہوا۔

مرتبہ جامعِ جملہ شد ظاہر
اوست مقصودِ کلِّ کون و مکاں

تمام کا جامع مرتبہ ظاہر ہُوا۔ یہی تمام کون و مکاں کا مقصود ہے۔

---

[1] عقل کل یعنی قلم اعلیٰ اس کا رب اسم بدیع ہے۔ نفس کل یعنی لوح محفوظ اس کا رب اسم باعث ہے۔ جبروت کلی کو قلم اعلیٰ اور عقل کل اور روح محمدی اور روح اعظم بھی کہتے ہیں جیسے کہ اس کے ملکوت کلی کو لوح محفوظ اور نفس کل اور ملکوت محمدی کہا گیا ہے۔ عالم اجسام کے ہر ہر جسم ناسوتی کے چھوٹے بڑے جبروت سب اُسی جبروت کلی یعنی عقل کل کے اولاد ہیں۔ اسی وجہ سے اس کو آدم معنوی بھی کہتے ہیں۔ جیسے کہ نفس کل کو حوّائے معنوی بھی کہتے ہیں جیسے کہ نفس کل کو حوّای معنوی کہا گیا ہے تو یہ سب چھوٹے بڑے جبروت جو ہر ہر جسم ناسوتی کے لئے ایک ایک ہیں سو اسی اپنے جدّ اعلیٰ کے اولاد ہیں اور اسی اپنے جد اعلیٰ سے فیض لیتے ہیں اور اپنے ساتھ علاقہ رکھنے والے ملکوتوں کو اور ناسوتوں کو پہنچاتے ہیں، چونکہ جبروت یعنی روح جبروتی فیض دینے والی چیز ہے اس کو قلم اعلیٰ کہا گیا۔ اور لطیفۂ ملکوت یعنی جسم لطیف ملکوتی فیض اس سے لینے والی چیز ہے اس کو لوحِ محفوظ کہا گیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قلم کے سبب سے لوح پر حروف پیدا ہوتے ہیں اور اسی جبروتِ کلی کو ابوالارواح بھی کہتے ہیں جیسے کہ اس ملکوت کل کو ام النفوس بھی کہتے ہیں کیونکہ عقل کل تمام عقول کا جد اعلیٰ ہے جیسا کہ نفس کل تمام نفوس کا جد اعلیٰ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ عقل اور جبروت اور روح اور جان اور جی یہ سب ایک ہی چیز کے نام ہیں یعنی لطیف روح کے ہی نام ہیں، اور قلب اور نفس اور ملکوت اور دل اور من یہ سب ایک چیز یعنے لطیف ملکوتی کے ہی نام ہیں۔ (جواہر العرفان) بقیہ حاشیہ بازو صفحہ پر

قوس عروجی و اعلای این دائرۃ الاکوان
عالم علوی و ملکوت بود و قوس نزولی و ادنائے
ولی عالم سفلی و ناسوت۔ و قاب این دائرہ
را برزخ جامع عالم مثال مطلق نامند و ظہور
حق درین مظاہر خارجی کمال جلا است۔
و شہود وی مروے را درین مجالی اکوانی
کمال استجلا جامی را ست ؎

آمدن در صور کمال جلا است
دیدن آں کمال استجلا است

اما ایں شہود بشہود لیست اعیانی وجودی
چوں شہود مجمل در مفصل و واحد در کثیر
و نواۃ در نخلہ و توابع آں۔
و آخر کل اکوان و مقصود از آفرینش
جہاں و جامع جمیع مراتب قدم و حدثان
و مخلوق بر صورت رحمان انسان کامل است

اس دائرۂ اکوان کا قوس عروجی اور اعلیٰ عالم علوی اور ملکوت ہے۔ اس کا قوس نزولی اور ادنیٰ عالم سفلی اور ناسوت ہے۔ اس دائرہ کے قاب کو برزخ جامع اور عالم مثال بھی کہتے ہیں۔ ان مظاہر خارجی میں حق تعالیٰ کا ظہور بہ کمال ظاہر ہے، ان مظاہر کائنات میں حقتعالیٰ کا شہود اپنے آپ کو کامل روشن طور پر ہوتا ہے۔ حضرت جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں (ترجمۂ شعر) صورتوں میں حقتعالیٰ کا ظہور کمال جلا ہے اور اس کا شہود کمال استجلا ہے [۱] یعنی اپنے
یہ شہود اعیانی اور وجودی شہود ہے۔
جیساکہ مجمل کا مفصل میں، واحد کا کثرت میں۔
اور کھجور کی بیج کا درخت کھجور اور اسکی ڈالیوں اور پھل پاتے ہیں
تمام اکوان کا آخر اور جہان کے پیدا کرنے سے مقصود قدم و حدوث کے تمام مراتب کا جامع اور صورت رحمان پر پیدا کیا ہوا وہ انسان کامل ہے جیسا کہ

ـــــــــ

۱ پچھلے صفحہ کا حاشیہ ۲ طبیعت کلی، تمام عالم کی کلی طبیعت اسم باطن اسی کا رب ہے۔
۳ ھَباء تمام عالم کی کلی صورت بفتح ھا، لغت میں گرد و غبار کو کہتے ہیں جو شعاع آفتاب میں روزن سے ظاہر ہوتی ہے اور اصطلاح میں وہ عبارت ہے مادۃ المواد سے کہ جس میں حق تعالیٰ نے صور عالم کو مفتوح فرمایا جس کو عنقا اور ہیولیٰ بھی کہتے ہیں۔
۴ جسم کل تمام عالم کا کلی جسم اس کا رب اسم ظاہر ہے
۵ شکل کل تمام عالم کی کلی شکل اس کا رب اسم حکیم ہے۔
۶ فلک اطلس سادہ آسمان جس میں ستارے وغیرہ کچھ نہیں ہیں اس کا رب اسم غنی ہے اور یہ نواں آسمان کہلاتا ہے اور ایسی زبردست طاقت و قوت اس میں ہے کہ اپنے اندر کے ساتوں آسمانوں اور ان کی اندر کی چیزوں کو دن رات یعنی چوبیس گھنٹوں کے اندر ایک مرتبہ پورا گھما دیتا ہے۔ روزانہ گردش سورج چاند اور ستاروں کی اس فلک اطلس کی گردش کے تابع اور اسی کے سبب سے ہے
۷ اثیر عالی اور بلند، اسی بلندی کی مناسبت سے آسمانوں اور کرن نار کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آگ کا کرہ سب کروں سے زیادہ بلند ہے۔

چنانچہ آخر شجر و مقصود از نصب شجر و جامع
جمیع مراتب ثمر اوّل و شجر و مخلوق بر صورت
ثمر اوّل ثمر آخر پختہ است و مقصد اقصائے
ایں نزول محمد رسول اللہ بود الانسانُ
سِرّی عبارت از وست۔

و امّا سفر العبد برعکس سفر الحق از
اسفل با علیٰ و از کثرت بوحدت بود، ہمچو
شہود شخص واحد در عکوس مرایاء متکثرۃ مختلفہ
و شہود تخم واحد در شجر و شہود آب در امواج
و حُبَب و شہود، موم در پیادھا و فرزین
و مقصد اقصای ایں عروج لا الٰہ
الّا اللہ بود و انا سِرُّ الانسان
اشارت ہا و است۔

درخت کا آخر اور درخت لگانے سے مقصود
ثمر اوّل اور درخت کے تمام مراتب کا جامع، اور
ثمر اوّل کی صورت پر پیدا کیا ہوا وہ آخری پختہ
ثمر ہے۔ اس نزول کا انتہائی مقصد حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الانسانُ سِرّی یعنی انسان میرا

بندہ کا سفر حق کے سفر کے برعکس ہے۔ یعنی
اسفل سے اعلیٰ کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف
ہوتا ہے جیسا کہ ایک ہی شخص کا شہود مختلف در بیشمار آئینوں
میں بصورت عکس ہوتا ہے۔ یا ایک بیج کا شہود درخت
میں یا پانی کا شہود موجوں اور بلبلوں میں، یا موم کا
شہود پیادہ و فرزین میں ہوتا ہے۔ اس عروج کا انتہائی
مقصد لا الٰہ الّا اللہ ہے، انا سِرُّ الانسان یعنی
میں انسان کا بھید ہوں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ (٦)

وجودِ عام[1] را بمنزلہ دائرہ تصوّر باید کرد و محیط الدّائرہ ھُوَ اللّٰہُ الوَاحِدُ القَھَّارُ[ع] کَمَا قَالَ عزّ من قائل، وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔ وھذا من باب ضرب الامثال، وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَاِلَّا ہر جا کہ خدا است دائرہ آنجا کجا است و مدارج و معارج فیضِ وجودی دور ایست ۔

در دائرۃ الوجود دو قوس اند یکی قوس نزولی دویم قوس عروجی سیر در قوسِ نزولی از اعلیٰ بادنیٰ است چہ حق جل مجدہ از مرتبۂ احدیت[2] صرف بمرتبۂ وحدت و اجمال صفات و از مرتبۂ وحدت بمرتبۂ الوہیت و تفصیل صفات و از مرتبۂ الوہیت بمرتبۂ اعیان ثابتہ و از مرتبۂ اعیان ثابتہ بعالم عقل کل و نفس کل و عقول و نفوس جزئیہ و عالمِ برزخ مثالی

[1] وجودِ عام کہ مقید بقیود تعینات وجوبیہ و تعینات امکانیہ نیست

ع سورہ زمر رکوع اول

[2] احدیت صرف۔ خالص یکتا پنا

فائدہ

وجودِ عام کو دائرہ کی مثال تصور کرنا چاہئے اور محیطِ دائرہ اللہ واحد قہار ہے جیسا کہ اس نے فرمایا اللہ ہر شئی پر محیط ہے، یہ تمام باتیں بطور مثال کے بیان کی گئی ہیں، اللہ ہی کے لئے بلند مثالیں ہیں آسمانوں، اور زمینوں میں، ورنہ جہاں خدا ہے، وہاں دائرہ کہاں۔ فیض وجودی کے مدارج اور معارج ایک دور ہے ۔

دائرۂ وجود میں دو قوس ہیں ۔ ایک قوس نزولی ہے اور دوسری قوس عروجی قوس نزولی میں سیر اوپر سے نیچے کی طرف ہوتی ہے، کیونکہ حق جل مجدہٗ نے احدیت صرف کے مرتبہ سے وحدت و اجمال صفات کے مرتبہ کی طرف اور وحدت کے مرتبہ سے الوہیت اور تفصیل صفات کے مرتبہ کی طرف اور الوہیت کے مرتبہ سے اعیان ثابتہ کے مرتبہ کی طرف اور اعیان ثابتہ کے مرتبہ سے عالم عقل کل و نفس کل،

یعنی وجودِ عام ہے جو تعینات وجوبیہ اور تعینات امکانیہ کی قیود سے مقید نہیں۔

طبیعت کل و جوہر ھبا و جسم کل و شکل کل و عرش و کرسی و فلک البروج و فلک المنازل و سموات سبعہ و عناصر اربعہ و موالید ثلثہ و ملک و جن تا بمرتبۂ انسان نزول فرمود و قوس نزولی نصف دائرہ را تمام نمود، درین سیر ہر مرتبۂ تحتانی ادنیٰ است نظر بمرتبۂ فوقانی و ایں سیر را سفر الحق

عقول و نفوس جزئیہ[2] عالم برزخ مثالی طبیعت کل جوہر ہبا جسم کل، شکل کل عرش کرسی، فلک البروج، فلک المنازل[3]، سات آسمان، چار عناصر، موالید ثلاثہ[4] اور فرشتے و جنات سے مرتبۂ انسان تک نزول فرمایا۔ قوس نزولی نے نصف دائرہ کو تمام کیا۔ اس سیر میں ہر نیچے والا مرتبہ اوپر والے مرتبہ پر نظر کرتے ہوئے ادنیٰ ہے۔ اس سیر کو سفرِ حق، سیر نزولی

[1] اعیان ثابتہ یہ صور علمیہ الٰہیہ ہیں ہمیشہ سے ثابت ہیں ان کو ہرگز ہرگز فنا اور زوال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت قدیم، ازلی اور ابدی ہے جس طرح کہ اس کی ذات قدیم ازلی اور ابدی ہے۔ اعیان ثابتہ وجود کی بو تک نہیں سونگھتے ہیں اعیان خارجیہ اس کے آثار اور احکام ہیں یعنی اعیانِ ثابتہ کے عکوس و ضلال ہیں جیسا کہ ہمارے افعال اور اقوال ہمارے معلومات متخیلہ کے ظل یعنے پرتو ہیں۔ جس طرح افعال و اقوال کے ظہور سے معلوماتِ متخیلہ زوال قبول نہیں کرتے اسی طرح اعیان خارجیہ کے ظہور سے اعیان ثابتہ زوال پذیر نہیں ہوتے۔ اگر اعیان بالذات علم الٰہی سے خارج ہو جائیں اور زوال پذیر ہو جائیں تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہل ہو جائے۔ نعوذ باللہ منہا۔

[2] نفوسِ جزئیہ یعنے تمام چھوٹے چھوٹے ملکوت جو عالمِ اجسام کی ہر ہر چھوٹی بڑی چیزوں کے جسموں میں مدبر اور متصرف ہیں اپنی جدہ نفس کل ملکوت محمدی کے اولاد ہیں (جواہر العرفان)

[3] فلک المنازل وہ آسمان کہ جس میں چاند کی منزلیں ہیں جن کو سنسکرت میں نچھتر کہتے ہیں ــــ اس کے معنی ستاروں کے ہیں۔ آسمان مذکور کے اٹھائیس حصے کر کے ہر ہر حصہ کو اس کے اندر رہنے والے چند مخصوص ستاروں کے لحاظ سے اس نام کے ساتھ موسوم کیا ہے پس نچھتر گویا چند خاص ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ چونکہ چاند کی ماہانہ گردش اپنی منازل یعنی نچھتروں پر سے جاری رہتی ہے۔ اس لئے ان کو منازل قمری کہتے ہیں اور چونکہ اس آسمان کے بارہ حصہ قرار دیکر ہر ہر حصہ میں جو ستارے کہ ہیں ان کے لحاظ سے ایک ایک شکل خاص فرض کر کے اس کے نام سے اس حصے کو موسوم کر دیا ہے اور اس تقسیم کے ہر حصہ کو برج کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس آسمان کو فلک البروج بھی کہتے ہیں (جواہر العرفان)

[4] موالید ثلاثہ یعنے تین بچے، جماد اور نباتات اور حیوان ان تینوں کو کہتے ہیں۔ کیونکہ موالید جمع ہے مولد کی اور مولد کے معنی پیدائش اور پیدا شدہ چیز کے بھی ہوتے ہیں اور ثلاثہ کے معنی تین کے ہیں اور چونکہ جمادات اور نباتات اور حیوانات، یہ تینوں چیزیں عناصر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان تینوں کو ان کے بچے کہتے ہیں اور کبھی انسان ناقص کو بھی ان کے ساتھ گنتی میں ملا لیکر موالید اربعہ بھی کہتے ہیں۔ یعنے چار بچے جو عناصر سے پیدا ہوئے۔
حضرت قطب الاقطاب دکن سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسالوں میں نوں باپ، یا پنج ماں اور چار بچوں کا ذکر آیا ہوا ہے سو اس سے مراد یہی ہے۔ (جواہر العرفان)

وسیر نزولی و سیر ظہوری و انبساطی و سیر مطلق
در مقید و سیر کلی در جزئی گویند، و
سیر مبدأ از اطلاق بتقیید و از وحدت
بکثرت نیز خوانند. نہایت نزول حق
از نقطۂ وحدت تا نقطۂ انسان می رسد۔
پس ذاتِ حق اوّل الاوائل و مبدأ
المبادی و باطن ہمہ نزولات است و ایں
انسان ناقص و مہجور مفرد نیست، از
اکوانِ مفردہ و انسان حیوان بود و مرتبہ
اختفاء الحق بالعبد دارد۔

قال اللہ تعالیٰ ولقد[ع] خلقنا
الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ
اسفل سافلین۔ گلشن

تنزل را بود ایں نقطہ اسفل[ع]
کہ شد با نقطۂ وحدت مقابل

شد از افعالِ کثرت بے نہایت
مقابل گشت ازیں رو با بدایت

اگر گردد مقید اندریں دام
بگمراہی شود کمتر ز انعام

وگر نورے رسد از عالمِ جاں
ز فیضِ جذبہ یا از عکسِ برہاں

سیر ظہوری اور سیر انبساطی" سیر مطلق مقید میں" اور جزئی میں سیر کلی" کہتے ہیں۔ نیز اس کو اطلاق سے تقیید کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف مبداء کی سیر بھی کہتے ہیں۔ نزولِ حق کی انتہا نقطۂ وحدت سے نقطۂ انسان تک پہنچتی ہے۔ پس ذات حق تعالیٰ اول اوائل۔ مبداء مبادی اور تمام تنزلات کا باطن ہے۔ اپنی اصل سے دُور پڑا ہوا یہ ناقص انسان اکوانِ مفردہ کا ایک فرد اور ذوحیات انسان ہے، اور وہ بندہ میں حق کی پوشیدگی کا مرتبہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے درجہ میں ڈال دیا۔ (گلشن راز کے اشعار کا ترجمہ)

یہ نقطہ یعنی انسان تنزل کا سب سے آخری مرتبہ ہے جو نقطۂ وحدت کے مقابل ہے۔

وہ افعال کثرت سے بے نہایت[1] ہوا اور اس وجہ سے بدایت[2] کا مقابل بنا۔

اگر انسان اس دام مقید میں ہو جائے گا تو گمراہی کی وجہ سے چوپایوں سے کمتر ہو جائے گا۔

اور اگر اس کو جذبہ کے فیض یا برہان کی پرتو کی وجہ سے عالمِ ارواح کی سے کوئی نور پہنچیگا تو اس کا دل

---

[1] جسکی انتہا نہ ہو [2] جسکی ابتدا نہ ہو [ع] ای نقطۂ انسان یعنی نقطۂ انسان [ع] سورہ والتین

دلش با لطفِ حق ہمراز گردد
ازاں راہی کہ آمد باز گردد

قال القیصری فی شرح القصیدۃ الفارضیۃ، الذّاتُ باطِنُ العوالِمِ فَاِنَّ الذّاتَ الالٰہیۃَ بِتجلیاتِہا وَظُہوراتِہا تحصل الصّفات و بالصفات تحصل الاسماء و بالاسماء تحصل الاعیانُ الثابتۃُ فی العلم و بالاعیان تحصل الارواح المجردۃ وبہا تحصل عالم المثال وبہ عالم المُلکِ فھو باطن العوالم کلھا والعوالم مظاھرھا۔ انتھیٰ

و سیر در قوسِ عروجی بعکس سیرِ نزولی از ادنیٰ باعلیٰ است۔ چہ انسان از مرتبہ انسانی بدیگر مراتب عالمِ اجسام و از عالمِ اجسام بعالمِ مثال[1]۔ و از عالمِ مثال بعالمِ ارواح[2] و از عالمِ ارواح باعیانِ ثابتہ و از اعیانِ ثابتہ بالوہیت و از الوہیت بوحدت

لطفِ حق کے ساتھ ہمراز ہو جائے گا اور جہاں سے وہ آیا ہے وہاں لوٹ جائے گا۔

حضرت قیصری علیہ الرحمۃ قصیدۂ فارضیہ کی شرح میں فرماتے ہیں، ذاتِ حق تمام عالموں کا باطن ہے کیونکہ ذاتِ الٰہی کی تجلیات اور اس کے گوناگوں ظہور سے صفات پیدا ہوتے ہیں اور صفات سے اسماء، اسماء سے علم میں اعیانِ ثابتہ، اور اعیان ثابتہ سے ارواح مجردہ، ارواح مجردہ سے عالم مثال اور عالم مثال سے عالم مُلک حاصل ہوتے ہیں لہٰذا ذات ہی تمام عالموں کا باطن ہے اور جملہ عوالم ذات کے مظاہر ہیں۔

قوس عروجی میں سیر، سیر نزولی کے برعکس نیچے سے اُوپر کی طرف ہوتی ہے کیونکہ انسان مرتبہ انسانی سے دوسرے مراتب یعنی عالمِ اجسام، عالم اجسام سے عالمِ مثال، عالم مثال سے عالمِ ارواح، عالم ارواح سے اعیان ثابتہ، اعیان ثابتہ سے الوہیت، الوہیت سے وحدت کی

---

[1] قیصری در فصل ثالث مقصد اول مقدمہ شرح قصیدۂ تائیہ می فرماید لکل انسانٍ منہ ای من المثال المطلق نصیبٌ وھو القوۃ الخیالیۃ التی فیھا یری المنامات وتسمّٰی بالخیال المقیّد ونسبۃ ھذا المقید الی مطلقہ نسبۃ البیوت الی الخارج منھا واول ماینفتح للانسان عند غیبتہ عن ھذا العالم الجسمانی ھذا العالم المثالیّ ای المثال المقیّد انتھیٰ

[2] و در عالم ارواح اولاً بنفوس ناطقہ مجردہ بعد ازاں بعقول مجردہ۔

حضرت قیصری علیہ الرحمہ مقدمۂ شرح قصیدہ تائیہ کے مقصد اول کی تیسری فصل میں فرماتے ہیں: ہر انسان کو اس سے یعنی مثال مطلق سے ایک حصہ ہوتا ہے اور وہ قوت خیالیہ ہے جس میں وہ خوابوں کو دیکھتا ہے اس کو خیال مقید کہتے ہیں۔ اس مقید کی نسبت اس کے مطلق کی طرف ایسی ہی ہے جیسے مکانوں کی نسبت خارج مکانات کی طرف ہوتی ہے۔ پہلی وہ چیز جو انسان پر کھلتی ہے اس عالم جسمانی سے اسکی غیبت کے وقت یہ عالم مثالی ہے یعنی مثال مقید۔

اور عالم ارواح میں پہلے نفوس ناطقہ مجردہ سے اس کے بعد عقول مجردہ سے ہے۔

عروج می نماید، و قوس عروجی نصف دائره را باتمام می رساند۔ - - - - - - -

- - - دریں سیر ہر مرتبۂ فوقانی اعلیٰ است نظر بمرتبۂ تحتانی۔ و ایں سیر را سفر العبد و سیر عروجی و رجوعی و سیر شعوری و انقباضی و سیر مقید بجانب مطلق و سیر جزوی لبسوی کلی خوانند، و سیر منتہا از تقید باطلاق و از کثرت بوحدت نیز گویند، نہایت عروج عبد از نقطہ انسانی تا نقطۂ وحدت می رسد، ہمیں سیر مستلزم معرفت کشفی و شہودی است، پس ایں انسان کامل و اصل کونِ جامع بود و مرتبۂ اختفاء العبد فی الحق دارد۔ و آنچہ در اخبار و باب اولِ سفر اول توریت إِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ، آمده اشاره بہمیں جمعیت و کمالِ انسانیت است۔

و ایں عروج غیر انسانِ کامل کسی را حاصل نیست و دیگر افرادِ انسانی در برازخ مقید اند، و بمرتبۂ کمالِ حقیقی کہ مقامِ فنا در توحید است نمی رسند. گلشن ؎

دگر گفتی مسافر کیست در راه
کسے کو شد ز اصلِ کار آگاه
سلوکش سیرِ کشفی دان ز امکاں
سوی واجب بترکِ شین و نقصان

طرف عروج کرتا ہے اور قوس عروجی کے نصف دائرہ کو مکمل کرتا ہے۔ - - - - - - - -

- اس سیر میں ہر اوپر والا مرتبہ نیچے والے مرتبہ کی نسبت اعلیٰ ہے۔ اس سیر کو سفر عبد، سیر عروجی اور رجوعی، سیر شعوری، انقباضی، سیر مقید بجانب مطلق اور سیر جزئی بطرف کلی کہتے ہیں۔

نیز اس کو تقید سے اطلاق کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف سیر منتہی کہتے ہیں۔ عبد کے عروج کی انتہا نقطۂ انسانی سے نقطۂ وحدت تک ہوتی ہے۔ یہی سیر معرفت کشفی اور شہودی کو مستلزم ہے۔ پس یہ انسان کامل اور واصل جامع ہستی ہے اور حق میں بندہ کی پوشیدگی کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اور جو کچھ خبروں میں اور توراۃ کے سفر اول کے باب اول میں آیا ہے کہ "اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اسی جمعیت و انسانیت کے کمال کی طرف

اور یہ عروج سوائے انسان کامل کے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے افراد انسانی برزخوں میں مقید ہیں۔ اور وہ کمال حقیقی کے مرتبہ پر نہیں پہنچے جو توحید میں فنا کا مقام ہے (ترجمہ اشعار گلشن راز)

تم نے دوسرا سوال کیا کہ اس راہ میں مسافر کون ہے؟
وہ شخص ہے جو حقیقتِ سلوک سے باخبر ہے۔
امکان سے واجب کی طرف عیب و نقصان کو ترک
کر کے سیر کشفی اس کا سلوک ہے۔

بعکس سیر اول در منازل
رود تا گردد او انسان کامل
رسد چوں نقطۂ آخر بہ اوّل
دراں جائے فلک گنجد نہ مرسل

قال القیصری فی مقدمۃ شرح الفصوص قد یکون ای الفناء باختفائہا ای باختفاء[1] التعینات الخلقیۃ فیہ ای فی الحق کاختفاء الکواکب عند وجود الشمس ولیستتر وجہ العبودیۃ بوجہ الربوبیۃ فیکون الرب ظاہراً والعبد مخفیا وہذا الاختفاء انما ہو فی مقابلۃ اختفاء الحق بالعبد عند اظہارہ ایاہ وقد یکون بتبدیل الصفات البشریۃ بالصفات الالٰہیۃ دون الذات فکلما ارتفع صفۃ من صفاتہا قامت صفۃ الٰہیۃ مقامہا فیکون الحق حینئذٍ سمعہ وبصرہ کما نطق بہ الحدیث ویتصرف فی الوجود بما اراد اللہ" انتہی[2] بحذف الزوائد.

پس دریں دائرہ نزول از حق بود و عروج از انسان۔ و وحدت از ہر عالی

وہ انسان کامل ہونے کے لئے سیر اول کے برعکس منازل میں چلتا ہے۔

جب نقطۂ آخر اوّل کو پہنچ جاتا ہے تو وہاں فرشتہ سماتا ہے نہ مرسل (کیونکہ وہ قدس میں دوئی محال ہے)

حضرت قیصری علیہ الرحمہ شرح فصوص کے مقدمے میں کہتے ہیں "کبھی فنا حق میں تعینات خلقیہ کی پوشیدگی سے واقع ہوتی ہے جیساکہ وجود آفتاب کے وقت تمام ستارے چھپ جاتے ہیں عبودیت کا رخ ربوبیت کے رخ میں مستور ہوجاتا ہے، اس وقت رب ظاہر اور عبد مخفی ہوجاتا ہے اور یہ پوشیدگی عبد میں حق کے مخفی ہونے کے مقابل ہے۔ جب کہ حق عبد کو ظاہر کرتا ہے، کبھی وہ فنا صفاتِ بشری کو صفات الٰہی سے بدل دینے سے وقوع میں آتی ہے۔ جب کوئی بشری صفت زائل ہوجاتی ہے تو اس کی جگہ صفتِ الٰہی مقام لیتی ہے۔ اس وقت حق اسکی سمع اور بصر بنجاتا ہے، جیساکہ اس پر حدیث ناطق ہے جو اس مقام پر فائز ہوجاتا اور وہ اللہ کے ارادے کے مطابق وجود میں تصرف کرنے لگتا ہے۔

پس اس دائرہ میں حق کا نزول ہوتا ہے اور انسان عروج کرتا ہے۔ وحدت ہر عالی سے اعلیٰ ہے

---

[1] لازوال التعینات الخلقیۃ کما فی القیامۃ الکبریٰ الصوری

[2] خلاصہ حذف زوائد کے بعد

تعینات خلقیہ کے زوال کے ساتھ نہیں جیساکہ قیامت کبریٰ صوری میں ہوتا ہے۔

اعلیٰ است و انسان از ہر سافل اسفل، چہ
بدایت قوسِ نزولی نقطۂ وحدت بود، و
نہایت آن نقطۂ انسانی و بدایت قوس عروجی
نقطۂ انسانی بود و نہایت آں نقطۂ وحدت
ولیکن در حقیقت مبدأ و منتہا حق ہست زیرا کہ
اوّل عین آخر، و آخر عین اول شود، و نقطۂ نہایت
دائرۂ وجود با بدایت دائرہ یکی گردد۔
و با تمام قوس عروجی قوسین سِتر بہم آوردہ
دائرۂ وجود کامل گردد منہ بدأ و
الیہ یعود ؎

جامی معاد و مبدأ ما وحدت ہست و بس
ما درمیانِ کثرت موہوم والسّلام

پس ازاں باید دانست کہ میان دو چیز
چوں مناسبتی نباشد، بینہما معرفت متصور نیست
پس میانِ عارف و معروف مناسبتی باید چوں
معروف کہ حق ہست واحد الذات و کثیر الصفات
بود، مقتضائے حکمتِ الٰہی آنکہ بموجب خلق اللّٰہ
تعالیٰ آدم علیٰ صورتہ انسان نیز، کہ
عارف حق ہست واحد بشخص و کثیر بصفات
و افعال و قویٰ باشد، تا بحکم جامعیتِ معرفتِ
کاملہ کہ علتِ غائی ایجاد ممکنات ہست دریں
نشأت حاصل گردد، و آنچہ در عبارت عرفا

اور انسان ہر سافل سے اسفل ہے۔ کیونکہ قوسِ
نزولی کی ابتدا نقطۂ وحدت اور اس کی انتہا
نقطۂ انسانی ہے۔ اور قوسِ عروجی کی ابتدا
نقطۂ انسانی اور اسکی انتہا نقطۂ وحدت ہے۔
لیکن حقیقت میں مبداء اور منتہیٰ حق تعالیٰ ہے۔
کیونکہ اوّل عین آخر اور آخر عین اوّل ہوجاتا
ہے اور دائرۂ وجود کی انتہا کا نقطہ دائرہ کی ابتدا
کے نقطۂ سے مل کر ایک ہوجاتا ہے۔ اور قوسِ عروجی
کے اِتمام سے دو قوس ظہور میں آتے ہیں جسکی وجہ سے
اس سے ابتدا ہوئی ہے اور اسی کی طرف انتہا بھی ہے۔

(ترجمۂ شعر)

اے جامی ہمارا معاد اور مبدأ مرتبۂ وحدت ہے، اور
بس، ہم کثرت موہوم کے درمیان ہیں۔ والسّلام

اس کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ دو چیزوں کے
درمیان جب کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہے تو ان کے
درمیان معرفت بھی متصور نہیں ہوتی اسلئے عارف اور معروف
کے درمیان کوئی مناسبت ہونی چاہیئے۔ چونکہ معروف جو کہ حق تعالےٰ
ہے اسکی ذات واحد ہے اور صفات کثیر اسلئے حکمت الٰہی کا مقتضا
یہ ہے کہ خلق اللّٰہ تعالیٰ آدم علیٰ صورتہ[1] کے بموجب انسان
بھی جو عارف ہے شخص کی رو سے واحد اور صفات، افعال
اور قول کی رُو سے کثیر ہو، تاکہ جامعیت کے طور پر اس
نشأۃ میں معرفتِ کاملہ حاصل ہو جو ایجاد ممکنات کی
علّتِ غائی ہے۔ عرفا کے کلام میں الکثرۃ[2]

دائرۂ وجود کا نقطۂ نہایت ہوجاتا ہے

[1] اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ [2] کثرت وحدت کے درمیان ہوتی ہے۔

اَلْکَثْرَۃُ بَیْنَ الْوَحْدَتَیْنِ آمدہ اشارت
بوحدت حقیقی حق و وحدت شخصی انسان
است ؎

وما علی اللہ بِمُستَنکرٍ
ان یجمع العالَمَ فی واحدٍ

اوّل چیزیکہ مُدرک انسان می شود تعیّن
شخصی خود است کہ نہایت تنزلات نصف
نزولی و بدایت معارج نصف عروجی ہست
ازیں جا است کہ مرتبۂ انسان را مَطلَعُ الفجر
گویند، چہ در انسان نہایتِ ظلمتِ شبِ کثرت
و بدایتِ نورِ روزِ وحدت واقع ست ؎

ھست انسان برزخ نور و ظلم
مطلع الفجرش ازیں گفتند ھم

از ابتدائے مرتبۂ وحدت تا مرتبۂ انسانی
کہ نہایت کثرات است، سیرِ بحر است بجانب
قطرہ، واز مرتبۂ انسانی تا مقام وحدت سیرِ
قطرہ ہست بسوئے بحر۔ اگر حق تعالیٰ و تقدس
نزول نفرمودی واز غایت فضل وکرم خود
ایجاد انسان نہ نمودی۔ ہیچ کس از کمال
ووصال حق کامیاب نشدی۔ چنانچہ
فیض ثمر رسیدہ وپختہ اگر از بیخ واغصان
واوراق وازھار تا بمرتبۂ ثمر خام نازل
نگردیدی، رسیدگی وپختگی ثمر خام ورجوع

بین الوحدتین جو آیا ہے یہ حق کی وحدتِ
حقیقی اور انسان کی وحدتِ شخصی کی طرف
اشارہ ہے ؎ (ترجمۂ شعر)

یعنی اللہ تعالیٰ پر دشوار نہیں ہے کہ عالم کو واحد
میں جمع کردے۔ (جیسا کہ انسان العین یعنی مردمکِ چشم میں)

پہلی چیز جو انسان کے ادراک میں آتی ہے وہ اس
کا اپنا تعیّن شخصی ہے جو نصف نزولی کے تنزلات کی
انتہا اور نصف عروجی کے معارج کی ابتدا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ مرتبۂ انسان کو مُطلع فجر کہتے ہیں کیونکہ انسان میں
شبِ کثرت کی ظلمت کی انتہا اور روز وحدت کے
نور کی ابتدا پائی جاتی ہے ؎ (ترجمۂ شعر)

انسان نور و ظلمات کا برزخ ہے، اس لئے اس
کو مطلع فجر بھی کہتے ہیں۔

مرتبۂ وحدت کی ابتدا سے مرتبۂ انسانی تک
جو کثرتوں کی نہایت ہے قطرہ کی جانب دریا کی سیر
ہے اور مرتبۂ انسانی سے مقام وحدت تک دریا کی جانب
قطرہ کی سیر ہے۔ اگر حق تعالیٰ و تقدس نزول نہ
فرماتا اور اپنے بے انتہا فضل وکرم سے انسان کو
موجود نہ کرتا تو کوئی شخص بھی حق تعالیٰ کے کمال
اور وصال سے کامیاب و بامراد نہ ہوتا جس طرح
کہ پختہ پھل کو جو فیضان ملا ہے، اگر وہ جڑ، ڈالیوں
پتوں اور کلیوں سے خام پھل کے مرتبہ تک
نازل نہ ہوتا یعنی نہ پہنچتا تو کچے پھل کی پختگی اور پختہ پھل

وعروج وے بثمر بجنۃ وصورت اوّلیہ صورت نگرفتی ہمچناں فیض وحدت اگر از مراتب فوقانی تانہایت مرتبۂ نزولی ودرجۂ انسانی نہ رسیدی وصال وکمال وے ورجوع وعروج بمبداء واصل وی صورت نہ بستی۔

گلشن ۔۵

چو پشتِ آئینہ باشد مکدر
نماید روی شخص از روئے دیگر
شعاع آفتاب از چارم افلاک
نگردد منعکس جز بر سر خاک

(کذا فی مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز)

ونیز باید دانست کہ مراد از لفظ محو و اضمحلال وفنا کہ در عبارات مشائخ قدس اسرارہم واقع می شود، محو نظری است نہ محو عینی، یعنی تعیّن سالک از نظر او مرتفع گردد۔ نہ آنکہ در نفس الامر محو شود کہ آں الحاد وزندقہ است۔

جمعی از ملاحدہ ازاں الفاظ متوہمہ محو و اضمحلالِ عینی تصور کردہ و بزندقہ رسیدہ اند واز ثواب وعذاب اُخروی انکار نمودہ خیال کردہ اندکہ ہمچنانکہ از وحدت بکثرت

اس کا رجوع وعروج اور اس کا پہلی صورت میں آجانا ناممکن ہوجاتا۔ اسی طرح اگر وحدت کا فیضان مراتب فوقانی سے مرتبہ نزولی اور درجۂ انسانی کی انتہا تک نہ پہنچتا تو اس کا وصال وکمال اور اپنے مبداء واصل کی طرف رجوع وعروج کی صورت پیدا نہ ہوتی (ترجمۂ اشعارِ گلشن راز)

جب آئینہ کی پیٹھ مکدر ہوتی ہے تو دوسرے رُخ سے آدمی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔
سُورج کی کرنیں چوتھے آسمان سے صرف زمین ہی پر منعکس ہوتی ہیں۔

(اسی طرح مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں لکھا ہے)

معلوم ہونا چاہئے کہ محو[1]، اضمحلال[2] اور فنا[3] کے الفاظ جو مشائخ قدس اللہ اسرارہم کی عبارتوں میں آتے ہیں ان سے مراد محو نظری ہے، محو عینی نہیں یعنی سالک کا تعین اس کی نظر سے اُٹھ جاتا ہے نہ کہ حقیقت میں تعین ختم ہوجاتا ہے۔ اگر دوسرا معنی لیں تو یہ الحاد اور زندقہ ہے۔

ملحدین کی ایک جماعت وہم میں ڈال دینے والے ان الفاظ سے محو اور اضمحلال عینی تصور کرکے زندیق ہوگئی ہے اور آخرت کے ثواب وعذاب سے منکر ہوگئی ہے اور یہ خیال کرتی ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت

[1] اوصاف بشری کا زائل ہوجانا
[2] اپنی ذات کو نیست ونابود کردینا [3] اپنی خودی کو نیست ونابود کرنا۔

آمده اند- مرتبهٔ دیگر ہمیں طور از کثرت بوحدت
خواہند رفت، و ایں کثرت دراں وحدت
مضمحل خواهد شد۔
وجمعی از زنادقه آں محو شدن را
قیامتِ کبریٰ خیال کرده اند، و از حشر و نشر
و حساب و کتاب و میزان و صراط انکار نموده
اند ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ ایں کوراں نمی بینند که از ہیچ کاملی
عجز و نقصان و احتیاج زائل نہ شده است۔
پس معنیٰ رجوع بوحدت چه باشد؟ اگر رجوع
بوحدت پس از موت[1] خیال کرده اند کافر و
زندیق اند- که از عذاب اخروی انکار دارند
و ابطال دعوای انبیاء می نمایند علیهم الصلوات
والتسلیمات اتمہا و اکملہا
ہر که خواہانِ تفصیلِ ایں مقدمه بود،
مکتوب دوصد و نود و چہارم جلدِ اول مکتوباتِ
امامِ ربانی مطالعه نماید۔

میں آئے ہیں- اسی طرح دوسری مرتبہ کثرت سے
وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت
اس وحدت میں مضمحل ہو جائے گی۔
زندیقیوں کی ایک جماعت نے اس محو
ہونے کو قیامت کبریٰ سمجھ لیا ہے اور حشر و نشر
حساب و کتاب اور میزان و صراط کا انکار کر دیا ہے
وہ خود بھی گمراہ ہوئی اور دوسرے بہت سے لوگوں کو
گمراہ کر دی- یہ اندھے یہ نہیں دیکھتے کہ کسی کامل
سے عجز و نقصان اور احتیاج کا وصف زائل
نہیں ہوا- پس وحدت میں رجوع کا کیا معنیٰ ہو گا؟
اگر موت کے بعد وحدت میں رجوع کا معنیٰ لے رہے
ہیں تو اس صورت میں کافر اور زندیق ہیں کیونکہ آخرۃ
کے عذاب سے انکار کر رہے ہیں- اس طرح سے وہ انبیاء علیہم
الصلوٰۃ والتسلیمات کے دعوی کو باطل قرار دے رہے ہیں۔
—— اگر کوئی اس مقدمہ کو تفصیل کے ساتھ دیکھنا
چاہیے تو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی جلد اول کے مکتوبات
دوسو چورانوے ۲۹۴ مکتوب کا مطالعہ کرے۔

---

[1] موت کامل اور غیر کامل کو نہیں چھوڑتی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ لیکن کامل کو موت میں کچھ دکھ اور تکلیف نہیں جیسا کہ دارا شکوہ حسنات العارفین جس کو شطحیات بھی کہتے ہیں اس میں لکھتے ہیں :-

از مرگ نباشد اہل دل را آزار
اہل دل یعنے اللہ والوں کو موت سے دکھ نہیں پہنچتا ہے

درخواب نترسد چو شود دل بیدار
جب دل بیدار ہو جاتا ہے تو وہ خواب میں نہیں ڈرتا ہے

گر جان تو جسم را بینداخت چه باک
اگر تمہاری جان نے جسم کو پھینک دیا تو کیا اندیشہ ہے۔

چوں کہنه شود پوست بیندازد مار
جب سانپ عمر والا ہو جاتا ہے تو اپنی کینچلی نکال پھینکتا ہے۔

فائدہ (۷)

در دائرۃ الوجود سفر العبد در دو قوس
است: یکی قوس عروجی کہ در وی اَناءِ عبد
در اَناءِ حق محو می گردد۔ دریں سفرِ عروجی
عبد از مرتبۂ انسانی بدیگر مراتب عالم
اجسام واز عالمِ اجسام بعالمِ مثال، و از
عالمِ مثال بعالمِ ارواح و از عالمِ ارواح
باعیانِ ثابتہ و از اعیانِ ثابتہ بالوہیت
واز الوہیت بوحدت می رسد کما مر۔
مراد از محوِ اَناءِ عبد در اَناءِ حق
آں کہ اناءِ عبد از وجودِ کونی بتمام برکندہ
شود و آں را بر حقیقت[1] اطلاق یابد و ببقا
باللہ مشرف گردد و در زمانِ حیاتِ فانی

فائدہ (۷)

دائرۂ وجود میں عبد کا سفر دو قوس میں ہوتا ہے۔
ایک قوس عروجی ہے جس میں اناءِ عبد اناءِ حق
میں محو ہو جاتی ہے۔ اس سفرِ عروجی میں بندہ
مرتبۂ انسانی سے دوسرے مراتب میں یعنی عالمِ
اجسام، عالمِ اجسام سے عالمِ مثال، عالمِ مثال
سے عالمِ ارواح، عالمِ ارواح سے
اعیانِ ثابتہ، اعیانِ ثابتہ سے الوہیت، الوہیت
سے وحدت میں پہنچتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔
انائے حق میں انائے عبد کے محو ہو جانے
سے مراد یہ ہے کہ انائے عبد وجودِ کونی (یعنی افعال
وصفات وذاتِ عالم) سے پوری طرح نکل جاتی ہے
اور اس انا کو حقیقتِ اطلاق پر پاتا ہے اور بقا باللہ سے

۱؎ حضرت محمود دیجوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں ؎

اس جھاڑ کو جائیں گے جھٹک جب — تب بیج کوں پائیں گے سو کیا رب

اس جھاڑ کو یعنی یہ جہاں اور یہ عالم مانند درخت کے ہے، اس کو جھٹک کر یعنی چھوڑ کر جب جائیں گے تب بیج یعنی اس وقت تخم کو یعنی اپنے رب کو پائیں گے۔ جھاڑ سے مراد عالم، بیج سے مراد رب یعنی ذاتِ باری جل شانہٗ ہے بمصداق انا الی ربک المنتہیٰ ؎

اس جھاڑ کوں یک تو ہو دیگا بیج — اس بیج میں تیج ہے سو وہ نیج

اس جھاڑ کو البتہ ایک بیج ہے۔ اس بیج میں تیج یعنی روشنی جلالت عزت اور فخر ہوتا ہے، وہی نیج یعنی سرو کا ہے۔ بیج، تیج اور نیج میں تجنیس خط ہے۔ سمجھ گیا اس کو جو سمجھ گیا۔

وہ جھاڑ یو جگ جو دیکھنے میں آئے — لکھنے منے آئے لیکھ میں آئے

وہ درخت یہ جہاں ہے، جو دیکھنے میں لکھنے میں اور گرفت میں آتا ہے، یعنی باقاعدہ محسوس ہوتا ہے۔

جانِ باقی حاصل نماید۔ وچوں جانِ عاریتی را واستانند بداں جان زندۂ ابدی باشد۔

اور حیات فانی ہی کے زمانے میں جان باقی حاصل کرلیتا ہے۔ جب اس سے یہ مستعار جان واپس لے لی جاتی ہے تو یہی جان باقی سے ۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہو جاتا ہے

مثنوی

مرگ پیش از مرگ امن ہست اے فتیٰ
ایں چنیں فرمود مارا مصطفیٰ

(ترجمۂ استعار مثنوی مولانا روم ؒ)
اے نوجوان موت سے پہلے موت امن ہے ۔ ہم کو حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح فرمایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹)

وہ بیج سو نور احمدیؐ حق ۔۔۔ وہ بیج میں تیج نورِ مطلق

وہ بیج سے مراد نور احمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور اس بیج میں نورِ مطلق کا نور ہے۔

جس بولتے نورِ احدیت کا ۔۔۔ جان کام نہ خون نا دیت کا

یعنی جس کو نورِ احدیت کہتے ہیں، جس جگہ کام نہ خون کا ہے، نہ خون بہا کا ہے یعنے وہاں قتل وقصاص نہیں بمصداق

واں مجھے یار نے شہید کیا ۔۔۔ جس جگہ ایک بھی گواہ نہیں

یہ مقام لاعبد ولارب ولا انت ولا انا کا ہے۔

ہستی سوں اپج یو گیان ہے ہاں ۔۔۔ اس گیاں سوں یو تمام گیہاں

یعنے اس ذاتِ مطلق، ذات بحت اور ذات ساذج سے جو ظہور اول، تجلی اول اور تعین اول ہوا، وہ گیان ہی ہے، یعنی حقیقت محمدی یعنے علم مجمل ہے۔ خبردار اسی سے حقیقت انسانی و تعین ثانی اور گیہان ماسوا اللہ یعنے ارواح و امثال، اجسام جمادات، نباتات، حیوانات اور دونوں جہان پیدا اور موجود ہوے۔ چنانچہ وارد ہے۔ انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری ۔ ؎

بولچھے جو مجھے وہ بیج کیا ہے ۔۔۔ اس بیج میں تیج بیج کیا ہے
کچھ خوب کہوں دیا گرو کی ۔۔۔ سدگیاں کے صف میں سرفرو کی

یعنی مجھ سے اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس بیج میں تیج بیج کیا ہے تو میں پیر و مرشد کے فضل و عنایت سے خوب بیان کرونگا جنہوں نے مجھے خالص معرفت والوں کی صف میں سرفرو کیا ہے۔ ؎

بن جھاڑ کے باب کچھ نہ پوچھو ۔۔۔ یا خوب خراب کچھ نہ پوچھو ۔۔۔ یا بھاگ نگرتی یا بدرتی
معلوم نہیں یو ہے کدھرتی ۔۔۔ یک یعنی طلسم ہے یو دنیا ۔۔۔ یو کب سے بنی ہے کون بنیا

یعنے لیکن درخت کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو اور نیک و بد کا کچھ سوال نکرو۔ یہ سب عالم بھاگ نگر کے شہر سے یا بدر کے گاؤں سے آیا ہے معلوم نہیں کدھر سے یا کس طرف سے آیا ہے، اللہ ہی جانتا ہے۔

مصنف اس میں تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں یہ عالم بمنزلۂ طلسم کے ہے، یہ کب بنا ہے اور اسکی بنیاد کیا ہے۔

یوں کون سو کون جانتا ہے ۔۔۔ یہ کیا ہے سو کن پہچانتا ہے

یعنی یہ کون ہے اسکو کون جانتا ہے اور یہ کیا ہے اس کو کون پہچانتا ہے۔ اگر سمجھنا چاہے تو عقل سلیم سے یعنی عقل معاد سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱ پر)

موتوا قبل ان تموتوا	فرمایا مرجاؤ اس سے پہلے کہ فتنوں سے موت آئے
یاتی الموت تموتوا بالفتن	اور تم ان میں مرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰)

سمجھ سکتے ہیں یعنی کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً عرش و کرسی ہفت آسمان ہفت سیارہ، بارہ برج، چار عناصر، موالید ثلاثہ اور جن ملک کس طور سے بنے۔ اگر قرآن مجید پر ایمان وایقان ہے، آیت کن فیکون کافی ہے انما اذا اراد اللہ شیئاً ان یقول لہ کن فیکون یعنے اللہ تعالیٰ جب کسی شئ کا ارادہ کرتا ہے تو اس شئ کو کہتا ہے ہوجا تو وہ شئ ہو جاتی ہے۔

اس صورت میں عدم بہ حکم عدم یعنی نیست ولا شئ در اصل خود آمر خود مامور فہم من فہم۔

یو جھاڑ نہ جھاڑ بیج کا ست ہے بلکہ یو بیج کا حقیقت

یعنی یہ درخت نہیں بلکہ تخم کا ست یعنی خلاصہ ہے بلکہ تخم کی حقیقت ہے۔

اس جھاڑ کوں پھول پات عالم اس جھاڑ کوں پھل سو کیا او آدم

یعنی عالم اس درخت کے لئے بمشابہ گل و برگ ہے اور آدم یعنی انسان اس درخت کا ثمر ہے۔

پھر پھل میں او آدو بیج آیا بن پھل میں گھٹ آپے چھپایا

یعنی اس پھل میں تخم موجود ہے۔ یہاں بیج سے مراد گیان نور مطلق ہے۔ اگرچہ اس بیج سے درخت کی نشوونما، جڑ، پیڑ ڈالی، پتا اور پھول سب کچھ ہے۔ مگر بیج پھل میں ہوتا ہے۔ یہ انسان بمنزلہ پھل کے ہے۔ بیج نے پھل میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔

پھل پھوڑ یک آدو بیج ابھار ہستی کو کرے اپس کے اظہار

بولے کہ یو جھاڑ جسم میرا اس سب میں مرا بچھان پھیرا

یعنے ایک آدھ بیج پھل پھوڑ کر باہر نکل آتا ہے اور اپنی اپنی ہستی کو ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ درخت میرا جسم اور ان تمام شاخ و برگ میں میرا ہی پھیرا ہوتا ہے۔

یو پیڑ یو ڈال پات ہور پھول ہے سب یو مرے مکان مقبول

یعنے یہ پیڑ شاخ و برگ اور گل تمام میرے ہی برگزیدہ اور مقبول مقامات ہیں۔

یو جھاڑ بی میں یو بیج بی میں اس بیج میں ہے سو تیج ہی میں

بلکہ یہ درخت بھی میں ہی ہوں اور بیج بھی میں ہی ہوں اور اس بیج میں جو نور ہے وہ بھی میں ہی ہوں۔

معلوم نہیں کسے یو مذکور جا پوچھ کہ جانتا ہے منصور

یعنے یہ اسرار کسی کو معلوم نہیں مگر منصور جانتے ہیں ان سے جا کر پوچھ لو کہ انہوں نے انا الحق کہہ کر اس راز کو فاش کیا ہے، اگر یہ سر دار سر نہ دیتے تو آدمی کا کمال کسی پہ ظاہر نہ ہوتا۔

ہر گل نہ دھرے یو باس ہر گھاس ۔ عطار کے عطر میں ہے یو باس

یعنے ہر ایک گل میں اور ہر ایک گھانس میں یہ بو باس نہیں، ہاں اگر ہے تو حضرت فریدالدین عطارؒ کے عطر میں ہے۔

جو اسرار الٰہی کے جاننے والے ہیں۔ یہی دو بزرگ مرد میدان اور کاشف اسرار ہیں۔

غافل ہے ولیک آدمی زاد آپس کوں دئے ہیں تو جہ برباد

لیکن بنو آدم غفلت میں مبتلا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو برباد اور رائیگاں کر دیا۔

دھنڈ بیج یو لوگ جانتے ہیں دھنڈتے کو نہیں پہچانتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲)

باد تند ہست و چراغم ابتری
زو بگیرانم چراغ دیگری

ہوا تیز ہے اور میرا چراغ ابتر یعنی خراب ہے اس لئے دوسرا چراغ روشن کر رہا ہوں۔

ہمچو عارف کز تن ناقص چراغ
شمع دل افروخت از بہر فراغ

اس مردِ عارف کی طرح جو تن کا ناقص چراغ رکھتا ہے اور بے فکر ہونے کے لئے شمع دل کو روشن کر لیتا ہے۔

تاکہ روزے کیں بمیرد ناگہاں
پیش چشم خود نہد آں شمع جاں

تاکہ جس دن یہ چراغ یکایک گُل ہو جائے گا تو اپنی آنکھوں کے سامنے وہ شمع جان رکھ لے گا۔

سرّ موتوا قبل موتوا ایں بود
کز پس مردن غنیمتہا رسد

مرنے سے پہلے مرنے کا بھید یہ ہے کہ مرنے کے بعد کئی غنیمتیں یعنی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

غیر مردن ہیچ فرہنگے دگر
در نگیرد با خدائے حیلہ گر

مرنے کے سوائے کوئی دانائی خدائے تعالیٰ کے پاس جگہ نہیں پاتی ہے۔

یک عنایت بہ ز صد گوں اجتہاد
جہد را خوف است از صد گوں فساد

ایک عنایت یعنی جذبۂ الٰہی سینکڑوں مجاہدات سے بہتر ہے کیونکہ مجاہدہ کے لئے سینکڑوں فساد کا خوف لگا ہے

واں عنایت ہست موقوف ممات
تجربہ کردند ایں رہ را ثقات

وہ عنایت الٰہی مرنے پر موقوف ہے۔ اہل ثقہ نے اس راہ کا تجربہ کیا ہے۔

بلکہ مرگش بے عنایت نیز نیست
بے عنایت ہاں و ہاں جائے مایست

بلکہ اس کی موت بھی بغیر عنایت الٰہی کے نہیں ہاں اور ہاں عنایت کے بغیر کہیں نہیں ٹھہرنا۔

جاں بسی کندی و اندر پردۂ
زانکہ مردن اصل و تو نامردۂ

تم جان کنی میں مبتلا ہو اور پردہ میں ہو۔ اس وجہ سے کہ مرنا اصل ہے اور تم ابھی نہیں مرے۔

تا نمیری نیست جاں کندن تمام
بے کمال نردبان نائی بہ بام

تم جب تک نہ مرو گے جانکنی ختم نہ ہو گی۔ کامل سیڑھی کے بغیر تم بالاخانہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) یعنی یہ لوگ صرف ڈھونڈنا جانتے ہیں لیکن ڈھونڈنے والے کو پہچانتے نہیں کہ یہ کون ہے۔ گویا یہ خلاصہ ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا۔

اپنی کبھی تلاش نہ کی چوک یہ ہوئی
برسوں رہے خراب تلاش خدا میں ہم

چو ز صد پایہ دو پایہ کم بود
بام را کوشندہ نامحرم بود

جب سو پائے میں سے دو پائے بھی کم ہو جائیں تو کوشش کرنے والا بالاخانہ سے ناآشنا رہ جائے گا۔

چوں رسن یک گز ز صد گز کم بود
آب اندر دلو از چہ کی رود

اگر رسّی بجائے سو گز کے ایک گز بھی کم ہو تو کنوئیں کا پانی ڈول میں نہیں آسکتا۔

چوں نمیری گشت جاں کندن دراز
مات شو در صبح اے شمع طراز

جب تک تو نہ مریگا جان کنی کا سلسلہ دراز رہیگا۔ اے شمع زینت تجھ کو آخر صبح میں بجھنا ہوگا۔

تا نہ گشتند اختراں از ما نہاں
داں کہ پنہانست خورشید جہاں

جب تک ستارے ہم سے چھپ جائیں جان لو کہ خورشید جہاں ابھی پوشیدہ ہے۔

بے حجابت باید اسرار لباب
مرگ را بگزیں و بر در آں حجاب

اگر تم اسرار خالص کو بے پردہ دیکھنا چاہتے ہو تو موت کو اختیار کرو اور پردہ کو چاک کردو۔

نے چناں مرگے کہ در گورے روی
مرگ تبدیلی کہ در نورے روی

ایسی موت نہیں کہ جس سے تم قبر میں چلے جاؤ بلکہ تبدیلی کی موت ہو جس سے تم نور میں چلے جاؤ۔

مرد[1] بالغ گشت و آں طفلی بمرد
رومئ شد صبغت[2] زنگی سترد

آدمی بالغ ہوگیا اور وہ طفلی مرچکی، رومی بن گیا اور زنگی کے زنگ کا صفایا کردیا۔

خاک زر شد ہیئت خاکی نماند
غم فرح شد حال غمناکی نماند

مٹی سونا بن گئی اور شکل خاکی باقی نہ رہی غم خوشی ہوگیا اور غمناکی کی حالت نہ رہی۔

ہیں ز چہ معلوم گردد ایں ز لعبث
بعث را جو کم کن اندر لعبث وبحث

ہاں کس طریقہ سے اس بیں اور لعبث بیں امتیاز حاصل ہوگا۔ بعثت کو ڈھونڈو لیکن بعث میں بحث نہ کرو۔

---

[1] خلق اطفال اند جز مست خدا ۔ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

مست خدا کے سوا سارے لوگ اطفال ہیں بالغ وہی ہے جو خواہشات نفسانی سے چھٹکارا پاگیا ہے۔

[2] یعنی صفات ذمیمہ را بحمیدہ بدل کردہ

یعنی برے اوصاف کو اچھے صفات سے بدل دیا ہے۔

ز اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد
ہر آں عقدہ کہ در تو بود حل شد

یعنی اوصاف ذمیمہ کو جب بدل دیا گیا تو ہر گرہ جو تمہارے اندر تھی کھل گئی۔

شرط روز بعث اوّل مردن است
زاں کہ بعث از مردہ زندہ کردن است

روز بعث کے لئے اول مرنا شرط ہے کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے کا نام بعث ہے۔

جملہ عالم زیں غلط کردند راہ
کز عدمؔ ترسند و آں آمد پناہ

تمام عالم نے اس وجہ سے راستہ غلط کر دیا کہ وہ عدم سے ڈر رہے ہیں حالانکہ عدم پناہ کی چیز ہے۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

تمام عالم اس وجہ سے گمراہ ہوا کہ بہت کم لوگ حق کے ابدال سے آگاہ ہوئے۔

از کجا جوئیم ہست از ترک ہست
از کجا خواہیم دست از ترک دست

ہم ہست کو ترک کر کے ہست کو کہاں تلاش کریں اور ہاتھ کو ترک کر کے ہاتھ کو کہاں طلب کریں۔

از کجا جوئیم علم از ترکِ علم
از کجا جوئیم سِلم از ترکِ سِلم

علم کو چھوڑ کر علم کو کہاں ڈھونڈیں اور سلامتی کو چھوڑ کر سلامتی کو کہاں تلاش کریں۔

ہم تو تانی کرد یا نعم المعین
دیدۂ معدوم بین را ہست بین

اے بہترین مددگار خداوند عالم تو ہی معدوم بیں آنکھوں کو ہست بیں کر سکتا ہے۔

دیدۂ کو از عدم آمد پدید
ذات ہستی را ہمہ معدوم دید

وہ آنکھ جو عدم سے ظہور پذیر ہوئی اس نے ذات ہستی کو تمام معدوم دیکھا۔

و امام ربانی شیخ احمد سرہندی در مکتوب سی ام جلد ثالث می نگارد ؎

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ جلد ثالث کے تیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں:-

پایہ آخر آدم است و آدمی
گشت محروم از مقام محرمی

(ترجمۂ اشعار)
مرتبہ اخیر آدم ہیں اور آدمی مقام محرمی (یعنی واقفیت) سے محروم ہو گیا ہے۔

گر نگردد باز مسکیں زیں سفر
نیست از وی ہیچکس محروم تر

اگر مرد مسکین اس سفر سے واپس نہ لوٹے گا تو اس سے زیادہ کوئی شخص محروم نہ ہوگا۔

چوں بہ عنایت سبحانہ او را عروج باصول
خود کہ او در رنگ ظل است مر آں اصول

جب حق سبحانہ تعالیٰ کی عنایت سے سالک کو اپنی ہر اصل میں عروج حاصل ہوگا جو وہ خود اصل کے

سلہ عدم یعنی فنا۔ بحری ؎ ہر پیچ کو کھولتا ہے یہ دل ؛ پر موت کی بار پیچ مشکل

را واقع شود، درہر اصلی از اصولِ اوّل او
را فنائی ہست دراں اصل وبعد ازاں بقائی
بآں وبایں فنا وبقا اطلاق انا ء او
ازاں ظل زائل گشتہ، برآں اصل کہ فنا
وبقا او را در وے حاصل گشتہ است
اطلاق خواہد یافت وخود را ہمہ اصل خواہد
دانست۔ وہمچنیں چوں ازاں اصل بکرم
حق جل وعلا او را عروج واقع شود۔
اصلی کہ فوق آں اصل ہست ظل ہست مرایں
اصل را فنا وبقا آں اصل اول را دریں اصل
ثانی حاصل خواہد گشت واطلاق انا از اصل اول
زائل گشتہ با اصل ثانی خواہد پیوست
وخود را ہماں اصل ثانی خواہد یافت و
ہمیں نسبت ہست اصل ثانی را با اصل ثالث
اگر عروج واقع شود اطلاقِ انا۔ برآں
اصل ثالث قرار خواہد یافت کہ اصل
ثانی ظل اوست، وہمچنیں درہر اصل تحتانی
کہ در رنگِ ظل ہست مر اصل فوقانی را ہمیں
نسبت کائن است ـــــ

ـــ اگر بمحض فضل خداوندی جل سلطانہ،
عروج واقع شود واز ظل باصل بگذرانند اطلاق
انا از ہر ظل باصل آں قرار خواہد یافت

ظل کی حیثیت رکھتا ہے تو ہر ایک اصل میں پہلے
اس کو فنا اور پھر اس کے بعد بقا حاصل ہوگی،
اس فنا وبقا سے اس کی اَنا کا اطلاق اس
ظل سے زائل ہو جائے گا اور اس اصل پر
جس میں اس کو فنا وبقا حاصل ہوئی اطلاقیت
کو پائے گا اور خود کو وہی اصل سمجھنے لگیگا۔
اسی طرح جب اس اصل سے بھی حق جل شانہ،
کے کرم سے اس کو عروج حاصل ہوگا تو وہ
اصل جس کے اوپر اور اصل ہے اس کا یہ
ظل ہے اس اصل اوّل کی فنا وبقا اس اصل
ثانی میں ہوگی اور اصل اول سے آنا کا اطلاق
زائل ہو کر اصل ثانی کے ساتھ مل جائے گا،
خود کو وہی اصل ثانی پائے گا۔ یہی نسبت اصل
ثانی کو بھی اصل ثالث کے ساتھ ہے۔
اگر عروج واقع ہوگا تو آنا کا اطلاق اس اصل
ثالث پر قرار پذیر ہوگا جس کا اصل ثانی ظل
ہے۔ اسی طرح ہر اصل تحتانی میں جو اصل
فوقانی کے ظل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی
نسبت ہوگی ـــــ

ـــ اگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے عروج حاصل ہوگا
اور اس کو ظل سے اصل پر پہنچا دیا جائے گا تو ہر
ظل سے آنا کا اطلاق اسکی اصل کے ساتھ قرار پائیگا۔

وخود را ہماں اصل خواہد دانست الیٰ ماشاء
اللہ تعالیٰ علی تفاوت درجات الاستعداد
وایں اصول بایں کثرت و بایں رفعت اجزاء
او خواہند گشت وقطرہ را دریا خواہند گردانید۔
وچوں ایں اصول اجزاء او باشند۔ ناچار
از کمالات وبرکاتِ شان نیز بہرۂ کامل
نصیب او خواہد شد۔ وکمال او جامع
کمالاتِ آں اجزا خواہد بود۔

ازیں جا فرق درمیان انسان کامل و
سائر افراد انساں تواں شناخت کہ آں دریائے
محیط ہست وایںہا در رنگ قطرہائی محقر آں
دریا پس ایںہا او را چہ شناسد واز کمال او چہ
دریابند۔ خوش گفت! الٰہی چیست
اینکہ دوستانِ خود را کردی کہ ہر کہ ایشاں
را شناخت ترا یافت، وتا ترا نیافت
ایشاں را نہ شناخت۔ وچنانچہ درمیان
انسان کامل وانسان ناقص بکثرت وقلت
اجزاء تفاوت است درمیان طاعات وحسنات
ایںہا نیز باندازہ آں تفاوت ہست شخصی
را کہ صد زبان بدہند وبہر زبان یاد حق کند
جل وعلا چہ نسبت دارد بآں شخصی کہ او را
یک زبان بدہند وآن یک زبان یادِ حق

اور خود کو وہی اصل سمجھنے لگے گا۔ ماشاء اللہ
تعالیٰ جتنی اس کی استعداد ہوگی اسی قدر اس کو
عروج ہوتا جائے گا۔ یہ جملہ اصول
اس کثرت و رفعت کے باوجود اس کے اجزا ہو جائیں گے
اور قطرہ کو دریا بنا دیں گے۔ جب یہ اصول
اس کے اجزاء ہو جائیں گے تو یقیناً اس کو ان کے
کمالات وبرکات سے بھی کامل حصہ نصیب ہوگا۔
اور اسکا کمال ان اجزاء کے کمالات کا جامع ہوگا۔

اسی سے انسان کامل اور دیگر افرادِ انسانی کے
درمیان جو فرق ہے اس کو جان سکتے ہیں کہ انسان
کامل دریائے محیط ہے اور یہ افراد انسانی اس دریا کے
حقیر قطروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس یہ لوگ انسان
کامل کو کیا پہچانیں گے اور اس کے کمال کو کیا پا
سکیں گے۔ کیا خوب کہا گیا! کہ یا الٰہی یہ کیا معاملہ ہے کہ
تو نے اپنے دوستوں کی ایسی شان بنا رکھی کہ جس کسی نے
ان کو پہچانا اس نے تجھکو پا لیا اور جبتک تجھکو نہ
پایا ان کو نہیں پہچانا۔ جیسا کہ انسان کامل و انسان
ناقص کے درمیان اجزاء کی قلت اور کثرت کی بنا پر فرق
ہے۔ ان کی اطاعتوں اور حسنات کے درمیان بھی اسی
انداز سے فرق ہے۔ جس آدمی کو سو زبانیں دی جائیں اور
وہ ہر زبان سے یادِ حق تعالیٰ کرے اسکو اس شخص سے کیا نسبت
ہوگی جسکو ایک ہی زبان ملی ہو اور اس ایک زبان سے

تماید- ایمان و معرفت و سائر کمالات را برین معنیٰ قیاس باید کرد ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انك علىٰ كلّ شيئٍ قدیر- انتھیٰ

والیضًا امام ربانی در معارف لدنی می طرازد:-

"معرفت صوفیا عبارت از علم حضوری است بحق سبحانہ کہ بعد از فنا و بقا صورت می بندد و تعبیر از آں بشناختن و یافتن می کنند و معرفت متکلمین تعبیر است از علم حصولی بحق سبحانہٗ و تعالیٰ کہ نتیجہ نظر و استدلال است، بیانش آنست کہ ہر علمی کہ از خارج حاصل شود عبارت از حصول صورت معلومہ است، یا صورت حاصلۂ او در مدرکۂ عالِم، و ایں علم را علم حصولی گویند، و ہر علمے کہ نہ چنیں باشد یعنی از خارج نیاید، بلکہ بذاتِ عالم متعلق باشد آں علم را علم حضوری گویند-

و چوں عارف بعد از فناء ذات و صفات خود بہ بقا باللہ مشرف شدہ، و آناءِ او، از وجودِ کونی بتمام برکندہ شدہ و برحقیقت[1] اطلاق یافتہ لاجرم از علم حصولی بعلم حضوری

کمالات کو اسی بیان پہ قیاس کرنا چاہیئے- اے ہمارے رب ہمارے نور کو کامل فرما دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے- نیز امام ربانی علیہ الرحمہ معارف لدنی میں لکھتے ہیں:-

کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو علم حضوری سے جاننے کا نام صوفیای کرام کی معرفت ہے جو فنا و بقا کے بعد حاصل ہوتی ہے نیز اس کو پہچاننے اور پانے سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو علم حصولی سے جاننے کا نام متکلمین کی معرفت ہے جو کہ نظر و استدلال کا نتیجہ ہے- اسکی توضیح یہ ہے کہ جو علم خارج سے حاصل ہوتا ہے وہ صورت معلومہ کے حصول یا عالم کے ذہن میں اسکی حاصل شدہ صورت سے عبارت ہے- اس علم کو علم حصولی کہتے ہیں- اور جو علم کہ ایسا نہ ہو یعنی خارج سے نہ آئے بلکہ ذاتِ عالم سے متعلق ہو تو اس علم کو علم حضوری کہتے ہیں-

جب عارف اپنی ذات و صفات کی فنا کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی آنا پورے طور پہ وجودِ کونی سے نکل جاتی ہے اور حقیقتِ اطلاق پہ پہنچ جاتی ہے تو یقینًا وہ علم حصولی سے علم حضوری میں منتقل

---

[1] شیخ عطار می گوید ~ گم گشتن و یافتن بخود ہم
علمی ست عظیم بلکہ اعظم

حضرت شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں (ترجمۂ شعر)
خود کو کھونا اور پانا عظیم بلکہ عظیم ترین علم ہے-

بجری میگوید یعنی حضرت محمود بجری فرماتے ہیں ~ اپنا چہ ہی یاد یا دحق کا- ہمکان ہے معلم اس سبق کا!

عہ دریں ہنگام از مقولۂ اضافت بود کما ذهب اليه البعض یعنی اس وقت مقولۂ اضافت سے ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگ اس کی طرف گئے ہیں- عہ دریں ہنگام از مقولہ کیف بود کما ذهب اليه البعض یعنی اسوقت معولہ کیف سے ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگ اس کی طرف گئے ہیں-

انتقال فرمودہ واز دانستن بیافتن رفتہ چہ یافت دربیرونِ ذاتِ یابندہ نمی باشد۔ معاذ اللہ سادہ لوحی ازینجا حلول[1] واتحاد فہم نکند وباکابرِ دین سوءِ ظن پیدا نیارد ویاخود در ورطۂ بداعتقادی افتادہ ہلاک نشود۔ انتہیٰ

ہو جاتا ہے اور جاننے سے پانے کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے کیونکہ پانا (یافت) پانے والے کی ذات کے باہر نہیں ہے۔ اللہ کی پناہ کوئی سادہ لوح یہاں حلول[2] واتحاد[3] نہ سمجھ بیٹھے اور اکابرِ دین کے ساتھ بدظنی پیدا نہ کرے۔ یا خود بداعتقادی کے بھنور میں گھر کر ہلاک ہو جائے۔

---

[1] شیخ عبدالکریم جیلیؒ درانسان کامل می فرماید اعلم انّ ادراك الذاتِ ھو ان تعلم بطریق الکشف الالٰھی انك ایاہ وھو ایاك وان لا اتحاد ولا حلول وانّ العبدَ عبد والرّبَّ ربٌّ ولا یصیر العبد ربًّا ولا الرّبُّ عبدًا کذا فی اللطائف اللطیفی لجدی وشیخی سید عبد اللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقی ۱۲

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی "انسان کامل" میں فرماتے ہیں جان تو کہ بیشک ذات کا ادراک باعتبار کشف الٰہی یہ ادراک ہونا ہے کہ تو وہ ہے اور وہ تو ہے مگر بلا اتحاد اور حلول تحقیق بندہ بندہ ہے اور رب رب ہے۔ بندہ کسی حال رب نہیں ہو سکتا اور رب بندہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح میرے جد و شیخ سید عبداللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقی قدس سرہٗ کی کتاب لطائف اللطیفی میں لکھا ہے۔

[2] غیر کے اندر اس کا حلول کرنا اتر آنا ممکن ہی نہیں محال قطعی ہے۔ اسی وجہ سے یہ عقیدہ بھی رکھنا چاہیئے کہ وَلَا یَحُلُّ فِیْہِ ای فی غیرہٖ یعنی اور وہ خدا اپنے غیر کے اندر نہیں اُترتا۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے اندر اترنا دو طور کا ہوتا ہے (ایک) گھڑے کے اندر پانی کا اتر آنا۔ اس میں حال کو محل چو طرف سے گھیرا ہوا رہتا ہے اور ہر دو کے صحیح وسالم رہتے ہوئے ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن رہتا ہے۔ (دوسرا) پتہ کے اندر رس کا، یا کھوپرے کے اندر تیل کا اترنا۔ اس قسم میں ہر ایک کے ذرہ ذرہ میں دوسری چیز بھری رہتی ہے۔ ایک کے طرف اشارہ حسّی کرو تو دوسرے کے طرف واقع ہوتا ہے۔ ایک کا سالم رہتے ہوئے دوسرے کا جدا کرنا غیر ممکن ہوتا ہے۔

ان دونوں طرح کے حلول میں سے کسی طور پر بھی خدا اپنے غیر کے اندر نہیں اترتا کیونکہ اس کے لئے غیر فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کہ اپنے غیر میں وہ اتر آئے۔

[3] ولا یتحد بغیرہٖ اور وہ اپنے غیر کے ساتھ مل کر ایک نہیں ہو جاتا۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل کر ایک ہو جانا پانچ طور پر ہوتا ہے (ایک) پانی اور دودھ کا باہم ملنا اس طرح کے ملنے میں بعد مل جانے کے ہر ایک کا پہلا وزن برابر باقی رہتا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے پہلے کے اتنی ہی جگہ بھی ضروری ہوتی ہے (دوسرا) پانی اور نمک کا باہم ملنا اس طرح کے ملنے میں دونوں کا پہلا وزن تو برابر ہی رہتا ہے مگر مجموعہ پہلے کے بہ نسبت کم جگہ میں آجاتا ہے۔ (تیسرا) پانی اور چونہ کا باہم ملنا، اسطرح کے ملنے میں پہلا وزن تو باقی نہیں رہتا کم ہو جاتا ہے۔ مگر مجموعہ کے لئے پہلی کی نسبت کرتے زیادہ جگہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ (چوتھا) بھوکے پارہ کا دوسری دھات کے ساتھ باہم ملنا کہتے ہیں۔ اس طرح کے ملنے میں پہلا وزن تو برابر باقی رہتا ہے۔ مگر ایک کا جسم منقود ہو جاتا ہے۔ ایک ہی کی جگہ میں وہ مرکب سما جاتا ہے (پانچواں) باہم اس طرح سے مل جانا کہ بعد ملنے کے ایک کا وزن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹ پر)

ومولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی در تفسیر عزیزیہ میگوید "سلوک الی اللہ تعالیٰ عبارت از طلب حضورِ اوست نزدِ خود چوں او تعالےٰ از جسمیّت ولوازم آں پاک است حضور او بیکی از سہ طریق میسر می تواند شد

اوّل تصور کہ آں را در عرفِ شرع تفکّر گویند و در اصطلاح اہلِ سلوک مراقبہ و نگرانی نامند۔

دوئم ذکر

سوم تلاوت کلام او تعالیٰ

وچوں طریق اول نیز در حقیقت ذکر و یاد قلبی است۔ گاہی ذکر را شامل آں طریق نیز دارند وطریق استحضار او تعالیٰ را منحصر در دوامر اعتقاد کنند ذکر وتلاوت۔

امّا ذکر کہ شامل لسانی وقلبی است پس بیواسطہ یا بواسطۂ لفظی کہ دال بر ذات او تعالےٰ باشد موجبِ التفاتِ مدرکہ بسوئے او تعالیٰ است چوں ذاتِ او تعالیٰ ملتفت

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ تفسیر عزیزیہ میں لکھتے ہیں کہ سلوک الی اللہ اپنے نزدیک اس کے حضور کی طلب کا نام ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے لوازم سے پاک ہے۔ لہٰذا اس کا حضور تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے میسّر آئے گا۔

پہلا تصوّر ہے جس کو عرفِ شرع میں تفکّر کہتے ہیں اور اہل سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ و نگرانی کہتے ہیں۔

دوسرا ذکر ہے۔

تیسرا کلام اللہ کی تلاوت ہے۔

طریق اول بھی در حقیقت ذکر، اور یاد قلبی ہے اس لئے کبھی ذکر کو پہلے طریقے ہی میں شامل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضوری کے طریقہ کو دوامور میں منحصر جانتے ہیں، ایک ذکر دوسرا تلاوت۔

ذکر جو لسانی وقلبی دونوں کو شامل ہے اس لئے بے واسطہ یا کسی لفظ کے واسطے سے جو اللہ تعالےٰ کی ذات پر دلالت کرتا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف مدرکہ کے التفات کا موجب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) بھی اور جگہ بھی بالکل باقی نہ رہے۔ جسمانی دو چیزوں میں۔ اس پانچویں طرح کا باہم ملنا محال قطعی ہے۔ غیر کے ساتھ ملنے کے ان پانچوں طوروں میں سے کسی طور سے بھی خدائے پاک اپنے غیر سے مل کر ایک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس خدا کے لئے غیر ہے ہی نہیں۔

اتحاد اور حلول یہ دونوں جسمیت کے لوازم سے ہیں اور جو چیز کہ جسم نہ ہو اور جسمیت کے لوازم سے مبرا ہو وہ کبھی حلول و اتحاد کی صفت سے متصف ہو سکتی ہی نہیں۔ ان تمام عیبوں اور نقصانوں سے خدائے پاک عزوجل کی ذات مقدس پاک اور منزہ ہے۔ (مجالس العرفان)

الیہ شد، حاضر شد۔ وہر گاہ دوام ایں استحضار
بہم رسد، حکم ہم صحبتی و ہمنشینی پیدا
کند۔ وصفات او تعالیٰ بر صفات بشریت
غالب آید۔ وافعال او تعالیٰ حاکم بر افعال
عبد شوند۔ چنانچہ در حدیث شریف وارد
است کہ:۔

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ
حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ
سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ
یَبْصُرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ
الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا۔

لیکن ایں طریق تقرب خاص بذات او تعالیٰ
است۔ اگر کسی خواہد کہ بایں طریق بیکی از
مخلوقات تقرب پیدا کند ممکن و مطرد نیست
و سببش آن است کہ دریں نوع تقرب متقرب
الیہ را دو چیز می باید۔

اول احاطۂ علمی باذکار قلبیہ و لسانیۂ ذاکر
باشد باوصف تخالف امکنہ و ازمنہ و مدارک
والسنہ تا ذکر قلبی و لسانی ہر ذاکر را معلوم کند۔

دوم قوت نزدیک شدن و در مدرکۂ او
در آمدن و آں را پُر کردن و حکم صفت او پیدا
کردن کہ در عرف شرع آں را دُنُوّ و تدلّی

کی طرف التفات کیا گیا تو گویا وہ حاضر ہوگئی،
جس وقت اس استحضار میں دوام حاصل ہوتا ہے تو
ہم صحبتی و ہمنشینی کا حکم پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی
صفات بشریت کی صفات پر غالب آجاتی ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کے افعال بندہ کے افعال پر حاکم ہوتے
ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میری طرف تقرب حاصل
کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں
جب میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اسکا کان بنجاتا ہوں
جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ
جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر جس سے وہ چلتا ہے۔

لیکن تقرب کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ساتھ خاص ہے۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ اس طریقہ سے مخلوقات
میں سے کسی کے ساتھ تقرب پیدا کرے تو یہ ممکن اور درست
نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کے تقرب میں
جس کا تقرب چاہا جاتا ہے اس کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

ایک، یہ کہ ذکر کرنے والے کے اذکار قلبی اور اذکار
لسانی کے ساتھ مکان، زمان اور زبان کے مختلف ہونے
کے باوجود احاطہ علمی ہو تاکہ ہر ذکر کرنیوالے کے ذکر قلبی و لسانی

دوسری چیز یہ ہے کہ نزدیک ہونے اس کے ذہن میں
آنے اور اس کے پُر کرنے کی قوت اور صفت پیدا کرنے کی
صلاحیت ہو جسکو عرف شرع میں دنو، تدلی، نزول

ونزول وقرب خوانند۔

واین ہر دو صفت خاصۂ ذاتِ پاک او تعالیٰ است ہیچ مخلوق را حاصل نیست آری بعض کفرہ در حق بعضی از معبودانِ خود و بعضی پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند و در وقتِ احتیاج بہمیں اعتقاد با آنہا استعانت می نمایند۔ اما مطرد نمی باشد و در حقیقت در اشتباہ واقع شدہ اند کہ بیانِ آں اشتباہ دریں مقام اجنبی است و بہمیں دوام کارخانہ سلوک تمام می شود۔ والاّ ممکن نبود کہ بندہ با رب نزدیک شود، و

بسوی ہمیں دوام اشارہ می فرماید، حدیث صحیحی کہ محدثین آں را در صدر کتاب السلوک والتقرب الی اللہ وارد می کنند وھو قولہ علیہ السلام حاکیاً عن اللہ تعالےٰ[1] اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ ونیز حدیث شریف صحیحی دیگر کہ آں نیز سر دفتر کتب سلوک محدثین است وھو قولہ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً۔

اور قرب کہتے ہیں۔

یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا خاصہ ہیں جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ ہاں بعض کافر اپنے معبودوں کے حق میں اور مسلمانوں کے زمرہ سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے حق میں پہلی چیز کو ثابت کرتے ہیں اور حاجات کے وقت اسی اعتقاد سے ان سے استعانت اور مدد چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بات عام نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ اشتباہ میں پڑ گئے ہیں۔ اس اشتباہ کو اس مقام پر بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ مذکورہ دو باتوں سے سلوک کے کام انجام پاتے ہیں، ورنہ ممکن نہیں ہے کہ بندہ رب سے نزدیک ہو۔ انہی دو باتوں کی طرف وہ حدیث صحیح اشارہ کرتی ہے جس کو محدثین کرام سلوک اور تقرب الی اللہ کے بیان کے شروع میں لاتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکایت کرتے ہیں۔ "میں اپنے بندے کے ظن کے نزدیک ہوں جو میرے ساتھ رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے"۔ نیز دوسری ایک حدیث صحیح ہے کہ اس حدیث کو محدثین کرام سلوک کے بیان کی ابتداء میں لاتے ہیں، وہ یہ ہے "جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہو تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہو تو میں اس کی طرف ایک بام قریب ہوتا ہوں۔ جو میری طرف چلتا ہوا آئے

میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں

[1] حدیث قدسی

پس خاصۂ ذاتِ حق است عزّ و علا
کہ بسوی یاد کنندۂ خود نزول می فرماید و نزدیک
می شود و مدرکۂ او را پُر میکند و بر لطائفِ باطنہ
او مستولی میگردد۔ و باین تدلّی واقعی حقیقی
حکم روح، روحِ او می گردد و نسبتی کہ روح را
با بدن است این تدلّی را با روح او بہم می
رسد و دیگر مخلوقات ہر چند روحانیات باشند۔
اوّل علم محیط ندارند کہ بر ذکر ہر ذاکر مطلع
شوند۔ دوم استیلائے دائمی بر روحِ ذاکر نمی
توانند کرد کہ یَشْغَلُهُمْ شَأْنٌ عَنْ
شَأْنٍ و او تعالیٰ لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ
شَأْنٍ انتہیٰ۔

دُوُیم قوسِ نزولی کہ در وے آنائے حق
در اَنائے عبد مخفی میشود۔ دریں سفر نزولی عبد
از مرتبۂ وحدت بمرتبۂ الوہیت و از
مرتبۂ الوھیت باعیانِ ثابتہ و از اعیان ثابتہ
بعالم ارواح و از عالم ارواح بعالم مثال
و از عالم مثال بعالم اجسام و از عالمِ اجسام
بانسان می رسد۔ کما مرّ

مراد از اختفاءِ انائے حق در انائے عبد آں
کہ عبد را از استغراق توحید و سکر برائے تکمیل
ناقصاں و ایصال مہجوران بساحل صحو بعد المحو

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاصّہ ہے کہ وہ اپنے یاد کرنے
والے کی طرف نزول فرماتا ہے اور اس سے نزدیک ہوتا ہے
اسکی قوتِ ادراک کو پُر کر دیتا ہے اور اس کے باطنی
لطائف پر چھا جاتا ہے اور اس واقعی اور حقیقی تقرب سے
اس کی روح کی روح کا حکم رکھتا ہے اور جو نسبت کہ
بدن کو روح کے ساتھ ہے وہی نسبت اس نزول و تقرب
کو اسکی روح کے ساتھ ہوتی ہے۔ دوسری مخلوقات جتنا
بھی روحانی سہی۔ اوّل تو علمِ محیط نہیں رکھتی ہیں، جو
ہر ذاکر کے ذکر پہ مطلع ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ ذاکر کی روح
پر دائمی طور سے چھا نہیں سکتیں کیونکہ ان کو ایک شان
دوسری شان سے غافل کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی
وہ ذات ہے جسکو کوئی شان کسی شان سے غافل نہیں کرتی۔

دائرۃ الوجود کا دوسرا قوس قوسِ نزولی ہے
جس میں حق کی انا عبد کی انا میں چھپ جاتی ہے۔
اس سفرِ نزولی میں عبد مرتبۂ وحدت سے مرتبہ الوہیت پہ
اور مرتبۂ الوہیت سے اعیانِ ثابتہ پہ اور اعیانِ ثابتہ سے
عالمِ ارواح پہ اور عالمِ ارواح سے عالمِ مثال
پہ اور عالمِ مثال سے عالمِ اجسام پہ اور عالمِ اجسام سے
مرتبۂ انسان پہ پہنچتا ہے جیسا کہ بات اوپر بیان ہوئی۔

انائے عبد میں انائے حق کے چھپنے سے مراد یہ ہے
کہ عبد کو توحید کے استغراق و سکر سے ناقصین کی
تکمیل کے لئے اور محو کے بعد ساحل صحو پہ مہجوروں کو

و بقا بعد الفناء و فرق بعد الجمع و جمع الجمع کہ مقام ختم محمدی است صلی اللہ علیہ وسلم فرود آرند و در جمیع موجودات خارجیہ ہمچو سریان الحق ساری گردانند مثلاً ایں ضعیف مسکین عبد اللطیف المعروف بمحی الدین کان اللہ لہٗ۔ در ذات عقل کل در آمد از انجا در ذات نفس کل۔ از انجا در عقول و نفوس جزئیہ و مظاہر خارجیہ او از انجا در مظاہر طبیعت کل۔ از انجا در مظاہر جوہر ھبا۔ از انجا در مظاہر جسم کل، از انجا در مظاہر شکل کل۔ از انجا در مظاہر عرش از انجا در مظاہر کرسی۔ از انجا در مظاہر فلک البروج۔

از انجا در مظاہر فلک المنازل از انجا در مظاہر فلک کیوان از انجا در مظاہر سماء مشتری از انجا در مظاہر سماء مریخ از انجا در مظاہر سماء شمس از انجا در مظاہر سماء ناہید (زہرہ)۔ از انجا در مظاہر سماء عطارد۔ از انجا در مظاہر سماء قمر۔ از انجا در مظاہر کرۂ نار، از انجا در مظاہر کرۂ باد۔ از انجا در مظاہر کرۂ آب۔ ازاں جا در مظاہر کرۂ خاک ازاں جا در مظاہر جماد۔ از انجا در مظاہر

پہنچانے فنا کے بعد بقا، جمع کے بعد فرق جمع الجمع جو کہ ختم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اسپر اتارا جاتا ہے اور تمام موجودات خارجیہ میں سریانِ حق کی طرح ساری کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ ضعیف مسکین **عبد اللطیف المعروف بہ محی الدین** کان اللہ لہٗ، عقل کُل کی ذات میں آیا۔ یہاں سے نفس کُل کی ذات میں۔ یہاں سے عقول و نفوسِ جزئیہ اور ان کے مظاہر خارجیہ میں۔ یہاں سے طبیعتِ کُل کے مظاہر میں یہاں سے جوہر ھبا کے مظاہر میں۔ یہاں سے جسم کل کے مظاہر میں۔ یہاں سے شکل کُل کے مظاہر میں پھر عرش کے مظاہر میں، پھر کرسی کے مظاہر میں پھر فلک البروج کے مظاہر میں پھر فلک المنازل کے مظاہر میں پھر فلک کیوان[1] کے مظاہر میں، پھر آسمان مشتری کے مظاہر میں، پھر آسمان مریخ کے مظاہر میں۔ پھر آسمان آفتاب کے مظاہر میں۔ پھر آسمان زہرہ کے مظاہر میں۔ پھر آسمان عطارد کے مظاہر میں، پھر آسمان قمر کے مظاہر میں، پھر کرۂ نار کے مظاہر میں، پھر کرۂ باد کے مظاہر میں پھر کرۂ آب کے مظاہر میں۔ پھر کرۂ خاک کے مظاہر میں۔ پھر جماد کے مظاہر میں پھر

[1] زحل

نبات، از انجا در مظاہر حیوان، از انجا
در مظاہر جسم آدم ع از انجا در صلب شیث
علیہ السلام از انجا در صلب انوش، از انجا
در صلب قینان، از انجا در صلب
مہلائیل، از انجا در صلب بارد[1] از انجا
در صلب اخنوخ یعنے ادریس[2] علیہ السلام از انجا
در صلب متوشلخ۔ از انجا در صلب
لامک از انجا در صلب نوح علیہ السلام
از انجا در صلب سام، از انجا در صلب ارفخشد
از انجا در صلب شالخ از انجا در صلب غابر عیل
ہو ہود علیہ السلام از انجا در صلب قالغ
از انجا در صلب ارغو وفی نسخۃ
ارعب وفی طبقات الناصری وفی النسخۃ
الصحیحۃ للسید الاجل ارغ وھو
الصحیح کذا فی النسب نامہ
از انجا در صلب شاروخ وفی بعض النسخ ساروغ
واسرع از انجا در صلب ناخور۔ از انجا در صلب
آذر وہو تارح وھو اب ابراھیم علیہ السلام

نبات کے مظاہر میں، پھر حیوان کے مظاہر میں،
پھر جسم آدم علیہ السلام کے مظاہر میں، پھر صلب
شیث علیہ السلام میں پھر صلب انوش میں، پھر
صلب قینان میں پھر صلب مہلائیل
میں پھر صلب بارد میں پھر صلب
اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام میں، پھر
صلب متوشلخ۔ پھر صلب لامک
میں پھر صلب نوح علیہ السلام میں،
پھر صلب سام میں پھر صلب ارفخشد
میں پھر صلب شالخ میں پھر صلب غابر میں
کہتے ہیں کہ وہ ہود علیہ السلام ہیں پھر صلب
قالغ میں پھر صلب ارغو میں (ایک نسخہ میں ارغب
ہے۔ طبقات ناصری اور سید اجل کے
نسخہ صحیحہ میں ارغ بتایا گیا ہے۔ یہی صحیح ہے،
اسی طرح نسب نامہ میں مرقوم ہے۔
پھر صلب شاروخ میں بعض نسخوں میں ساروغ
اور اسرع آیا ہے پھر صلب ناخور میں پھر صلب آذر میں
یہ تارح ہیں جو حضرت ابراھیم علیہ السلام

---

[1] فی نسخۃ بیارد وفی نسخۃ نارد بالنون وفی نسخۃ مارد واللہ اعلم از وقت ہبوط تا وقت بارد یکہزار و سہ صد و چہل سال بود

[2] کذا فی المدارک وشرح الاوراد وعرائس القصص سمی ادریس لکثرۃ درسہ الکتب وصحف ادم علیہ السلام وھو اول من خاط الثیاب ولبس المخیط واول من نظر فی النجوم والحساب کذا فی العرائس۔

ایک نسخہ میں بیارد ایک نسخہ میں نارد اور ایک نسخہ مارد ہے واللہ اعلم۔ وقت ہبوط (حضرت آدم) سے وقت بارد تک ایکہزار تین سو چالیس سال گزرے ہیں۔

اسی طرح مدارک، شرح الاوراد اور عرائس القصص میں مذکور ہے ان کا نام ادریس اسلئے ہوا کہ وہ کتب و صحف آدم علیہ السلام کو بکثرت پڑھتے تھے اور یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے کپڑے سئے اور سئے ہوئے کپڑے پہنے اور یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے نجوم و حساب میں نظر فرمائی

کذا فی العرائس۔
ازانجا درصلب ابراہیم علیہ السلام ازاں جا
درصلب اسمٰعیل علیہ السلام، ازانجا در صلب
قیدار ازانجا درصلب حمل ازانجا درصلب
ثابت ازانجا درصلب سلامان۔ ازاں جا
درصلب ہمیسع، وفی بعض انسخ ہویسع
ازانجا درصلب اُوَدَ واورا اُدَ نیز
گویند۔ ازانجا درصلب اُدّ، ازانجا در
صلب عدنان، ازانجا درصلب مُعَد
وفی بعض النسخ الصحیحۃ بفتحتین وتشدید
الدال۔ ازانجا درصلب نزار، ازانجا در
صلب مُضَر۔ ازانجا درصلب الیاس ازاں
جا درصلب مدرکہ، ازانجا درصلب خزیمہ
ازانجا درصلب کنانہ، ازانجا درصلب نضر
ازانجا درصلب مالک ازانجا درصلب فہر
ازانجا درصلب غالب، ازانجا درصلب
لوئی۔ ازانجا درصلب کعب، ازانجا در
صلب مرہ ، ازانجا درصلب کلاب

کے باپ ہیں۔ (عرائس میں ایسا ہی لکھا ہے)
پھر صلب حضرت ابراہیم علیہ السلام میں پھر
صلب اسمٰعیل علیہ السلام میں پھر صلب قیدار
میں پھر صلب حمل میں پھر صلب ثابت میں،
پھر صلب سلامان میں۔ پھر صلب ہمیسع
میں (بعض نسخوں میں ہویسع آیا ہے)
پھر صلب اُوَدَ میں (ان کو اُد بھی کہا
جاتا ہے) پھر صلب اُدّ میں، پھر
صلب عدنان میں، پھر صلب مُعَد میں
(بعض صحیح نسخوں میں حرف میم اور عین
کو زبر اور دال کو تشدید کے ساتھ لکھا
ہوا ہے) پھر صلب نزار میں، پھر صلب مُضَر میں
پھر صلب الیاس میں پھر صلب مدرکہ میں،
پھر صلب خزیمہ میں پھر صلب کنانہ میں،
پھر صلب نضر میں پھر صلب مالک میں پھر صلب
فہر میں پھر صلب غالب میں پھر صلب لوئی
میں پھر صلب کعب میں، پھر صلب مرہ میں
پھر صلب کلاب میں، پھر صلب

۱؎ تا عدنان نسب شریف میان ارباب سیر واصحاب علم انساب
متفق علیہ است وفوق آن معلوم وصحیح نیست باتفاق بر آنکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از اولاد اسمٰعیل وابراہیم ونوح وادریس
وشیث علیہم السلام از اجداد سید صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم
السلام کذا فی مدارج النبوۃ وملحوق عدنان اختلاف است
ولیکن علی الطریق المشہور عدنان بن اُدّ بن اُوَدَ الی آخرہ۔

عدنان تک نسب شریف ارباب سیر واصحاب علم انساب کے درمیان
متفق علیہ ہے اور اس کے اوپر معلوم وصحیح نہیں لیکن اس پر سب
کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسمٰعیل
سے ہیں۔ حضرت ابراہیم، نوح، ادریس اور شیث علیہم السلام
آپ کے اجداد سے ہیں صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم السلام۔ ایسا ہی مدارج
النبوۃ میں ہے اور عدنان کے اوپر اختلاف ہے لیکن مشہور طریقہ

ازانجا در صلب قصیٰ ازانجا در صلب
عبد مناف ازانجا در صلب ہاشم ازاں جا
در صلب عبد المطلب ازانجا در صلب
ابی طالب ازانجا در صلب امیر المومنین
علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ازانجا در صلب امام
حسین، ازانجا در صلب امام زین العابدین
ازانجا در صلب امام محمد باقر ازانجا در صلب
امام جعفر صادق، ازانجا در صلب امام موسیٰ
کاظم ازانجا در صلب امام علی موسیٰ رضا
ازانجا در صلب امام محمد تقی، ازانجا در صلب
امام علی نقی عسکری ازانجا در صلب حیدر
کرار ازانجا در صلب ابوالقاسم ازانجا در صلب
سیف اللہ ناصر ازانجا در صلب محمد ہاشم ازانجا
در صلب سید محمد ازانجا در صلب سید حسین اکبر
ازاں جا در صلب سید اسد اللہ ازانجا در صلب سید حمزہ صغر
(خلیفۂ سلطان الاولیاء غوث اعظم)
ازانجا در صلب سید حامد ازاں جا در صلب
سید جلال متقی۔ ازاں جا در صلب سید عبد الفتاح
ازانجا در صلب سید نور اللہ منصور، ازاں جا
در صلب سید حسین ازانجا در صلب سید
برہان الدین ازانجا در صلب مولانا قاضی
سید اسماعیل (خلیفۂ[۵] شاہ عالم گجراتی ازانجا
در صلب سید عبد الفتاح (شارح مثنوی و جام

قصی میں، پھر صلب عبد مناف میں، پھر
صلب ہاشم میں پھر صلب عبد المطلب میں
پھر صلب ابی طالب میں پھر صلب
امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
میں پھر صلب امام حسین میں، پھر
صلب امام زین العابدین میں، پھر
صلب امام محمد باقر میں، پھر
صلب امام جعفر صادق میں، پھر
صلب امام موسیٰ کاظم میں، پھر صلب
امام علی موسیٰ رضا میں، پھر صلب
امام محمد تقی میں، پھر صلب امام علی نقی عسکری
میں پھر صلب حیدر کرار میں، پھر صلب
ابوالقاسم میں پھر صلب سیف اللہ ناصر میں پھر صلب
محمد ہاشم میں پھر صلب سید محمد میں پھر صلب سید
حسین اکبر میں پھر صلب سید اسد اللہ میں پھر صلب
سید حمزہ صغر (خلیفۂ سلطان الاولیاء غوث اعظم) میں
پھر صلب سید حامد میں پھر صلب جلال متقی میں پھر
صلب سید عبد الفتاح میں پھر صلب سید نور اللہ منصور
میں پھر صلب سید حسین میں پھر صلب سید برہان الدین
میں پھر صلب مولانا قاضی سید اسماعیل،
(خلیفہ شاہ عالم گجراتی) میں پھر صلب
سید عبد الفتاح (شارح مثنوی و جام

[۵] وفات حضرت شاہ عالم گجراتی ۸۸۵ھ

جہاں نما وغیرہا) ازانجا درصلب سید قطب الدین
ازانجا درصلب سید عبدالحق ازانجا درصلب
سید محمد ازانجا درصلب سید عبداللطیف
مشہور بہ باپوجی، ازانجا درصلب سید میراں ولی اللہ
ازانجا درصلب سید عبداللطیف ازانجا در
صلب رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی ازانجا
درصلب عبداللطیف المعروف بہ محی الدین
ذوقی ازانجا درصلب سید شاہ ابوالحسن
ثانی محوی والدِ ماجدِ فقیر، ازانجا در رحم
طاہرۂ[۱] والدۂ ماجدہ درآمدہ، باطوار نطفگی
وعلقگی ومضغگی وجنینیت وطفلی
وصبا وبلوغ وشباب وکہولت وشیخوخت
تا ایں جا رسیدہ ودر قرونِ ماضیہ نیز چہ در
ارحام جدات وچہ در غیر ارحام باطوار مذکورہ
منقلب گردیدہ۔

وہمچنیں جمیع مردم ایں قرن از ابتداء
عقل کل تا جسم آدم واز جسمِ آدم تا
ایں دم چہ در اصلاب وارحام وچہ در غیر
آنہا باطوارِ مذکورہ تا اینجا رسیدند ؎

مثنوی

ہفصد وہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

جہاں نما وغیرہ) ہیں پھر صلب سید قطب الدین
میں پھر صلب سید عبدالحق میں پھر صلب سید محمد
میں پھر صلب سید عبداللطیف مشہور بہ
باپوجی میں، پھر صلب سید میراں ولی اللہ میں پھر
صلب سید عبداللطیف میں، پھر صلب
رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی ہیں،
پھر صلب عبداللطیف المعروف بہ محی الدین
ذوقی میں پھر صلب سید شاہ ابوالحسن
ثانی محوی والدِ ماجدِ فقیر ہیں، پھر
رحم طاہرۂ والدۂ ماجدہ (امۃ المجید
جو اولاد حضرت غوث اعظم ہیں) میں آکر نطفگی علقگی
مضغگی، جنینیت وطفلی، صبا، بلوغ، شباب کہولت
اور شیخوخت کے اطوار لیتے ہوئے یہاں تک پہنچا،
اور قرونِ ماضیہ میں بھی خواہ ارحام جدات اور خواہ
غیر ارحام میں مذکورہ اطوار کے ساتھ بدلتا رہا۔

اسی طرح اس قرن کے تمام لوگ عقل کل کی ابتدا
سے جسم آدم تک، جسم آدم سے اس دم تک اصلاب و
ارحام میں اور ان کے ماسوا میں مذکورہ اطوار کے
ساتھ یہاں تک پہنچے ہیں۔ ؎

(ترجمۂ شعر)

سات سو ستر قالب دیکھا ہوں اور
سبزہ کی طرح کئی بار اگا ہوں۔

۱؎ نام امۃ المجید حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ (ترجمہ)

[1] دریں دائرہ عروج از انساں بود و نزول از حق چہ بدایت قوس عروجی از نقطۂ مقیدۂ انسانی و آغاز سیر عروجی بسیر الی اللہ و فی اللہ بنقطۂ مطلقۂ وحدت و مرتبۂ انجام می رسد و حق دریں جا آئینۂ سالک بود و بدایت قوس نزولی از مرتبۂ اطلاق و انجام بسیر باللہ و عن اللہ باز بمرتبۂ تقیید و آغاز می رسد۔ و نقطۂ نہایت دائرۂ وجود با بدایت دائرہ یکی گردد و باتمام قوس نزولی قوسین سر بہم آوردہ دائرۂ وجود کامل گردد، و سالک دریں جا آئینۂ حق بود و جامع نشأتین و تمام و مکمل و برزخ وحدت وکثرت و مظہر کل گردد و ایں انسان کامل و واصل مکمل و موصل نیز بود و مرتبۂ اختفاء الوحدۃ فی الکثرت نیز دارد، و کار روے بہ نیابت

اس دائرہ میں عروج انسان سے اور نزول حق سے ہوتا ہے کیونکہ قوس عروجی کی ابتداء نقطۂ مقیدۂ انسانی ہے، اور سیر الی اللہ و فی اللہ میں سیر عروجی کے آغاز سے ہوتی ہے اور نقطۂ مطلقۂ وحدت اور مرتبۂ انجام پر پہنچتی ہے۔ حق تعالیٰ یہاں سالک کا آئینہ ہوتا ہے۔ قوس نزولی کی ابتدا مرتبۂ اطلاق سے اور سیر باللہ عن اللہ میں مرتبہ انجام (آخر) سے ہوتی ہے۔ پھر مرتبۂ تقیید و آغاز پر پہنچتی ہے اور دائرۂ وجود کی نہایت کا نقطہ دائرہ کی ابتدا کے ساتھ ملکر ایک ہو جاتا ہے اور قوس نزولی کے اتمام سے دو قوس پیدا ہوتے ہیں جسکی وجہ سے دائرۂ وجود مکمل ہو جاتا ہے۔ سالک یہاں حقتعالیٰ کا آئینہ ہوتا ہے بعدہ وہ نشأتین کا جامع، تمام و مکمل برزخ وحدت وکثرت اور مظہر کل ہو جاتا ہے۔ یہ کامل و واصل انسان دوسروں کو بھی کامل بنانے اور خدا تعالیٰ تک پہنچانیوالا ہو جاتا ہے اور یہ کثرت میں وحدت کے اخفاء

---

[1] حضرت محمود بحری کہتے ہیں ؎

یک دائرہ توڑ دو کمانا
یک میں کولے تو منے چھپاوے
پہلا تو ہی پچھلے پو رکھ آنک
یہ آنکھ بنوتی ہے جا نو
اپنا پچ ہے یاد، یاد حق کا
سو مرس یو یک قدیم سونا

آیہیچ منے کیا سیانا
یک تو کولے مین منے لھپاوے
گر ہے تجھے کچھ کمال کی جھانک
وہ رنگ ولا یتی چھپا تو
یہ کان ہے معلم ہن سبق کا
لک باٹ یو یکسا ٹیٹاؤ جونا

یعنی انسان کامل مکمل حادث کہ مراد ازلی و علت غائی ہست

یعنی انسان کامل مکمل حادث جو مراد ازلی اور علت غائی ہے۔

وخلافت حق دعوت الی اللہ الرحمان وتکمیل
ناقصاں وایصال مہجوران بود ؎

ہفت دریا اندرو یک قطرۂ
جملہ ہستی پیش مہرش ذرّۂ

یک دھان خواہم بہ پہنائی فلک
تا بگویم وصف آں رشکِ ملک

در فزاہاں یابم چنین وصد چنیں،
تنگ آید در بیان آں امیں

ایں مقامی ہست کہ بالاتر ازیں مقامی
نبود۔ صاحب ایں مقام ذاتِ واحد را در ہر شئ
بصفتی خاص ملاحظہ نماید، وتکثر صفات را
موجب تکثرِ ذات نداند ودر ہر موجودے ہر دو
نسبت حقّانی وخلقانی می یابد وبموجب وھو
معکم اینما کنتم خلق را قائم بحق
بیند ووحدت در کثرت وکثرت در وحدت
مشاہد بود وکثرت حجاب وحدت، ووحدت
پردۂ کثرت نباشد وحق را در خلق وخلق

کا مرتبہ بھی رکھتا ہے اور حقتعالیٰ کی نیابت وخلافت یعنی اللہ کی طرف دعوت دینا اور ناقصین کو کامل بنانا مہجوروں کو اللہ تعالیٰ

پوری ہستی سات دریا میں ایک قطرہ کی طرح ہے اور
آفتاب کے آگے ایک ذرّہ کے مانند ہے۔

مجھے وسعت آسمان کی طرح ایک منہ کی ضرورت ہے
تا کہ اس رشک ملک یعنی انسان کا وصف بیان کرسکوں۔

اگر مجھے ایسا بلکہ صد گنا ایسا دہن مل بھی جائے مگر کما حقہٗ
اس امین کا بیان نہیں کرسکے گا۔

یہ وہ مقام ہے کہ جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں۔ یہ مقام والا ذاتِ واحد کو ہر شیئ میں ایک خاص صفت سے ملاحظہ کرتا ہے اور کثرتِ صفات کو کثرتِ ذات کا سبب نہیں جانتا ہے۔ نیز ہر ایک موجود میں حقّانی اور خلقانی دونوں نسبتوں کو پاتا ہے اور وھو معکم اینما کنتم کے بموجب خلق کو قائم بحق دیکھتا ہے، اور وحدت کو کثرت میں اور کثرت کو وحدت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ نہ کثرت وحدت کا حجاب ہوتی ہے اور نہ وحدت کثرت کا حجاب، وہ حق کو خلق میں اور

لے لقائل ؎
آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند وعیال وخانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

کسی نے کہا ہے، جس شخص نے تجھکو پہچان لیا وہ اپنی جان کو کیا کریگا۔
فرزند وعیال اور گھر بار کو کیا کرے گا۔
تو دیوانہ بنا کر اس کو دونوں جہاں بخشتا ہے۔
تیرا دیوانہ دونوں جہاں کو لیکر کیا کریگا۔

عہ من لہ المولیٰ فلہ الکل یعنی مولا جس کا ہو جاتا ہے، اس کے لئے سب کچھ ہے۔

را در حق نگرد - و ہر شئی را چنانچہ ہست می
بیند و می داند واز معاد بمبداء رود، و از
مبداء بمعاد باز آید - و مقام اطلاق و تقیید
ملک وی گردد - و ہر لحظہ و لمحہ مانند پرکار
دائرۂ وجود خود را تمام سازد، و بتقیید انسانی
رسد و بر ہمون کار، اوّل کہ متابعت شریعت
وسلوکِ عبادت است در کار می باشد و
علامتِ اصولِ عارف دریں مرتبہ آں ہست کہ
مقیدِ بصفتی و حالی دون صفتی و حالی نباشد

۵ دانۂ پُر مغز با خاک دژم
خلوتی و صحبتی کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد
تا نماندش رنگ و بو سرخ و زرد
از پس آں محو قبض او نماند
بر کشاد و بسط شد مرکب براند

الحاصل صاحب ایں مقام در ہمہ مراتب
وجودی یعنی روحانی و مثالی و جسمانی متصرف
می گردد و در منزلِ برزخ الفرق والجمع مقام دارد،
دریں ہنگام بحکم اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً ۱؎ حق تاج خلافت و نیابت بر
سرِ وی نہد و او را مقصود امر کن فکاں
گرداند تا ہادی خلق الی الحق و حجۃ الحق

خلق کو حق میں دیکھتا ہے اور ہر شئی کو جیسی کچھ ہے
دیکھتا ہے اور جانتا ہے - معاد یعنی نقطۂ وحدت سے
مبداء یعنی نقطۂ انسانی تک چلے جاتا ہے پھر مبداء سے
معاد میں لوٹ کر آجاتا ہے - اطلاق و تقیید کا مقام اسکا
ملک ہوجاتا ہے - ہر لحظہ و ہر لمحہ پرکار کی طرح اپنے دائرۂ
وجود کو تمام کرتا ہے اور قیدِ انسانی میں پہنچ جاتا ہے، اور اسی
پہلے کام پر جو کہ متابعتِ شریعت اور سلوکِ عبادت ہے، عمل پیرا
ہوتا ہے - اس مرتبہ پہ عارف کے پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی
ایک صفت اور کسی ایک حال میں مقید نہیں ہوتا کہ جسکی وجہ سے وہ کسی
اور صفت اور کسی اور حال سے بے تعلق ہو جائے - (ترجمۂ اشعار)

پُر مغز دانہ یعنی بیج افسردہ مٹی کے ساتھ کرم کی بنا پہ
کچھ زمانہ خلوت اور صحبت اختیار کی -
اس بیج نے اپنے آپ کو مٹی میں پورے طور پہ
محو (فنا) کردیا یہاں تک کہ اس کا سرخ و زرد رنگ اور
اس کی بو باقی نہ رہی -
اس محو یعنی فنا کے بعد اس کا قبض جاتا رہا - اسکی
بجائے اس میں بسط و کشادگی کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور
وہ چل نکلا یعنی بیج صورت درخت میں نمودار ہوا -

حاصل کلام یہ مقام والا تمام مراتبِ وجودی یعنی
روحانی، مثالی و جسمانی میں صاحبِ تصرف ہو جاتا ہے -
اور برزخ فرق و جمع کی منزل میں مقام حاصل کر لیتا ہے
اسوقت حق تعالیٰ بحکم انّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً
اس کے سر پہ خلافت و نیابت کا تاج رکھ دیتا ہے
اور اس کو امر کن فکان کا مقصود بنا دیتا ہے تاکہ حق
کی طرف مخلوق کا ہادی بن جائے اور مخلوق پہ حق تعالیٰ

۱؎ تحقیق میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں (سورۂ بقرہ رکوع ۴)

علی الخلق باشد۔ گلشن ؎

؎ کسے مردِ تمام است از تمامی
کند با خواجگی کارِ غلامی
چو شد در دائرہ سالک مکمّل
رسد ہم نقطۂ آخر باوّل
بقائے یابد او بعد از فنا باز
رود ز انجام رہ دیگر بہ آغاز
دگر بارہ شود مانند پرکار
بر آں کارے کہ اول بود برکار
شریعت را شعارِ خویش سازد
طریقت را دِثارِ خویش سازد
چو کرد او قطع یکبارہ مسافت
نہد حق بر سرش تاجِ خلافت

دریں دائرۂ وجود حصولِ قربِ نوافل در سفرِ اول است کہ آنرا سفر الی اللہ گویند۔ قیصریؒ در شرح خصوص می فرماید۔

" وَهُوَ اَیْ قُرْبُ النَّوَافِلِ كَوْنُ الْحَقِّ سَمْعَ الْعَبْدِ وَبَصَرَهٗ لِاَنَّهٗ عِنْدَ فَنَاءِ الصِّفَاتِ " انتہٰی

دریں جا عبد فاعل است وحق آلہ و حصولِ قربِ فرائض در سفرِ رابع است کہ آں

کی حجت ہو جائے (ترجمۂ اشعار گلشن راز)

جو شخص پورے طور پر مردِ کامل ہے وہ خواجگی کے باوجود خاکساری اختیار کرتا ہے۔

جب سالک دائرۂ وجود میں مکمل ہو جاتا ہے تو نقطۂ آخر (یعنی انسان) نقطۂ اوّل (یعنی وحدت) کے ساتھ مل جاتا ہے۔

وہ فنا کے بعد پھر بقا حاصل کرتا ہے۔ انجام راہ (یعنی وحدت) سے دوبارہ آغاز (نقطۂ انسانی) کی طرف لوٹتا ہے۔

پہلے جس کام پر تھا اسی کام پر دوبارہ پرکار کی طرح ہو جاتا ہے۔

شریعت کو وہ اپنا شعار بنا لیتا ہے اور طریقت کو اپنا دِثار[1] یعنی ظاہری لباس کر لیتا ہے۔

جب وہ مردِ کامل پورے طور پر مسافت کو طے کر لیتا ہے تو حق تبارک و تعالیٰ اسکے سر پر تاجِ خلافت رکھ دیتا ہے۔

اس دائرۂ وجود میں قربِ نوافل کا حصول سفرِ اول میں ہوتا ہے جسکو سفر الی اللہ کہتے ہیں۔ حضرت قیصری علیہ الرحمہ شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں:۔

"وہ یعنی قربِ نوافل جو کہ فنائے صفات ہے اُس میں حق بندہ کا کان اور اس کی آنکھ بن جاتا ہے۔" انتہیٰ

یہاں عبد فاعل اور حق آلہ ہوتا ہے۔ قربِ فرائض کا حصول چوتھے سفر میں ہوتا ہے۔ جس کہ

[1] دِثار وہ کپڑا جو دوسرے کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے، جیسے چغہ یا چادر وغیرہ، اور وہ کپڑا جو بدن سے لگا ہوا رہتا ہے اس کو شعار کہتے ہیں۔

را سفر فی الخلق بالحق خوانند۔ قیصریؒ
در شرح مذکور می نگارد :۔
"وھو ای قرب الفرائض کَوْنُ الْعَبْدِ
سَمْعَ الْحَقِّ وَبَصَرَہٗ وَیَدَہٗ الْحَاصِلَۃُ
لِلْاِنْسَانِ الْکَامِلِ عِنْدَ فَنَاءِ الذَّاتِ
وبقائھا بہٖ فِی مَقَامِ الْفَرْقِ بَعْدَ الْجَمْعِ"
انتھیٰ، دریں جا حق فاعل است وعبد آلہ ۔
ازیں جا است کہ مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ ، در
الطاف القدس، در بیانِ خواصِ انسانِ کامل گوید:
"کہ انانیت کبریٰ انانیتِ خاصِ انسانِ کامل را
جارحہ[1] خود می سازد۔ حاصلش آنکہ زبان زید۔
چنانچہ در انانیتِ مقیدۂ خود میگوید کہ من زبانم کارِ
من چشیدن وگفتن است نہ دیدن وشنیدن
وکردن ورفتن ودر انانیت مطلقۂ خود می گوید،
کہ من زیدم کارِ من چشیدن وگفتن است وہم دیدن
وشنیدن وکردن رفتن است ازیں اطلاق زبان
زید زید نمی گردد۔ وزید مطلق زبان مقید نمی شود
بلکہ زبان مظہر وجارحۂ زید است وزید بجارحۂ
خود کلام می کند۔ ہمچناں انسانِ کامل مظہر وجارحۂ
حق می گردد وحق بجارحۂ خود کلام میکند، مثنوی

ے بامریداں آں فقیرِ محتشم
بایزید آمد کہ نک یزداں منم
گفت مستانہ عیاں آں ذوفنون

سفر فی الخلق بالحق کہتے ہیں۔ حضرت قیصری علیہ الرحمہ شرح مذکور میں رقم طراز ہیں: ۔
"وہ یعنی قرب فرائض میں بندہ حق کی سماعت اس کی بصارت اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے جو انسان کامل کو فنائے ذاتی اور حق سے اس کی بقا کے وقت جمع کے بعد فرق کے مقام میں حاصل ہوتا ہے۔" یہاں حق تعالیٰ فاعل اور عبد آلہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الطاف القدس میں انسان کامل کے خواص کے بیان میں فرماتے ہیں: " انانیت کبریٰ انسان کامل کی انانیتِ خاص کو اپنا آلہ بنالیتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زید کی زبان جیسا کہ اپنی انانیت مقیدہ میں کہتی ہے کہ میں زبان ہوں میرا کام چکھنا اور کہنا ہے نہ کہ دیکھنا سننا کرنا اور چلنا مگر اپنی انانیت مطلقہ میں کہتی ہے کہ میں زید ہوں میرا کام چکھنا اور کہنا ہے اور دیکھنا سننا کرنا اور چلنا بھی ہے۔ اس اطلاق سے زید کی زبان زید نہیں بن جاتی اور زید مطلق زبانِ مقید نہیں ہوجاتا بلکہ زبان زید کا مظہر اور آلہ ہے اور زید اپنے آلہ سے کلام کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل حق تعالیٰ کا مظہر اور آلہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اپنے آلہ (یعنی انسانِ کامل) کے ذریعہ کلام کرتا ہے۔

ے وہ فقیر محتشم حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ اپنے مریدوں کے سامنے کہنے لگے کہ میں خدا ہوں۔
آپ صاحبِ کمالات کیف ومستی کی حالت میں کہنے لگے

[1] جارحہ بمعنی عضو؛ جمع جوارح

لا الٰہ الا انا ھا فاعبدون

کہ میں ہی معبود ہوں میری عبادت کرو۔

چوں گذشت آں حال گفتندش صباح
تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح

جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو مریدوں نے آپ سے صبح میں کہا، آپ نے تو ایسی بات کہی حالانکہ ایسا کہنا ٹھیک نہیں۔

گفت ایں بار ار کنم ایں مشغلہ
تیغہا برمن زنید آں دم ہلہ

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر اب کی بار ایسا کروں تو تم اسی وقت مجھ پر تلوار چلا دینا۔

حق منزّہ از تن و من با تنم
چوں چنیں گویم ببا ید کشتنم

کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات جسم سے پاک ہے اور میں جسم والا ہوں، جب میں ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دینا چاہئے۔

مست گشت و باز ز استغراق رفت
آں وصیتہاش از خاطر برفت

پھر آپ مست ہوئے اور عالم استغراق میں چلے گئے اور آپ کی وصیتیں، دل سے فراموش ہو گئیں۔

عشق آمد عقل او آوارہ شد
صبح آمد شمع او بیچارہ شد

عشق آیا تو ان کی عقل جاتی رہی، صبح نمودار ہوئی تو ان کی شمع بیکار ہو گئی۔

عقل او شحنہ است چوں سلطاں رسید
شحنۂ بیچارہ در کنجی خزید

ان کی عقل کوتوال تھی، جب سلطان (عشق) آ پہنچا تو کوتوال بے چارہ ایک گوشہ میں جا چھپا۔

عقل سایہ حق بود حق آفتاب
سایہ را با آفتاب او چہ تاب

عقل سایۂ حق ہے اور حق آفتاب ہے۔ سایہ کی آفتاب کے ساتھ کیا آب و تاب رہ سکتی ہے۔

چوں پری غالب شود بر آدمی
گم شود از مرد وصف مردمی

جب آدمی پر پری کا غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی سے آدمیت کا وصف گم ہو جاتا ہے۔

ہرچہ گوید آں پری گفتہ بود
زیں سرے نے زاں سرے گفتہ بود

جو کچھ آدمی کہتا ہے یہ اس آدمی کا نہیں بلکہ اس پری کا کہنا ہوتا ہے اس سر سے نہیں بلکہ اس سر کا کہا ہوا ہوتا ہے۔

چوں پری را ایں دم و قانون بود
کردگار آں پری خود چوں بود

جب پری کے لئے اتنی قدرت اور اس کا یہ قانون ہے تو اس پری کو پیدا کرنے والا خود کیسا ہو گا خیال کرنا چاہئے۔

اُوی او رفتہ پری خود او شدہ
تُرک بے الہام تازی گو شدہ

وہ خود سے جاتا رہا اب پری خود وہ ہو گئی، اور یہ ترکی آدمی بغیر کسی الہام کے عربی زبان بولنے لگا۔

چوں بخود آید نداند یک لغت
چوں پری را ہست ایں ذات و صفت
پس خداوند پری و آدمی
از پری کئے باشدش آخر کمی

شیر گیر از خون نرّہ شیر خورد
تو بگوئی او نہ کرد آں بادہ کرد
ور سخن پردازد از نو و کہن
تو بگوئی بادہ گفتہ است ایں سخن

بادۂ را چوں بود ایں شرّ و شور
نورِ حق را نیست ایں فرہنگ زور
کہ ترا از تو بکل خالی کند
تو شوی پست او سخن عالی کند

گرچہ قرآن[۱] از لبِ پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفتہ کافر است
و از قرآن مجید ہویدا است کہ از درخت
نداءِ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ برآمد اگر از انسانِ کامل
برآید چہ اعجب بود صاحبِ گلشن راز می گوید

مگر جب وہ ہوش میں آتا ہے تو عربی کا ایک لفظ نہیں
جانتا ہے۔ جب ایک پری کی یہ ذات وصفت ہوتی ہے (تو اس سے
اندازہ لگا لیجئے) پری اور آدمی کا مالک آقا پری سے
کیونکر کم ہوسکتا ہے۔

بد مست شیر کو پکڑنے والے نے اگر نر شیر کا خون پی لیا
تو تم کہو گے کہ اس نے نہیں کیا بلکہ یہ جو کچھ کیا اس شراب نے کیا۔
اور اگر وہ نئی اور پرانی باتیں شروع کردیتا ہے تو تم یہ
کہو گے کہ شراب نے یہ تمام باتیں کہی ہیں۔

جب ایک دنی شراب کا اتنا شور اور شر ہے تو کیا
نورِ حق کے لئے اتنی زیرکی اور طاقت نہیں۔
کہ وہ تم کو اپنے آپ سے پورے طور پر خالی کردے اور
تم پست ہوجاؤ اور وہ سخن بلند کرے۔

(دیکھئے) اگرچہ کہ قرآن پاک پیغمبر علیہ السلام کے لبِ مبارک
سے نکل رہا ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ حق نے نہیں کہا تو
وہ کافر ہے۔ اور قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ درخت
سے اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ[۲] کی آواز آئی۔ ایسے ہی اگر وہ انسان کامل
سے نکلے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ صاحب گلشن راز فرماتے ہیں ؎

---

[۱] و آنچہ مولانا جلال الدین در مثنوی می فرماید ؎

نوح گفت ای سرکشاں مَن مَن نیم
من ز جاں مردم بجاناں میزیم
چوں بمردم از حواس بوالبشر
حق مرا شد سمع و ادراک و بصر
چونکہ مَن مَن نیم ایں دم زہو است
پیش ایں دم ہر کہ زد دم کافر و ست

ایما از ہمیں قرب فرائض می نماید

ودر ترجمہ مثنوی گوئیم

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ مثنوی میں یہ فرماتے ہیں:-

نوح بولے قوم کو مَیں مَیں نہیں
میں نہیں جیتا سو رب العالمیں
جب حواس آدمی سے میں مُوا
دیکھتا سنتا سمجھتا سو خدا
جب نہیں مَیں میں ہی یہ دم شاہ کا
مارنا دم اس کے آگے ہے خطا

اسی قرب فرائض کی طرف اشارہ

[۲] بے شک میں تیرا رب ہوں۔ سورۂ طٰہٰ رکوع ۱

ہ روا باشد انا الحق از درختے
چرا نبود روا از نیک بختی
پس ازاں باید دانست کہ مردم در چہار
مقام اند۔ یکی فرق اول کہ در شہود خلق
است محتجب از حق و صاحب ایں مقام

انا الحق کی صدا کا ایک درخت سے نکلنا روا ہے تو ایک
بخت سے انا الحق کی صدا نکلے تو کیونکر روا نہیں ہو سکتی۔
اس کے بعد جاننا چاہئے کہ لوگ چار مقام میں ہیں،
پہلا مقام فرق اول کا ہے جس میں سالک حق تعالیٰ سے
محجوب، خلق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ مقام والا صرف

لہ از ہمیں مقامات ذکریں ابیات اشارہ است ہ
فرق چہ بود عین غیر انگاشتن
جمع غیرش را عدم پنداشتن
صاحب تقلید اہل فرق داں
کو نہ دید از حق دریں عالم نشاں
صاحب جمع است پیشش نیست فرق
جان او در بحر وحدت گشت غرق
جمع جمع است آنکہ حق بیند عیاں
در مرایائے ہمہ فاش و نہاں
صاحب ایں مرتبہ کامل بود
زاں کہ ایں آں ھر دو را شامل بود
و حضرت شیخ محی الدین ابن عربی دریں مقام می فرماید الناس
علی ثلثۃ اقسام قسم یری الخلق ولا یری الحق
قسم یری الحق ولا یری الخلق قسم جامع بین
الخلق والحق وھو صاحب البقا اللھم ارزقنا ھذا
المقام ببرکۃ انبیائک علیھم الصلوۃ والسلام
چنانچہ در مثنوی معنوی می فرماید ہ
آں یکی ماہی ہمیں بیند عیاں

انہیں مقامات کی طرف ان اشعار میں اشارہ ہے۔ (ترجمۂ اشعار)
فرق کیا چیز ہے؟ عین کو غیر خیال کرنا۔ جمع کیا چیز
ہے، اس کے غیر کو عدم سمجھنا۔
اہل فرق کو مقلد جانو کہ اس نے اس عالم میں حق کا
کوئی نشان نہیں دیکھا ہے۔
صاحب جمع کے نزدیک فرق نہیں ہے کیونکہ اس کی جان
یعنی روح دریائے وحدت میں غرق ہو گئی ہے۔
جو شخص تمام ظاہر و باطن کے آئینوں میں حق تعالیٰ کو عیاں
دیکھتا ہے وہ مقام جمع الجمع میں ہے۔
اس مرتبہ والا کامل ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ان
دونوں (یعنی فرق و جمع) کو شامل ہے۔
حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ اس مقام
میں فرماتے ہیں۔ لوگ تین قسم پر ہیں بعض لوگ خلق کو دیکھتے ہیں اور حق
کو نہیں دیکھتے۔ بعض حق کو دیکھتے ہیں اور خلق کو نہیں دیکھتے۔
تیسری قسم کے لوگ خلق اور حق کے درمیان جامع ہیں، اور یہی
اہل بقا ہیں۔ اے اللہ اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی برکت
سے ہمیں یہ مقام عطا فرما۔
و آں یکی تاریک می بیند جہاں

ہمہ خلق بنگرد و حق را بجمیع وجوہ غیر داند۔
دُوم جمع کہ در وی شہود حق ہست بے خلق
و این مرتبۂ فناءِ سالک ہست چہ تا زمانی کہ ہستیٔ
سالک برجا بود شہودِ حق بے خلق نیست
و صاحبِ این مقام وحدت را در کثرت ملاحظہ
می نماید۔ و صاحب فنا از دو حال خالی نیست،
یکیؔ آنکہ بالکل مسلوب العقل شود، و دران سکر

خلق کو دیکھتا ہے اور حق کو ہر حیثیت سے غیر جانتا ہے۔
دوسرا مقام جمع کا ہے جس میں شہود حق بغیر خلق کے ہوتا ہے
یہ سالک کے فنا کا مرتبہ ہے۔ کیونکہ جب تک سالک کی ہستی
بحال رہتی ہے شہود حق بغیر خلق کے نہیں ہوتا۔ اس مقام
والا وحدت کو کثرت میں ملاحظہ کرتا ہے۔ صاحب فنا
دو حال سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ بالکل
مسلوب العقل ہو جاتا ہے اور وہ سکر و بے خودی

بقیہ حاشیہ صفحہ ٨٥ واں دگر سہ ماہ می بیند بہم
شیخ ولی محمد اکبرآبادی در شرح این ابیات مثنوی می نگارد
کہ معنی این ابیات آن ہست کہ خلق بر سہ قسم ہست۔
یکیؔ آں کہ در نظر او موجود و مشہود جز حق نباشد حق را بیند
و بس و این موحد ہست
دُویم آنکہ در چشم او مشہود جز خلق نبود۔ خلق را
بیند و بس و این محجوب ہست۔
در بیت اول بیان ہمیں ہر دو قسم ہست
سیوم آں کہ ہم مشاہدۂ حق کند در مرأتِ خلق،
و ہم مشاہدۂ خلق کند در مرأتِ حق، و ہم
مشاہدۂ ہر دو مرأت یعنی داند کہ ہر یکی مرأتِ دگر
شدہ ہست و این کس محقق است، چنانچہ
در رباعیات حضرت مولوی جامیؒ قدس سرہٗ مسطور ہست

ع اعیان ہمہ آئینہ و حق جلوہ گر ہست
یا نورِ حق آئینہ و اعیان صور ہست
در چشم محقق کہ حدید البصر ہست
ہر یک زدو این آئینۂ آن دگر ہست،

لہ قیصری در فصل اول مقصد ثالث مقدمۂ شرح قصیدۂ
فارضیہ می فرماید۔

ایں سہ کس بنشستہ یک موضع بنعم
حضرت شیخ ولی محمد اکبرآبادی علیہ الرحمہ مذکورہ مثنوی کے
اشعار کی شرح میں لکھتے ہیں، ان اشعار کا مطلب یہ ہے
کہ خلق تین قسم کی ہے۔ ایکؔ وہ جس کی نظر میں وجود و شہود حق
کے سوا نہیں، وہ صرف حق کو دیکھتی ہے اور بس، یہ موحد ہے۔
دوسری قسم وہ ہے جس کی نظر میں خلق کے سوا مشہود نہیں
وہ صرف خلق کو دیکھتی ہے اور بس یہ محجوب جماعت
ہے، پہلے شعر میں انہی دو قسموں کا بیان ہے۔
تیسری قسم وہ جماعت ہے جو آئینۂ خلق میں حق کا مشاہدہ
کرتی ہے اور اس طرح آئینۂ حق میں خلق کا مشاہدہ
کرتی ہے۔ نیز ان دونوں آئینوں میں مشاہدہ کرتی ہے
یعنی جانتی ہے کہ ہر ایک دوسرے کا آئینہ ہے ایسی جماعت
محقق کہلاتی ہے۔ چنانچہ رباعیات حضرت مولوی
جامی قدس سرہٗ میں لکھا ہوا ہے۔ (ترجمۂ رباعی)

تمام اعیان آئینہ ہیں، ان میں حق جلوہ گر ہے۔
یا نورِ حق آئینہ ہے اور اعیان صورتیں ہیں
تیز نظر یعنی صاحب بصیرت محقق کی نظر میں
ان ہر دو آئینوں سے وہ الگ ہے۔

لہ قیصری شرح قصیدۂ فارضیہ کے مقدمہ میں مقصد
ثالث کی فصل اول میں، فرماتے ہیں:۔

وبیخودی ماند و ایں طائفہ را مجذوب مطلق خوانند، قلم تکلیف بر آنہا نیست، معاف و ترخان حق اند، چہ تکلیف بر عقل ہست، و

میں غرق رہتا ہے۔ اس جماعت کو مجذوب مطلق کہتے ہیں۔ یہ جماعت مرفوع القلم ہے اسپر تکلیف عائد نہیں ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کے بری کردہ لوگ ہیں، تکلیف کا دارومدار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) فلا یکون حینئذٍ فی نظره شیٔ غیر الحق فاذا نظر نَظَرَ الحقُّ الی نفسه فی صورتی الناظر والمنظور الیه واذا سَمِعَ شیئًا سَمِعَ الحقُّ کلامَهُ من لسان نفسه الظاهرة فی صورة القائل کما قال رسول الله صلے الله علیه وسلم انّ الله قال بلسان عبده سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ والیه اشار فی نتیجة قرب النوافل بقوله فاذا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ له سمعًا وبصرًا ویدًا ولسانًا فَبِی ینطق وبی یبصر وبی یسمع وبی یبطش الحدیث وقال الله تعالیٰ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللهَ رَمٰی، ووجود العبد بانیّتهٖ وان کان متحققًا فی نفس الامر وفی هذا النصوص اشارةٌ الیه، لکن هذا الناظر لکونه مغلوبًا بنور الحق لا یشاهد اِلَّا الوجود الحقانی فلا یبقیٰ عندهٗ اِلَّا ربٌّ وحدهٗ وحینئذٍ ان انجذب بالانوار الالٰهیّة القاهرة للعقول والاوهام یلحق بالمهیمن فی جمال الله سبحانهٗ دائمًا انْ دام انجذابه وان لم یدم فمدّة من الزمان ان یکون فی حکمهم وتلك المدة یُنقطع عنه التکلیف الشرعیة من الصوم والصلوة وغیرهما۔ وان لم ینجذب یکونُ باقیًا علی عقله ممیزًا بین الاشیاء فهو ان تدارکه اللطف الالٰهیُّ یحفظ عن الوقوع فی الزّندقة والاباحة والظهور بحکم الطبیعة المحضة ولا یخرجه عن التکلیف الشرعیّة مع رویة الکل حقًّا یتمکن فی مقامه ویدخل فی مقام الفرق بعد الجمع فیشاهد الحق والخلق معًا من غیر ان یحتجّب باحدهما عن الاخر لشهوده الوحدة فی عین الکثرة والکثرةَ فی عین الوحدة فان قال

اس وقت اس کی نظر میں حق کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی جب وہ نظر کرتا ہے تو حق اپنے نفس کی طرف ناظر ومنظور کی دونوں صورتوں میں نظر آتا ہے۔ جب کسی چیز کو سنتا ہے تو حق ہی اپنے کلام کو اپنے نفس ظاہر کی زبان سے قائل کی صورت میں سنتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی زبان سے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا ہے۔ اور اسی کی طرف قرب نوافل کے نتیجہ میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فاذا احببته کنت لهٗ سمعًا وبصرًا ویدًا ولسانًا فَبِیْ یَنْطِقُ وَ (وبی یبصر وبی یسمع وبی یبطش (الحدیث)) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللهَ رَمٰی وجود عبد اپنی انیّت کے ساتھ اگرچہ نفس الامر میں ثابت اور متحقق ہے اور ان نصوص میں اسکی طرف اشارہ بھی ہے لیکن یہ ناظر نور حق میں مغلوب ہونے کی وجہ سے صرف وجود حقانی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے نزدیک ایک رب ہی باقی رہتا ہے۔ اس وقت اگر ان انوار الٰہیہ میں کھنچ کر آگیا جو عقول واوہام کو مقہور کر دیتے ہیں، اس گروہ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے جو جمال الٰہی میں ہمیشہ حیران وسرگرداں رہتے ہیں، بشرطیکہ ان کا انجذاب دائمی ہو۔ اگر دائمی نہ ہو تو انجذاب کی مدت اس گروہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس مدت میں تکلیف شرعیہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اگر اس میں انجذاب پیدا نہ ہوا تو وہ اپنی عقل پر باقی رہتا ہے اور اشیاء کے درمیان اس کو تمیز رہتی ہے پس اگر اس پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہوتا ہے تو اس کو زندقہ اور اباحت میں گرنے سے بچالیتا ہے۔ اور طبیعت محضہ کے حکم میں مبتلا ہونے نہیں دیتا۔ اور تکالیف شرعیہ سے نہیں نکالتا۔ وہ اپنے مقام میں رہ کر تمام کو حق دیکھتا ہے۔ جمع کے بعد فرق کے مقام میں داخل ہوتا ہے تو حق اور خلق دونوں کو مشاہدہ کرتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ کسی ایک کی وجہ سے دوسرے سے محجوب ہو جائے، کیونکہ وہ عین کثرت میں وحدت کو اور عین وحدت میں کثرت کو

وایشاں مجانین حق اند انکار واقتداء ایشاں نباید کرد کَلَایُقْتَدیٰ بِھِمْ وَلَا یُنْکَرُ عَلَیْھِمْ وصف آنہا است ۵

عقل پر ہوتا ہے اور یہ لوگ تو حق کے دیوانے ہیں۔ لہذا اُن کا انکار کرنا چاہئے اور نہ ان کی اقتدا کرنی چاہئے کلا یقتدیٰ بھم ولا ینکر علیھم ان کا وصف ہے[۵]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) حقٌ کلہ صَدَقَ وان قال خلقٌ کلہ صَدَقَ وان قال حقٌ وخلقٌ معًا صَدَقَ وتارۃً یجمع بین الکثرۃ فی حکمٍ واخری یفرق بینھم بحکمٍ اٰخر کما قال اللّٰہ تعالیٰ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وقال فی اٰخر وفَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ دَرجات وھٰذ الفرق بعد جمع المسمّٰی بالصحو بعد المحو ایضًا مقام الکمل الْمُکَمِّلِیْنَ من الانبیاء والاولیاء علیھم السلام اجمعین۔

وَصاحب ھٰذ المقام یستوی عندہ الخَلْوَۃُ وَالْجَلْوَۃُ والاِنعزَال عن الخلق والخلطۃ معھم لِعَدَمِ احتجابہ بالحقّ من الخلق ولا بالخلق عَنِ الحقّ فاذا اَمَرَ الخلق بامرٍ یحفظ الادبَ معھم ولا یامر بمقتضیٰ مراتبھم وبما یطلب الحقّ منہ فی تلک المراتب لا یتعدّاہ ویلازم حینئذٍ مقام العبودیۃ ولا یضیف الی نفسہ الا العجزَ والقصورَ والمسکنَۃَ والحاجۃ بخلاف ما کان فی مقام الجمع فانہ فیہ یطلق علیٰ نفسہ الاسماء الالٰھیۃ ویضیف الیھا الصفات الرحمانیۃ والافعال الرّبّانیۃ، ویریٰ کل ما صدر عن غیرہٖ صادرًا من نفسہ خیرًا کانَ او شرًا لغلبۃ الاحدیۃ علیہ۔ ولِاجل تمکنہ فی مقام الفرق بعد الجمع ولزومہ مقام العبودیۃ وحفظ الادب مع الحضرۃ الالٰھیۃ صار الفرق بعد الجمع اعلیٰ من مقام الجمع

مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر اس نے کہا کہ سب کا سب حق ہے تو اس نے سچ کہا اور اگر اس نے کہا تمام خلق ہے تو یہ بھی اس نے سچ کہا۔ اگر اس نے یہ کہا حق اور تحقیق دونوں ہیں تو یہ بھی اس نے سچ کہا۔ وہ کبھی کسی حکم میں کثرت کے درمیان جمع کرتا ہے، اور کبھی دوسرے حکم میں ان کے درمیان فرق کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا نفرق بین احد من رسلہ اور دوسرے حکم میں فرماتا ہے وفضّلنا بعضھم علیٰ بعض (درجات) جمع کے بعد یہ فرق جس کو صحو بعد محو کہتے ہیں کامل و مکمل انبیاء و اولیاء کا مقام ہے۔ آپ تمام پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

اس مقام والے کے نزدیک خلوت، جلوت، خلق سے کنارہ کشی و گوشہ نشینی اور ان کے ساتھ اختلاط وغیرہ سب مساوی ہوتے ہیں کیونکہ نہ وہ حق کی وجہ سے خلق سے محجوب ہوتا ہے اور نہ خلق کی وجہ سے حق سے۔ جب وہ خلق کو کسی بات کا حکم کرتا ہے تو ان کے ساتھ ادب ملحوظ رکھتا ہے اور حکم بھی ان کے مراتب کے مقتضیٰ کے مطابق کرتا ہے اور حق اس سے ان مراتب میں جو مطالبہ کرتا ہے، اس سے وہ سرِ مو تجاوز نہیں کرتا۔ اسوقت وہ مقام عبودیت کو لازم کر لیتا ہے اور عجز و قصور، مسکنت وحاجت کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بخلاف اس حالت کے جو مقام جمع میں تھی، کیونکہ مقام جمع میں وہ اپنے نفس پر اسمائے الٰہیہ کا اطلاق کرتا ہے اور اپنے نفس کی طرف صفات رحمانیہ اور افعال ربانیہ کو منسوب کرتا ہے اور ہر اس چیز کو جو اس کے غیر سے صادر ہوئی ہے چاہے خیر ہو یا شر خود پر غلبۂ احدیت کی وجہ سے ان کا صدور اپنی ذات ہی سے سمجھتا ہے۔ جمع کے بعد مقام فرق میں تمکن کی وجہ سے مقام بندگی کو لازم پکڑنے کی وجہ سے مقام حضرت الٰہیہ کے ساتھ حفظ ادب کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹ پر)

گشتہ اند ایں قوم تُرخان خدا[۱]
کئے بود انکارِ ایشاں خود روا
رو بصدق دل بجو زیشاں نظر
منکر و تابع مشو اے بے خبر
محققانِ صوفیہ ایں طائفہ را کامل
نمی نامند زیراکہ سالک قبل از وصول بمقام
جمع و استغراق اشیاء را من جمیع الوجوہ غیر
می دید و در مقام تعطیل و تفرقہ بود و در
ھنگام استغراق نہ کثرتِ حقیقی می بیند و نہ
اعتباری، پس دریں مرتبۂ استغراق عدم امتیاز
تابع و متبوع و عابد و معبود است، و ساکن
مقام استغراق پردہ درِ شریعت بود۔ دیگر
آنکہ پس از فنا آنہارا ببقاء حق باقی گرداند۔

یہ اللہ تعالیٰ کے بَری کئے ہُوئے لوگ ہیں یعنی غیر مکلف ہیں۔
ان کا انکار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔
صدقِ دل سے ان کے پاس جا اور ان کی نگاہ کرم طلب کر لیکن
اے بے خبر نہ ان کا منکر ہونا اور نہ ان کی اتباع کرنا۔
صوفیائے محققین اس جماعت کو کامل نہیں سمجھتے کیونکہ سالک
جمع اور استغراق کے مقام میں پہنچنے سے پہلے
اشیاء کو تمام حیثیتوں سے غیر دیکھتا ہے اور تعطیل و
تفرقہ کے مقام میں رہتا ہے۔ استغراق کے وقت نہ
کثرت حقیقی کو دیکھتا ہے اور نہ کثرت اعتباری کو دیکھتا
ہے۔ پس اس مرتبۂ استغراق میں تابع اور متبوع اور
عابد و معبود کا امتیاز نہیں رہتا۔ اور مقام
استغراق میں رہنے والا شریعت کا پردہ در ہوتا
ہے۔ دوسرا حال یہ ہے کہ فنا کے بعد ان کو بقائے حق سے باقی کر دیا جاتا ہے

(صفحہ ۸۸ کا بقیہ حاشیہ) قال شیخنا المحقق خاتم الولایۃ المحمدیہ۔ شعر
لا تدعنی الّا بیا عبدًا ؛ فانہ اشرف اسمائی
جعلنا اللہ من المحققین بکمال العبودیۃ و المتأدبین باداب الربوبیۃ۔ انتھیٰ

مقام جمع کے بعد مقام فرق مقام جمع سے اعلیٰ ہوگیا۔ ہمارے شیخ محقق خاتم ولایت محمدیہ نے ارشاد فرمایا (ترجمۂ شعر)
تو مجھے عبد کے علاوہ کسی اور نام سے نہ پکار کیونکہ وہ میرا اشرف ترین نام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان محققین سے جو مرتبہ کمال بندگی پر فائز ہیں اور ان متأدبین سے جو آداب ربوبیت سے آراستہ ہیں بنا دے۔

(۸۸ صفحہ ۸۸) نہ ان کی اقتدا کی جائے گی اور نہ ان کا انکار کیا جائے گا۔ ۲۱ سن لیا اللہ نے اس کو جس نے اس کی تعریف کی ۲۲ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں۔ وہ میرے ہی سے بولتا ہے میرے ہی سے دیکھتا ہے۔ میرے ہی سے سنتا ہے اور میرے ہی سے پکڑتا ہے۔ الحدیث۔ ۲۳ اور نہیں پھینکا آپ نے جب کہ پھینکا آپ نے لیکن اللہ نے پھینکا سورۃ رکوع ۲۴ کسی رسول کے درمیان ہم فرق نہیں کرتے ہیں سورہ بقر رکوع ۴۰۔ ۲۵ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، سورہ بقر رکوع ۳۳

[۱] تُرخان بالضم و خاءِ معجمہ، کسی کہ بادشاہ او را از تکلیف و آداب معاف کردہ باشد و بگناہی مواخذہ نکند، غیاث اللغات

[۱] ت کو پیش اور خاء معجمہ کے ساتھ۔ وہ شخص جس کو بادشاہ آداب و تکلیف سے معاف کر دیا ہے اور جس سے کسی غلطی پر مواخذہ نہیں کرتا ہے (غیاث اللغات)

سِوم فرق ثانی درو ے شہودِ خلق است
قائم بحق وصاحب این مقام کثرت را در وحدت
می نگرد۔
چہارم جمع الجمع کہ درو ے شہود وحدت در
کثرت وشہودِ کثرت در وحدت می باشد
بے انفکاک کذا فی نقد النصوص وتعلیقات
الجامیؒ وجمع الجمع مقامِ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ
وسلم و ورثہٗ وی است، گلشن ؎

ہمہ از وہم تست این صورت غیر
کہ نقطہ[۱] دائرہ است از سرعت سیر
یکے خط است ز اول تا آخر
برو خلق جہان گشتہ مسافر
دریں رہ انبیاء[۲] چوں ساربان اند
دلیل و رہنمائے کاروان اند
وزیشاں سید ما گشتہ سالار
ہموں اول ہموں آخر دریں کار
مقام[۳] دلکشا یش جمع جمع است
جمالِ جاں فزائش شمع جمع است

تیسرا مقام فرق ثانی کا ہے جسمیں شہود خلق قائم بحق ہوتا ہے
اس مقام والا کثرت کو وحدت میں دیکھتا ہے۔

چوتھا مقام جمع الجمع کا ہے جس میں وحدت کا شہود کثرت میں اور کثرت کا شہود وحدت میں بلا انفکاک ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت جامی علیہ الرحمہ کی تصنیف نقد النصوص اور اسکی تعلیقات میں ہے۔ جمع الجمع سرور عالم اور آپکے وارثین کا مقام ہے (ترجمۂ اشعار گلشن راز)

یہ غیر کی صورت تمام کی تمام تمہارے وہم کی وجہ سے ہے
جیسا کہ نقطہ تیزی سے گردش کرے تو دائرہ نظر آتا ہے۔
اول سے آخر تک ایک خط ہے جس پہ دنیا کے
لوگ مسافر ہو کر چلے ہیں۔
اس راستے میں انبیاء علیہم السلام ساربان کی طرح
ہیں۔ وہ کاروان یعنی قافلہ کے رہبر و رہنما ہیں۔
ان انبیاء علیہم السلام میں ہمارے سردار علیہ الصلوٰۃ
والسلام سالار ہیں۔ اس قافلہ میں آپ ہی اول ہیں اور آپ ہی آخر
آپ علیہ السلام کا مقام دلکشا جمع الجمع اور آپ کا جمال
جانفزا شمع محفل ہے۔

---

۱ چنانچہ نقطۂ مشعل بسرعت سیر ہمچو دائرہ در نظر می آید۔
۲ وسائر انبیاء ہمچو اجزا واعضاء سرور انبیا اند علیہم الصلوات والتحیات
۳ مقام بالضم اقامت کردن وجائے اقامت کذا فی المنتخب و صاحب غیاث اللغات از لطائف نقل میکند کہ سالک از مقامی بمقامی دیگر ترقی کند تا از نود ونہ مرتبہ تلوین در گذرد وبصدم مرتبہ تمکین مقام

جیسا کہ مشعل کا نقطہ تیز گھمانے کی وجہ دائرہ کی طرح (گول) نظر آتا ہے
تمام انبیاء سرور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجزا و اعضا کی مانند ہیں
مقام حرکت پیش کے ساتھ اقامت کرنا اور اقامت گاہ اسی طرح منتخب میں ہے۔ صاحب غیاث اللغات لطائف سے نقل کرتے ہیں کہ سالک ایک مقام سے دوسرے مقام میں ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ تلوین کے ننانوے مرتبوں سے
(بقیہ صفحہ ۹۱)

ونیز باید دانست کہ مرتبۂ جمع را گاہی مرتبۂ بقا خوانند۔ چہ انسان درین مرتبہ از خود فانی است وببقائے حق باقی وگاہی مرتبہ فنا گویند ومرتبۂ فرقِ ثانی را بقا چہ انسان در مرتبۂ جمع از خود فانی است ودر مرتبۂ فرقِ ثانی بحق باقی پس در اسناد وعباراتِ رسالہ لفظِ بقا وفنا را بر معنی مراد حمل باید نمود۔

ونیز باید دانست کہ درین دائرۂ وجود قوسِ عروجی را قوسِ ولایت گویند وقوسِ نزولی را قوسِ نبوت، چہ ولایت وقرب ایزدِ متعال ومعرفتِ ذات وصفات واسماء وافعال متعلق بسیر وسفرِ عروجی است وانباءٔ واخبار ودعوت بسوی کردگار، وتکمیل ناقصاں وہدایتِ گمرہاں متعلق بسیر وسفرِ نزولی، انباء از معرفتِ ذات وصفات واسماء وافعال بر وجہ ظاہر عوام را بر وجہ حقیقت خواص را خواہ از نبی بظہور آید خواہ از ولی مخصوص بولایت است، و

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ مرتبۂ جمع کو کبھی مرتبۂ بقا کہتے ہیں، کیونکہ انسان اس مرتبہ میں خود سے فانی ہے اور بقائے حق سے باقی ہے اور کبھی اس کو مرتبۂ فنا کہتے ہیں اور مرتبۂ فرق ثانی کو بقا کیونکہ انسان مرتبۂ جمع میں خود سے فانی اور فرق ثانی کے مرتبہ میں حق سے باقی ہے۔ اس رسالہ کے اسناد وعبارات میں بقا وفنا کے الفاظ کو مرادی معنی پر محمول کرنا چاہئے۔

نیز جاننا چاہئے کہ اس دائرۂ وجود میں قوس عروجی کو قوس ولایت کہتے ہیں اور قوس نزولی کو قوس نبوت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ولایت وقربیت اور ذات وصفات اور اسماء وافعال کی معرفت سیر وسفر عروجی سے متعلق ہے۔ آگاہ وخبردار کرنا خدائے تعالیٰ کی طرف دعوت دینا، ناقصوں کو کامل بنانا اور گمراہوں کو رہنمائی کرنا سیر وسفر نزولی سے متعلق ہے۔ ذات وصفات اور اسماء وافعال کی معرفت سے آگاہ کرنا عوام کے لئے ظاہری طور پر اور خواص کیلئے حقیقی طور پر یہ بات چاہے نبی سے ظہور میں آئے یا ولی سے ولایت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(بقیۂ حاشیہ صفحہ ۹) کنہ ومراد از تمکین زوالِ بشریت است، کہ آنرا مرتبۂ فقر وفنا گویند، انتہٰی واین صد مراتب را شیخ الاسلام عبداللہ انصاری در منازل السائرین بقلم آوردہ است۔

گذر جاتا ہے اور تمکین کے سوویں مرتبہ پر مقام کرتا ہے تمکین سے مراد زوال بشریت ہے جسکو مرتبۂ فقر وفنا کہتے ہیں ان سو مراتب کو شیخ الاسلام عبداللہ انصاری علیہ الرحمہ نے منازل السائرین میں بیان کیا ہے

عہ تلوین صراط مستقیم کے لئے طالب کا طلب وتفتیش کا مقام ہے اور تمکین صراط مستقیم پر استقامت اور ثبات کا مقام ہے۔ تلوین کا نام تلوین اس لئے رکھا گیا ہے کہ ارباب تلوین کے صفات بشریہ صراط مستقیم کی طلب میں متلون اور متبدل ہوتے جاتے ہیں۔ بخلاف ارباب تمکین کے کیونکہ یہ اپنے مقام استقامت پر ثابت رہتے ہیں۔ تلوین ارباب احوال کی صفت ہے اور تمکین اہل حقائق کی صفت ہے۔

وآنرا نبوت تعریفی خوانند۔ واِنباء از جمیع امورِ مذکورہ بالتشریع شرائع وتبلیغ احکام وتادیب باخلاق وتعلیم بحکمت وقیام بسیاست مخصوص برسالت وآں را نبوت تشریعی گویند۔

امانبی درانبا ہمچو آفتاب است کہ بولایت خود روشن بود ومستفاد از دیگری وتابع غیری نباشد وبقدر قوتِ ولایت وزیادتی عروج و نورانیت قوتِ نبوت دارد وبدون تبعیت خلق را بجانبِ حق ہدایت می نماید، وولی ہمچو ماہ است کہ با آفتابِ نبوتِ نبی روشن باشد ومستفاد از نبی وتابع وی بود، وبہ تبعیت ووراثت نبی خلق را بجانب حق دلالت کند۔

وحقیقت نبوت درہریکی از انبیاء بصفتی از صفات کمال ظاہر گشتہ است۔ ودر وجود شریف خاتم الانبیاء محمد عربی علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا۔ بجمیع صفات کمال بازیادت مرتبۂ ختم نبوت درنقطۂ اخیرۂ دائرۂ نبوت جلوہ گر شدہ است وحقیقتِ ولایت نیز درہر فردی از افراد اولیاء بہ تبعیت ووراثت انبیاء بصفتی از صفات کمال ظاہر گشتہ است ودر وجود شریف خاتم الاولیاء محمد مہدی علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بکمال تبعیت و

اس کو نبوتِ تعریفی کہتے ہیں اور تمام امور مذکورہ سے آگاہ کرنا جیسے تشریع شرائع، تبلیغ احکام، تادیب اخلاق، تعلیم حکمت اور قیام سیاست، یہ رسالت سے مخصوص ہے۔ اس کو نبوت تشریعی کہتے ہیں۔

نبی آگاہ کرنے میں آفتاب کی طرح ہے کہ وہ اپنی ولایت سے روشن ہے کسی سے استفادہ کرتا ہے اور نہ کسی غیر کا تابع ہوتا ہے جتنی ولایت کی قوت عروج اور نورانیت کی زیادتی ہوتی ہے اتنی ہی نبوت کی قوت رکھتا ہے اور اتباع کے بغیر لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور ولی چاند کی طرح ہے۔ وہ نبی کے آفتاب نبوت سے روشن ہوتا ہے اور نبی سے استفادہ کرتا ہے اور اس کے تابع ہوتا ہے۔ نبی کی اتباع اور وراثت سے لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے

ہر ایک نبی میں نبوت کی حقیقت صفات کمال میں سے کسی صفت کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے لیکن خاتم الانبیاء محمد عربی (علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا) کے وجود شریف میں تمام صفاتِ کمال (دائرۂ نبوت کے نقطۂ اخیر ہیں) مزید مرتبہ ختم نبوت کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ ولایت کی حقیقت بھی افراد اولیاء میں سے ہر ایک فرد میں انبیاء علیہم السلام کی اتباع اور وراثت سے صفات کمال میں سے کسی ایک صفت میں ظاہر ہوئی ہے۔ خاتم الاولیاء محمد مہدی (آپ کے جد بزرگوار اور آپ پر درود وسلام ہوں) کے وجود شریف

وراثت خاتم الانبیاء بجمیع صفات بازیادت
مرتبہ ختم ولایت در نقطۂ اخیرۂ دائرۂ ولایت
جلوہ گر خواہد شد۔ گلشن ؎

نبوت را ظہور از آدم آمد
کمالش در وجود خاتم آمد

ولایت بود باقی تا سفر کرد[1]
چو نقطہ در جہاں دورے دگر کرد

ظہور کل او آمد بخاتم
بدو گردد تمامی دور عالم

وجود اولیاء او را چو عضو اند
کہ او کل است و اشیاء ہمچو جزو اند

پس ولی تابع است و نبی متبوع و آں
مستفید است و ایں مستفاد و آں ہمچو ماہ
است و ایں ہمچو آفتاب و ولی ولایت دارد اما
نبوت ندارد۔ و نبی ولایت و نبوت ہر دو دارد
اما رسالت ندارد۔ و رسول ولایت و نبوت و
رسالت ہر سہ دارد ولیکن مرتبۂ ختمیت ندارد۔
و خاتم الانبیاء جامع جمیع مراتب بود ؎

نام احمد نام جملہ انبیا است
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ما است

کذا فے مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز۔

میں خاتم الانبیاء علیہ السلام کی کامل اتباع اور وراثت
سے تمام صفات دائرۂ ولایت کے نقطۂ اخیر میں مزید مرتبۂ
ختم ولایت کے ساتھ جلوہ گر ہوگی (ترجمۂ اشعار گلشن راز)

نبوت کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور اس کا
کمال حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے وجود میں ہوا۔

ولایت باقی تھی جو اس نے سفر کیا نقطہ کے مانند
جہاں میں ایک دوسرا دور کیا۔

ولایت کل کا ظہور خاتم الاولیاء پہ ہوا، اور
انہی پہ عالم کا دَور مکمل ہوگا۔

اولیاء کرام کا وجود آپ کے اعضاء کی طرح ہے
کیونکہ آپ کل ہیں اور اشیاء جزء کی طرح ہیں۔

معلوم ہوا کہ ولی تابع اور نبی متبوع ہے۔ وہ
مستفید ہے اور یہ مستفاد ہے۔ وہ چاند کی طرح
ہے اور یہ آفتاب کے مانند ہے۔ ولی ولایت رکھتا ہے
نبوت نہیں رکھتا۔ نبی ولایت اور نبوت دونو رکھتا ہے
لیکن رسالت نہیں رکھتا۔ رسول ولایت، نبوت اور رسالت
تینوں رکھتا ہے لیکن مرتبۂ ختمیت نہیں رکھتا۔ مگر خاتم
الانبیاء تمام مراتب کے جامع ہیں۔ (ترجمۂ شعر)

احمدؐ کا نام تمام انبیاء کا نام ہے۔ اسی طرح جس
طرح کہ سَو کے عدد میں نود کا عدد شامل رہتا ہے۔

اسی طرح مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں ہے۔

---

[1] یعنی بعد ختم دور نبوت دور ولایت باقی ماند و حقیقت ولایت در ہر دو قوس عروجی و نزولی دوری دیگر نمود۔

یعنی دور نبوت کے ختم ہونے کے بعد دور ولایت باقی رہا اور حقیقت ولایت دونوں قوس عروجی و نزولی میں دوسرا دور کیا۔

فائدہ (۸)

ہر یکے از طورِ[1] ولایت، و طورِ نبوت احکام و خواص جداگانہ دارد۔ اربابِ شہود بنورِ ربوبیت[2] و تائید[3] روح القدس دیدہ اند، کہ نہایات عقلاء بدایاتِ اولیاء ست، و نہایات اولیاء بدایات انبیاء۔ چہ حق جل مجدہٗ در آدمی ہر قوتی را از قوای جسمانی و روحانی برائے مدرکات مخصوصہ آفریدہ است مثلاً بصر[4] را برائے ادراکِ مبصرات۔ و سمع را برائے ادراک مسموعات۔ ادراک مبصرات کار سمع نیست، و ادراک مسموعات کارِ بصر نہ۔ ہمچنیں عقل[5] را برائے ادراک اولیات آفریدہ ست، و ادراکِ غوامض نظری از طبیعت اصلی او خارج است۔ چنانچہ خاصیت کتابت بالطبع دست را است، اگر چیزی بپائے نویسند تکلف بود و نیکو نیاید و از طبیعت اصلی او بیروں باشد۔

[1] طور۔ بمعنی حد، بنیاد، طرف یکبار

[2] کما قال اللہ تعالیٰ فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علےٰ نورٍ من ربہ۔

[3] کما قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔

[4] قوتِ جسمانی [5] قوتِ روحانی۔

فائدہ (۸)

طورِ[1] ولایت ہو یا طورِ نبوت ہر ایک کے جداگانہ احکام و خواص ہیں۔ اربابِ شہود نے نورِ ربوبیت اور تائید روح القدس سے یہ دیکھ لیا ہے کہ عقلاء کی نہایات اولیاء کی بدایات ہیں اور اولیاء کی نہایات انبیاء کی بدایات ہیں۔ کیونکہ حق جل مجدہٗ نے آدمی میں قوائے جسمانی و روحانی میں سے ہر ایک قوت کو مخصوص مدرکات کے واسطے پیدا کیا ہے مثلاً بصر (آنکھ) کو مبصرات کے ادراک کے لئے اور سمع (کان) کو مسموعات کے ادراک کے لئے پیدا کیا ہے۔ مبصرات کا ادراک سمع کا کام نہیں اور مسموعات کا ادراک بصر کا کام نہیں ہے۔ اسی طرح عقل کو اولیات کے ادراک کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور غوامض نظری کا ادراک اس کی طبیعت اصلی سے خارج ہے۔ چنانچہ لکھنے کی خاصیت طبعاً ہاتھ سے متعلق ہے۔ اگر کسی چیز کو پاؤں سے لکھیں تو تکلف ہوگا اور اچھا نہ لکھا جائے گا کیونکہ یہ بات اس کی طبیعت اصلی سے باہر یعنی غیر متعلق ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے وہ اپنے رب کے نور میں ہے (سورۂ زمر رکوع ۳)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور ان کی مدد اپنے روح القدس سے کی ہے۔ (سورۂ مجادلہ رکوع ۳)

وہمچنیں ادراکِ احکام و خواص طورِ ولایت
از مدرکاتِ عقل نیست و معرفت آں بر ظہور
نورِ طورِ ولایت موقوف است و آں نورے
است کہ در صحرائے عالمِ ملکوت از وادئ ایمن[1]
بر جان آں کس اشراق کند کہ بمتابعت سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم آئینۂ عقل را از تصاعد و
ظلماتِ ابخرۂ طبیعت پاک کردہ و از غشاوۂ
وہم و خیال بدر آوردہ باشد و اول علاماتِ
ظہورِ آں نور تجرد و انسلاخ او است از
عالمِ زور و غرور کما اشار الیہ صلی اللہ علیہ وسلم،
النور اذا دخل فی القلب انشرح وانفتح
قیل یا رسول اللہ ھل لذلک من علامۃٍ
فقال صلی اللہ علیہ وسلم، نعم التجافی
عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود
والتأھب للموت قبل نزولہ۔

وایں طورِ ولایت طوری است وراء
طورِ عقل در آں جا مدرکاتیست مخصوص کہ عقل
از ادراکِ آں عاجز است و قصور او از ادراک
آں مدرکات چوں قصورِ وہم است از ادراکِ
معقولات و ہمچناں کہ مدرکاتِ طورِ عقلی بر دو
قسم ست بعض اولیات کہ بے ترکیب مقدمات
بادراک می آید و بعض نظریات کہ ادراکِ آں

اسی طرح طورِ ولایت کے احکام و خواص کا ادراک
عقل کے مدرکات سے نہیں ہے۔ اس کی معرفت نورِ
طورِ ولایت کے ظہور پر موقوف ہے۔ یہ وہ نور ہے
جو صحرائے عالمِ ملکوت میں وادی ایمن سے اس
شخص کی روح پر روشنی بکھیرتا ہے جو سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں عقل کے آئینہ کو
طبیعت کے بخارات کی کدورتوں اور تاریکیوں
سے پاک کرتے ہوئے وہم و خیال کے غلاف سے
باہر نکال لیا ہے۔ اس نور کے ظہور کی پہلی علامت
عالمِ زور و غرور یعنی دنیا سے آدمی کی تنہائی اور
کنارہ کشی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے " نور جب دل میں داخل
ہوتا ہے تو اس میں انشراح و کشادگی پیدا ہوتی ہے۔
پوچھا گیا یا رسول اللہ کیا اسکی کوئی علامت بھی ہے تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! دارِ غرور (دنیا) سے دور
رہنا اور دار خلود (آخرت) کی طرف رجوع کرنا نیز موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

یہ طورِ ولایت طورِ عقل کے ورا ایک طور ہے
یہاں مخصوص مدرکات ہیں۔ جن کے ادراک سے عقل عاجز
ہے۔ وہ ان مدرکات کے ادراک سے اس طرح قاصر
ہے جس طرح معقولات کے ادراک سے وہم عاجز
ہوتا ہے جس طرح کے طورِ عقلی کے مدرکات دو قسم
پر ہیں۔ جیسے بعض اولیات ہیں جو ترکیب مقدمات
کے بغیر ادراک میں آتے ہیں اور بعض نظریات ہیں،

[1] نسخہ: از وادی ایسر کہ دل ولیست

وادی ایسر سے نہیں جو اس کا دل ہے

موقوف بر ترکیب مقدمات بود۔
ہمچناں مدرکات طور ولایت نیز بر دو قسم است، نسبت بعضی با طور ولایت ہمچو نسبت اولیات است با طور عقل و نسبت بعضی با طور ولایت ہمچو نسبت غوامض نظری است با طور عقل۔ و نیز در صدر فائدہ گذشت کہ نہایت طور ولایت بدایت طور نبوت است، پس ہر چہ ولی را از انواع علوم مکاشفہ مبذول بود نبی را حاصل باشد ولا ینعکس۔
وظیفۂ صاحب ولایت در اذواق طور نبوت ایمان بغیب است، چوں وظیفۂ صاحب عقل در اذواق طور ولایت، وفوق کل ذی علم علیم[۱] و در ہر طوری ادراک خود را از مدرکات طور فوقانی معزول کردن و ایمان بغیب آوردن الی ان یاتی اللہ بامرہ مفتاح سعادات و مبدأ خیرات و کرامات است کریمۂ فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا[۲] تنبیہ است سالک را کہ تا زمان انفتاح عین بصیرت صبر نماید ۔ شعر

استاد تو عشق است چو آنجا برسی
او خود بزباں حال گوید چوں کن

وحدیث رحم اللہ اخی موسیٰ لو صبر مع

جن کا ادراک ترکیب مقدمات پر موقوف ہوتا ہے۔
اسی طرح طور ولایت کے مدرکات بھی دو قسم پر ہیں۔ بعض کی طور ولایت کے ساتھ ویسی ہی نسبت ہے جیسی کہ طور عقل کے ساتھ اولیات کی نسبت ہے۔ بعض دیگر طور ولایت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتے ہیں جیسا کہ طور عقل کے ساتھ غوامض نظری نسبت رکھتے ہیں نیز اسی فائدہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ طور ولایت کی نہایت طور نبوت کی بدایت (ابتدا) ہے پس ولی کو انواع علوم مکاشفہ سے جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ نبی کو حاصل ہوتا ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہوتا۔
طور نبوت کے ہر ذوق میں صاحب ولایت کا کام غیب پر ایمان لانا ہے جیسا کہ طور ولایت کے ہر ذوق میں صاحب عقل کا کام ہوتا ہے "وفوق کل ذی علم علیم" طور فوقانی کے مدرکات کی وجہ سے ہر ایک طور میں اپنے ادراک کو ترک کر دینا اور غیب پر ایمان لانا "یہاں تک اللہ اپنے حکم کو ظاہر کرے" سعادتوں کی چابی اور مبدأ خیر و کرامات ہے۔ آیت کریمہ ہے (ترجمہ) کسی شئی کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو، یہاں تک کہ میں تم کو اس کا ذکر کر دوں"۔ اس میں سالک کے لئے تنبیہ ہے کہ چشم بصیرت کھلنے تک صبر کرے (ترجمہ شعر)

تمہارا استاد عشق ہے جب تم اس مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے
تو وہ خود زبان حال سے کہیگا کہ ایسا کر۔

اور یہ حدیث "اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم

[۱] ہر جاننے والے پر ایک جاننے والا ہے ۔ سورہ یوسف رکوع ۹
[۲] سورہ کہف رکوع ۹

الْخِضْرِ لَرَأَى كَثِيْرًا مِنَ الْعَجَائِبِ مشیر ہمیں معنی بود۔

اذا ماخدمت الملوك فالبس
من الثوب اعزّ ملبس
وادخل اذا ما دخلت اعمیٰ
واخرج اذا ما خرجت اخرس

بالجملہ احکام وخواص طور ولایت بسیار اند۔ از انجملہ ادراک وجود حق است جل سلطانہ بی ترکیب مقدمات عقلی۔ از انجملہ ادراک سرّ قرب اوست تعالیٰ شانہ با ہر موجودی وتفصیل مراتب قرب در اواخر فائدہ خواہد آمد۔ از انجملہ خروج از مضیق زمان ومنجنیق مکان است ہر کہ از زمان ومکان بیروں نشود طیران او بازل متصوّر نگردد۔ وبدایت عالم لازمان را ازل گویند، دریں نظر ماضی ومستقبل برخیزد وسرّ عِنْدَكَ لَا صَبَاحُ وَلَا مَسَاءُ از نقاب عزت بیروں آید ے

بانگ بر ابلق زمانہ زند
پس بیک تگ ز آسماں بجہد
آسماں را چو زیر پا آورد
تا سر کوئے لامکاں بجہد
چو رسید او بنا کجا آباد

کرے، اگر وہ خضر کے ساتھ صبر کرتے تو بہت سے عجائب دیکھتے۔ اسی معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

(ترجمۂ اشعار) جب تم بادشاہوں کی خدمت کرو تو عمدہ اور نفیس ترین پوشاک پہن لو۔

جب بادشاہ کی بارگاہ میں داخل ہو تو اندھے بن کر اندر جاؤ۔ اور جب نکلو تو گونگے بن کر نکلو۔

حاصل کلام طور ولایت کے احکام وخواص بہت ہیں ان میں سے مقدمات عقلی کی ترکیب کے بغیر وجود حق تعالیٰ کا ادراک ہے اور ہر ایک موجود کے ساتھ حق تعالیٰ کے قرب کے اسرار کا ادراک ہے۔ مراتب قرب کی تفصیل فائدہ کے اخیر میں آئیگی۔ نیز زمان ومکان کی تنگی سے نکل جانا جو شخص زمان ومکان سے باہر نہ ہوگا ازل کی طرف اس کی پرواز متصور نہیں ہو سکتی عالم لازمان کی بدایت کو ازل کہتے ہیں۔ اس کی نظر میں ماضی ومستقبل اٹھ جاتے ہیں اور عِنْدَكَ لَا صَبَاحُ وَلَا مَسَاءُ[1] کا راز بے نقاب ہوتا ہے۔

(ترجمۂ اشعار)

ابلق زمانہ پر آواز کستا ہے تو ایک قدم میں آسمان سے پار ہو جاتا ہے۔
جب آسمان کو قدم کے نیچے لاتا ہے تو لامکان کے سرے تک پہنچ جاتا ہے۔
جب وہ پہنچ گیا تو دنیا کہاں آباد رہی، وہ اپنے

[1] تیرے نزدیک صبح ہے نہ شام

بے خود از خویشتن نہاں بجہد

از انجملہ ادراک طیّ زماں وطیّ مکاں وسرّ قیامت وحشر اجساد وادراکِ حقائق و احوالِ نشأۃ ثانیہ وکمالِ ایمان بطورِ نبوت واعتراف بعجز از ادراکِ غوامضِ معارف و فہمِ سائرِ رموز واشاراتِ انبیاء از خواصِ طورِ ولایت است ۔

از انجملہ ظہورِ سلطان عشق وعزّت و غرابت وحلاوت ومرارت آں در وصال و فراق بود ؎

عقل در کوئے عشق رہ نہ برد
تو ازاں کورِ چشم چشم مدار

وایں مراتب از خواصِ آدمیان است ملائکہ را نصیب نیست چہ خطاب یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ بایشاں ست وآدمی بقوّت جاذبۂ عشق از قیدِ ہستی مخلصی می یابد ۔ وملائکہ کمالِ قوتِ عقلیہ دارند۔ آما بحکم وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ازمقامِ خود تجاوز کردن نمی توانند ودر خبر وارد گردیدہ کہ فرشتگاں نمی دانند کہ اَلْوَدُوْدُ چہ بود ۔

ایں راہ طریقت نہ بپائے عقل ست
خاک قدمِ عشق ورای عقل ست

سے بے خود ہو کر پوشیدگی کی سعی کرتا ہے ۔

ان میں سے طیّ زماں طیّ مکاں کا ادراک، قیامت اور حشر اجساد کا ادراک نشأۃ ثانیہ کے حقائق و احوال کا ادراک، طور نبوت پر ایمان کامل، غوامض معارف کے ادراک سے عجز کا اعتراف، انبیاء علیہم السلام کے جملہ رموز وارشادات کا فہم یہ سب طور ولایت کے خواص ہیں ۔

نیز ان میں سے عشق کے غلبہ کا ظہور اور وصال و فراق میں حلاوت وسختی ہے

(ترجمۂ شعر)

کوچۂ عشق میں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی، تم اس آنکھ کی اندھی سے کوئی امید نہ رکھو۔

یہ مراتب انسانی کے خواص ہیں جو فرشتوں کو نصیب نہیں کیونکہ یُحِبُّھُمْ[1] وَیُحِبُّوْنَہٗ خاص انسانوں سے متعلق ہے۔ آدمی جذبۂ عشق کی قوت سے قید ہستی سے رہائی پاتا ہے۔ فرشتے قوتِ عقلیہ کا کمال رکھتے ہیں لیکن وَمَا مِنَّا[2] اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ کے مطابق اپنے مقام سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرشتے نہیں جانتے کہ اَلْوَدُوْدُ[3] کیا ہے ۔ (ترجمۂ شعر)

طریقت کا یہ راستہ عقل کے پاؤں سے طے نہیں ہوتا، عشق کے پاؤں کی زمین عقل کے ورا ہے ۔

---

[1] وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں ۔ [2] ہم میں سے ہر ایک کیلئے ایک مقام معلوم ہے (سورۃ صٰفٰت ع ۵)
[3] بے انتہا محبت کرنے والا

سرّی کہ فرشتہ چوں ازاں بے خبراست
اے غافل بے عقل چہ جائے عقل است

الغرض تحقق طور ولایت موقوف بر جذبہ است در اختیار کسی نیست جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین ؎

وَجَدُوْا وَمَا طَلَبُوْا وَاَیْنَ ھُمْ
مِنْ مَعْشَرٍ طَلَبُوْا وَمَا وَجَدُوْا

واحکام و خواص طور نبوت نیز بسیار اند ازاں جملہ علم بذات و صفاتِ خدائے کریم است و بسلوک صراط مستقیم، و بتفاصیل احوال معاد و علم باحوالِ انبیاء و اولیاء و الطافی کہ حق تعالیٰ با ایشاں کردہ و علم باحوال کافراں و مشرکاں و غضب و نقمتی کہ از حق بدیشاں رسیدہ و علم محاجۂ کفار و مجادلۂ اہل باطل و کشفِ فضائح ایشاں بہ برہان واضح و ابطال تخائیل و معتقداتِ فاسدۂ ایشاں در اموریکہ بجلال عظمت حق لائق نیستند۔ کقولہم ؎

اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ بَنَاتُ اللّٰہِ وَاَنَّ لَہٗ وَلَدًا وَّشَرِیْکًا وَاِنَّہٗ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ تَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

و از انجملہ نسبت کردن کافران انبیاء علیہم السلام را بسحر و کہانت و جنون و انکار بعث و قیامت و بقاء ارواح و حشر اجساد و رفع ثواب عقاب

یہ وہ راز ہے کہ فرشتہ بھی جب اس سے بے خبر ہے تو اے بے عقل غافل یہاں عقل کا کیا ذکر۔

حاصل کلام طور ولایت کا تحقق جذبہ پر موقوف ہے جو کسی کے اختیار میں نہیں۔ کیونکہ جذبات حق میں سے ایک جذبہ جن و انس کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔ (ترجمۂ شعر) انہوں نے پایا حالانکہ طلب نہیں کیا۔ یہ لوگ اس جماعت سے کیونکر ہو سکتے ہیں جنہوں نے طلب تو کیا مگر نہیں پایا۔

طور نبوت کے احکام و خواص بھی بہت ہیں ان میں سے خدائے کریم کی ذات و صفات کا علم صراط مستقیم پر چلنے کا علم، احوال معاد کی تفصیلات کا علم انبیاء و اولیاء کے احوال کا اور ان الطاف کا علم جو حق تعالیٰ انے ان کے ساتھ کیا ہے، کافروں اور مشرکوں کے احوال کا علم اور اس غضب و انتقام کا علم جو حق کی طرف سے ان پر ہوا، کفار کی کٹ حجتی اور باطل پرستوں کی مخاصمت کا علم اور برہان واضح سے ان کی رسوائیوں اور فضیحتوں کو ظاہر کرنا اور ان امور میں جو جلال عظمتِ حق کے لائق نہیں ہیں ان کے فاسد اعتقادات اور تخیلات کو باطل کرنا۔

مثلاً ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ کے لئے اولاد و شریک ہے اور اللہ تین خداؤں میں سے ایک خدا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان ظالموں کے اقوال سے بالکل برتر و منزہ ہے۔ ان سب کا علم۔ ان میں سے کافروں کا انبیاء علیہم السلام کو سحر و کہانت اور جنوں سے منسوب کرنا، بعث و قیامت، بقائے ارواح اور حشر اجساد کا انکار اور ثواب و عقاب کا نہ ماننا ہے۔

ازانجمله علم بضابطی کلی که نظام عالم ارضی بدان بود و آن را علم حدود و احکام خوانند وحصول این همه علم او را بتعلیم وتائید روح القدس بیواسطهٔ تعلیم وتعلم بشری است۔

ازانجمله قدرت تصرف است در اجسام عالم بامر الله تعالیٰ مانند کشف غمر واحیاء موتی و قلب عصا ثعبانا۔

ازانجمله ادراک مغیبات[1] است که عوام را در خواب مبذول بود و او را در بیداری حاصل شود۔ واین سه خاصیت است که علماء را با دراک ایشان راه است۔ اما خواص دیگر اند که آنها را اصحاب مکاشفه دانند۔ ازجملهٔ آن اسرار احکام وشرائع ونتائج اعمال وکیفیت تشخص افعال و اخلاق است چنانچه صاحب شریعت علیه الصلوٰة و السلام داند که دو رکعت نماز را چه مقدار ثواب باشد ویک روزه چه ثمره دارد ولاحول و لاقوة الا بالله العلی العظیم، کنزٌ من کنوز الجنة چرا بود وهر که صد بار سبحان الله وبحمده گوید چرا گناه او محو شود وشبان روزے چرا پنج نماز باید کرد۔ وچون نماز از کسی فوت شود چه مقدار عقوبت را مستحق گردد۔ ودر جملهٔ سال چرا یک ماه روزه باید داشت، وپس از زوال

انہیں میں سے اس قانون کلی کا علم جس سے عالم ارضی کا نظام چلتا ہے اور اس کو علم حدود واحکام کہتے ہیں، یہ تمام علوم نبی کو رُوح القدس کی تعلیم وتائید سے تعلیم وتعلم بشری کے واسطہ کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔

ان میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عالم اجسام میں تصرف کی قدرت جیسے دریا کو چیر دینا، مُردوں کو زندہ کرنا اور عصا کو اژدھا بنا دینا وغیرہ۔

ان میں سے مغیبات[1] کا ادراک جو عوام کو خواب میں حاصل ہوتا ہے اور نبی کو بیداری میں حاصل ہوتا ہے، اوپر کی تین خاصیتیں وہ ہیں جن کا ادراک علماء کو میسر ہے لیکن دوسرے خواص بھی ہیں جن کو اصحاب کشف جانتے ہیں۔ نیز انہی میں سے احکام وشرائع کے اسرار، اعمال کے نتائج اور افعال واخلاق کی تشخیص کی کیفیت ہے جیسا کہ شارع علیہ الصلوٰة والسلام جانتے ہیں، دو رکعت نماز کا ثواب کس قدر ہوتا ہے اور ایک روزہ کا کیا اجر ہوتا ہے، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ، کیونکر ہوتا ہے۔ کوئی شخص سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے تو کیوں اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں، رات اور دن میں پانچ وقت کی نماز کس لئے پڑھنی چاہیئے۔ جب کسی سے نماز فوت ہو جاتی ہے تو وہ کس قدر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ پورے سال میں کس لئے ایک مہینہ روزہ رکھنا

[1] جمع مغیب کی بمعنی غائب کیا گیا ہوا۔

حول مستحقان نیم دینار از بیست دینار چرا صرف
باید ساخت و مستحقان کیستند و چرا در ہشت
صنف منحصر اند و شب قدر چرا بہ از ہزار ماہ بود
و روزۂ روز عرفہ چرا کفارتِ گناہ دو سالہ باشد
و دریں مقادیرِ مختلفہ و اوقاتِ متمیزہ چہ حکمت ہست
و وجہ مناسبت ایں احوال و اعمال مخصوص باسعادت
آخرت چیست و ہر عملی را از نیک و بد چہ نتیجہ
بود و چگونہ متشخص می شود۔ و از تشخص آں در عالم
ملکوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چنیں خبر می دہد کہ
اِنَّ الْجَنَّةَ قَاعٌ صَفْصَفٌ لَيْسَ فِيْهَا عِمَارَةٌ
فَاَكْثِرُوْا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ فِي الدُّنْيَا قِيْلَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ۔ قَالَ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّسْبِيْحُ وَالتَّهْلِيْلُ
و ہمچنیں خبر دادہ است کہ اَلْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ
فِيْ رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ وَيُرْحَبُ لَهٗ قَبْرُهٗ سَبْعِيْنَ
ذِرَاعًا۔ وَيُضِيْئُ حَتّٰى يَكُوْنَ كَالْقَمَرِ
لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ
فِيْمَا ذَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ۔ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ قالوا اللہ و رسولہ اعلم
قال فی عذاب الکافر فی قبرہ والذی نفسی
بیدہٖ انہ یسلط علیہ تسع و تسعون

چاہیئے۔ ایک سال گذارنے کے بعد مستحقوں کو بیس دینار
میں سے نصف دینار کس لئے صرف کرنا چاہیئے اور مستحقین
کون لوگ ہیں اور کیوں آٹھ اقسام میں منحصر ہیں اور شب
قدر کیوں ہزار مہینوں سے بہتر ہوتی ہے۔ یوم عرفہ کا روزہ
کس لئے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ان مختلف
مقداروں اور معین اوقات میں کیا حکمت ہے، اور ان مخصوص احوال
واعمال کی سعادت اخروی کے ساتھ کیا وجہ مناسبت ہے
اور ہر اچھے و برے عمل کا کیا نتیجہ ہوگا اور کیسی صورت و
شکل میں ہوگا عالم ملکوت میں اس تشکل و تشخص کے بارے میں
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح خبر دیتے ہیں کہ جنت ایک ہموار
میدان ہے اس میں کوئی عمارت و آبادی نہیں، دنیا میں جنت
کے درخت زیادہ لگاؤ۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ جنت کے درخت
لگانے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ
تسبیح[1] و تہلیل[2] ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے
کہ مومن اپنی قبر میں ایک سرسبز و شاداب باغ میں ہوگا۔ اس
کے لئے قبر ستر گز کشادہ کر دی جائیگی، وہ ایسی روشن ہوگی
کہ گویا چودھویں رات کا چاند ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا
کیا تم جانتے ہو کس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے "بیشک[3]
اس کے لئے سخت تنگی کی زندگی ہے"۔ صحابہ کرام نے کہا اللہ
اور اسکے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کافر کے
عذاب کے بارے میں جو اسکو قبر میں ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی

---

[1] تسبیح یعنی سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر کہنا [2] تہلیل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا۔
[3] سورہ طٰہٰ رکوع ۸

تِنّیناً هل تدرون ما التنین ؟
تسع و تسعین حَیَّةً لِکُلِّ حَیَّةٍ
تسع رؤسٍ تنهشونه و تلحسونه و
تنفخون فی جسمه الی یوم یبعثون و ایں
روضہ و قصر و درخت و مار و مور و کژدم و حفرہ
و آتش و ظلمت بعینہا اخلاق و اعمال او
است کہ متشخص می شود اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ
تُرَدُّ اِلَیْکُمْ و احکام آخرت از دنیا
منشی گردد۔ پس دنیا مادر آخرت بود تا عروس
حضرت وَنُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ
نقاب بر نیفدازد۔ و اسرار و تفاصیل احکام
نشأت آخرت مکشوف نہ شود۔
و قرآن عظیم بہریک ازیں نشأت
اشارتی کردہ ست بنشأت برزخی کہ بعد از
نشأت حسّی خواہد بود چنیں اشارت کردہ ست
وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ
و از نشأت آخرت چنیں خبر کردہ ست
فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
بِالسَّاهِرَةِ و از مآل و مرجع سعدا و اشقیا
چنیں خبر کردہ کہ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ
فِی السَّعِیْرِ۔ فقیر نبذی تفصیل ایں چہار نشأۃ

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس پر ننانوے (99) تنین مسلط کر دیے
جائیں گے۔ کیا جانتے ہو تنین کیا ہے۔ ننانوے (99) سانپ ہیں۔
ہر سانپ کے نو (9) سر ہوں گے وہ کافر کو ڈستے رہیں گے اور
چاٹتے رہیں گے اور اس کے جسم میں قیامت تک زہر پھونکتے
رہیں گے، یہ باغ، محل درخت، سانپ چیونٹی، بچھو، گڑھا
اور آگ وظلمت بعینہ اس کے اخلاق واعمال ہیں، جو ان
اشکال میں متشکل ہوں گے۔ یہ صرف تمہارے اعمال
ہی ہیں جو تمہیں لوٹائے جائیں گے۔ آخرت کے احکام
دنیا ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا دنیا آخرت کی ماں
ہے جبتک عروس حضرت وَنُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا
تَعْلَمُوْنَ نقاب اُلٹے۔ نشأت آخرت کے احکام کی
تفصیلات اور بھید نہیں کھلیں گے۔
قرآن عظیم نے اس کی ہر ایک نشأت کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ نشأت حسّی کے بعد نشأت برزخی
جو ہوگا اس کی طرف اسطرح اشارہ کیا گیا ہے اور ان کے
آگے روز محشر تک ایک برزخ ہے۔ اور نشأت
آخرت کے متعلق اسطرح خبر دی ہے، بیشک وہ (صور اسرافیل)
ایک سخت آواز ہے کہ چشم زدن میں لوگ ایک ہموار زمین
میں ہوں گے۔ سعادتمندوں اور بدبختوں کو مقام و
انجام کی یوں خبر دی گئی ہے "ایک فریق جنت میں ہوگا
اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا"۔ فقیر نے ان چاروں

---

[1] کنایہ ہے ذات باری سے [2] وَمِنْ وَّرَائِهِمْ ای امامهم بَرْزَخٌ حاجزٌ یصدهم عن الرجوع اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ و لا رجوع بعده ۱۲ جلالین سورۂ مومن رکوع ۶ [3] سورۂ نازعات رکوع ۱ [4] سورۂ شوریٰ رکوع ۱

در فائدۂ چہلم جواہر الحقائق بقلم آوردہ است۔
و سرّ سوق جنت ہم ازیں عالم است و سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم بسوق جنت اشارہ فرمودہ است
کہ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَسُوْقًا مَا فِیْھَا شِرًی
وَلَا بَیْعٌ اِلَّا الصُّوَرُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
فَاِذَا اشْتَھَی الرَّجُلُ صُوْرَۃً مِنْھَا
دَخَلَ فِیْھَا بالجملہ عجائب طورِ نبوت از حصر
بیرون است، و ایں از غرائب علم مکاشفات
است، ببضاعتِ عقل مزخرف دریں معانی تصرف
نشاید کرد۔ کہ معرفتِ ایں بر نورِ دیگر موقوف است
وراءِ عقل ؎

تو چہ دانی زبانِ مرغاں را
چوں ندیدی شبی سلیماں را

دریں مقام اشراق آفتاب حضرت محمدی علیہ
الصلوٰۃ والسلام باید وگرنہ پیدا است کہ بچراغ
عقل چند ادراک تواں نمود۔ ؎

آفتابی بباید انجم سوز
بچراغی شبت نگردد روز

زہی منقبت و جلالت محمدی کہ خدائے تعالیٰ
بخودی خودش خطاب می کند۔
[1] وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ؎

نشانیوں کی کچھ تفصیل جواہر الحقائق کے چالیسویں فائدے
میں تحریر کی ہے۔ بازارِ جنت کا راز بھی اسی قبیل سے ہے۔
سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بازارِ جنت کی طرف اشارہ
فرمایا ہے۔ "بیشک جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں خرید و
فروخت نہ ہوگی مگر مردوں اور عورتوں کی تصویریں ہونگی
جب آدمی کو ان میں سے کسی تصویر کی خواہش ہوگی تو اس
بازار میں داخل ہوگا"۔ حاصل یہ ہے کہ طورِ نبوت کے عجائبات
حصر و احاطہ سے باہر ہیں۔ یہ علم مکاشفات کے نوادرات ہیں،
ناقص عقل کی پونجی سے ان معانی میں تصرف نہ کرنا چاہئے
کیونکہ اسکی معرفت کا انحصار عقل کے سوا دوسرے نور پر
ہے۔ (ترجمۂ شعر)

جب تم نے ایک رات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں
دیکھا ہے۔ پرندوں کی زبان کیا جان سکوگے۔

اس مقام میں آفتاب حضرت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی تابش اور روشنی چاہئے ورنہ ظاہر ہے کہ چراغ عقل
سے کتنا ادراک کرسکتے ہیں (ترجمۂ شعر)

آفتاب انجم سوز کی ضرورت ہے ورنہ ایک چراغ
سے تمہاری رات دن نہ ہوسکیگی۔

آپ علیہ السلام کی منقبت و جلالت کا کتنا بلند مقام
ہے کہ خدائے تعالیٰ خود بنفس نفیس آپ سے خطاب کرتا ہے۔
"اور اللہ نے تم کو وہ باتیں سکھائیں جنکو تم نہیں جان سکتے
تھے اور اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا فضل ہے (ترجمۂ شعر)

[1] سورۂ نساء رکوع ۱۷

مصطفےٰ اندر جہاں آنگہ کسے گوید زعقل
آفتاب اندر فلک آنگہ کسے جوید سُہا

وطائفہ از کمّل اولیاء اُمت محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام از اذواق طورِ او علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیبی دارند، وایشاں را انبیاء اولیاء خوانند و خلفا و وَرَثہ و اخوان حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی الحقیقہ ایشانند وَ اَشْوَقَا اِلٰی لِقَاءِ اِخْوَانِی مِنْ بَعْدِیْ اشارہ بدیں طائفہ مخصوص ہست وَعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ سَائِرِ الْاُمَمِ ہم ایشاں اند وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ھُمُ الَّذِیْنَ اِذَا صَعِدُوْا اِسْتَفَادُوْا وَ اِذَا نَزَلُوْا اَفَادُوْا۔

وازیں جا دانستنی ہست کہ اولیاء دو قسم اند۔ اولیاء مردود و مکمّل وایشاں ہوشیار اند د۲ اولیاء مستہلک کامل وایشاں مستانند امّا اولیاء مستہلک را چو از مضیق بشریت بیروں برند و در قاموس احدیت غرق کنند و در شہود جلال وجمال صمدیت محو گردانند۔ ایشاں را از خودی خود آگاہی نبود۔ بدیگری چو پردازند و در ایشاں وسعت آں کئے بود کہ دیگراں را باآں جناب آشنا تواند کرد۔ سه

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جہان میں ہوتے ہوئے کوئی شخص عقل کا نام کیا لیگا اور آسمان پر آفتاب روشن رہتے ہوئے اُمّتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کامل اولیاء کرام کا ایک گروہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طور نبوت کے ذوق سے بہرہ ور ہے۔ ان کو انبیاء اولیاء کہتے ہیں، درحقیقت یہی حضرات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء، وارثین اور اخوان ہیں۔ "مجھے اپنے بھائیوں کی ملاقات کا کسقدر شوق ہے جو میرے بعد آنے والے ہیں" اسی مخصوص جماعت کی طرف اشارہ ہے "میری امت کے علماء تمام امتوں کے انبیاء کی طرح ہیں" یہی لوگ ہیں۔ ارشاد باری "اور ان میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ایک جماعت ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف کرتی ہے"۔ یہ وہ لوگ ہیں جب عروج کرتے ہیں تو خود فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب نزول کرتے ہیں تو دوسروں

یہیں سے یہ جاننا چاہئے کہ اولیاء کرام کی دو قسمیں ہیں ایک وہ اولیاء کرام ہیں جو مرتبۂ وصول کو پانے کے بعد دعوتِ خلق اور انکی تکمیل کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ یہ باہوش رہتے ہیں، دوسرے وہ اولیاء کرام ہیں جو مستہلک کُل ہیں اور یہ مست ہوتے ہیں۔ اولیاء مستہلک کو جب بشریت کی تنگی سے نکالا جاتا ہے اور احدیت کے سمندر میں ڈبو دیا جاتا ہے اور جلال وجمال صمدیت کے شہود میں محو کر دیا جاتا ہے تو ان کو اپنی ہستی وخودی کی آگاہی نہیں رہتی وہ دوسروں کی طرف کیا توجہ کرینگے اور ان میں اتنی وسعت وگنجائش

سه سورۃ اعراف رکوع ۲۲

عشق تو بربود زمن مایۂ مائی منی
خود نبود عشق را چارہ زبی خویشتن

وایں طائفہ را از اذواق طور نبوت بہرہ نبود وایشاں را بدعوت مشغول نکنند۔ و اما اولیاء مردود را چوں از ظلمات کونین و تاریکی حدثاں بدر آورند۔ وزمان و مکاں را در حق ایشاں طی کنند وایشاں را از ایشاں بربایند۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ [1] باز تصرف جمال ازل ایشاں را با ایشاں دہد ایں مقام را اثبات بعد المحو خوانند۔ ایں طائفہ را خلعت نیابت پوشانند وبر کرسی خلافت بنشانند وحکم ایشاں در مملکت نافذ کنند۔ [2] وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا مقام ایشاں آں بود کہ یکی میگوید ؎

ما پرتو شمع کبریائیم
ما سایۂ رحمت خدائیم
ما لوح حقائق وجودیم
ما آئینۂ خدا نمائیم

[3] قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي۔ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ

تیرے عشق نے مجھ سے ہستی کا سرمایہ چھین لیا
اور عشق کو خود بے خودی سے چارہ نہیں۔

اس جماعت کو طور نبوت کے ذوق سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے اور ان کو دعوت خلق کی ذمہ داری نہیں دیجاتی لیکن مردود کو کونین کی ظلمات اور حدوث کی تاریکی سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور ان کے حق میں زمان و مکان کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اور ان کو ان کی ہستی اور خودی سے چھین لیا جاتا ہے "بلکہ ہم حق سے باطل پر زد لگاتے ہیں، وہ اس کے سر کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ اسوقت وہ مٹ جاتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے" پھر جمال ازل کا تصرف ان کو انکی ہستی واپس دے دیتا ہے۔ اس مقام کو اثبات بعد المحو کہتے ہیں۔ اس گروہ کو نیابت کا خلعت پہنایا جاتا ہے اور خلافت کی کرسی پہ بٹھایا جاتا ہے۔ اور ان کا حکم مملکت میں نافذ کیا جاتا ہے۔ "ہم نے ان کو امام بنا دیا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں" ان کا مقام وہ ہوتا ہے جو کسی نے کہا (ترجمہ شعر)

ہم شمع کبریا کے پرتو ہیں
ہم رحمت خدا کے سایہ ہیں
ہم حقائق وجود کی لوح ہیں
ہم خدا نما آئینہ ہیں

اے پیغمبر کہدو! یہ میری راہ ہے میں اور میرے متبعین بصیرت پر اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوگی جس نے اللہ کی طرف

[1] سورہ انبیاء رکوع ۲ [2] سورہ سجدہ رکوع ۳ [3] سورہ یوسف رکوع ۱۲ [4] سورہ حٰم سجدہ رکوع ۵

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

۵ عیسٰی منم و معجز من این نفس است

ہر دل کہ شنید این نفسم زندہ شود

بجز نبوت تشریع از دیگر ہمہ اذواق و مکاشفات انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین بانصیب باشند۔ و نبوت تشریع دریست دربستہ بالیشان درمیان نبود مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وچوں از اذواق و مکاشفات انبیا بانصیب اند۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم می فرماید یا ابا بکر لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فَرْقٌ اِلَّا اَنِّيْ بُعِثْتُ يَا عُمَرُ رض لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ كذا فی تبصرۃ المبتدی للشیخ الکبیر صدر الدین القونیوی پس ازاں باید دانست کہ ولی اعم است از نبی و نبی اعم است از رسول جامی در فص عزیریہ نقد النصوص می فرماید "اِعْلَمْ اَنَّ كُلَّ رَسُوْلٍ نَبِيٌّ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ كُلِّيٍّ فَالرِّسَالَةُ خُصُوْصُ مَرْتَبَةٍ فِي النُّبُوَّةِ وَكُلَّ نَبِيٍّ وَلِيٌّ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ كُلِّيٍّ۔ فَالنُّبُوَّةُ خُصُوْصُ مَرْتَبَةٍ فِي الْوِلَايَةِ فَكُلُّ رَسُوْلٍ وَلِيٌّ كَمَا اَنَّهٗ نَبِيٌّ فالرسل صلوات الرحمان علیہم اعلیٰ مرتبۃً من غیرھم

بلایا اور نیک کام کیا اور کہا میں اطاعت گزینوں سے ہوں۔

(ترجمہ شعر) میں مسیحا ہوں میرا معجزہ یہ سانس یعنی یہ کلام ہے جس دل نے میرا یہ کلام سنا وہ زندہ ہوگیا۔

یہ گروہ نبوت تشریع کے سوا انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے دیگر تمام اذواق و مکاشفات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ نبوت تشریع ایک ایسا دروازہ ہے جو ان پر بند کر دیا گیا ہے۔ اسمیں یہ داخل نہیں ہوسکتے۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں"۔ چونکہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے اذواق و مکاشفات سے بہرہ مند ہیں لہٰذا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اے ابوبکر رض مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے، کہ مجھے پیغمبر مبعوث کیا گیا، اے عمر رض اگر مجھے پیغمبر بنا کر مبعوث نہ کیا جاتا تو تمہیں مبعوث کیا جاتا۔ اسی طرح شیخ کبیر صدر الدین قونیوی کے "تبصرۃ المبتدی" میں ہے۔ اس کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ ولی نبی سے اعم ہے اور نبی رسول سے اعم ہے۔ حضرت جامی "نقد النصوص" کے فص عزیریہ میں فرماتے ہیں۔ "ہر رسول نبی ہوتا ہے اسکا عکس کلی نہیں (بلکہ عکس جزئی ہوتا ہے کیونکہ بعض نبی رسول ہیں) رسالت نبوت میں ایک مخصوص مرتبہ ہے اور ہر نبی ولی ہوتا ہے اس کا عکس بھی نہیں، (بلکہ عکس جزئی ہے کیونکہ بعض ولی نبی نہیں) نبوت ولایت میں ایک مخصوص مرتبہ ہے۔ لہٰذا ہر رسول ولی ہوگا جیسا کہ وہ نبی ہے پس رسول ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں اعلیٰ مرتبے

۵ سورہ احزاب رکوع ۵

لجمعهم بين المراتب الثلث الولاية و
النبوة ، والرسالت ـ ثم الانبياء لجمعهم
بين المرتبتين لكن مرتبة ولايتهم اعلى
من نبوتهم ونبوتهم اعلى من رسالتهم
لان ولايتهم جهة حقيتهم لفنائهم
فيه ونبوتهم جهة ملكيتهم اذ بهـا
يحصل لمناسبة لعالم الملكية فيأخذون
الوحى منهم ورسالتهم جهة بشريتهم
لمناسبته للعالم الانسانى واليه اشار الشيخ
رضى الله عنه ، بقوله ؎

مقام النبوة فى برزخ
دوين الولى وفوق الرسول

اى النبوة دون الولاية التى لهم وفوق
الرسالة ، انتهى ونيز[1] بايد دانست كه مراد از

والے ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان تینوں مراتب ولایت، نبوت
اور رسالت کے جامع ہیں ان کے بعد انبیاء کا درجہ ہے کیونکہ
یہ دو مرتبوں کے جامع ہیں لیکن ان کی ولایت کا مرتبہ ان کی
نبوت سے اعلیٰ اور ان کی نبوت ان کی رسالت سے اعلیٰ ہے۔
کیونکہ ان کی ولایت ان کی حقیقت کی جہت سے ہے اس وجہ سے
کہ وہ حق میں فانی ہوتے ہیں اور ان کی نبوت ان کی ملکیت
کی جہت سے ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کو عالم ملکیت کے ساتھ
مناسبت ہوتی ہے اور وہ ان فرشتوں سے وحی حاصل کرتے ہیں
اور ان کی رسالت ان کی بشریت کی جہت سے ہے کیونکہ وہ عالم
انسانی سے مناسبت رکھتے ہیں، اسی کی طرف شیخ رضی اللہ عنہ نے[۱]

(ترجمہ شعر) نبوت کا مقام ایسے برزخ میں ہے جو ولی سے
کچھ کم اور رسول کے اوپر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبوت ان کی ولایت سے کم ہے اور
رسالت کے اوپر ہے، اور یہ نیز جاننا چاہئے کہ نبوت تشریعی کے

[۱] اس قول میں اشارہ کیا ہے

---

[1] قال رض فى الفتح المكى النبوة التى انقطعت بوجود رسول الله صلى الله عليه وسلم انما هى نبوة التشريع لا مقامها فلا شرع يكون ناسخا بشرعه صلى الله عليه وسلم ولا يزيد فى حكمه شرعا آخر وهذا معنى قوله صلى الله عليه وسلم " ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى و لا نبى اى لا نبى بعدى يكون على شرع يخالف شرعى بل اذا كان يكون تحت حكم شريعتى ـ ولا رسول اى لا رسول بعدى اى احد من خلق الله بشرع يدعوهم اليه فهذا ه والذى انقطع وسد بابه لا مقام النبوة فانه لا خلاف ان

شیخ رض "فتح مکی" میں کہتے ہیں جو "نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوگئی وہ نبوت تشریعی ہے، مقام نبوت نہیں۔ پس نہ کوئی شریعت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ ہوسکتی ہے اور نہ اس شریعت کے حکم کسی اور شریعت کو زیادہ کرسکتی ہے۔ یہی معنی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی ہے"۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں جو شریعت رکھتا ہو اور اس کی شریعت میری شریعت کی مخالف ہو۔ بلکہ ہو تو ایسا ہو کہ میری شریعت کے حکم کے تحت ہو۔ میرے بعد کوئی رسول نہیں کا یہ مطلب ہے کہ میرے بعد خلق اللہ میں سے کوئی صاحب شریعت نہیں جسکی طرف وہ خلق اللہ کو دعوت دے۔ اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

انقطاع نبوتِ تشریعی انقطاع تشریعی غیراجتهادی است چه تشریعی اجتهادی تا دوام نشأهٔ دنیوی مستمر و جاری است، جامیؒ در فصِ عزیری می نگارد لَمّا ذکر رضی اللّٰه عنه اَنّ النّبوة التشریعیّة قد انقطعت بعد نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم اراد اَنْ یُنَبّهَ ان المنقطعة مایکون بغیر اجتهاد ومایکون بالاجتهاد یدوم بدوام هذهِ النشأةَ وان انقطعت فی النشأة الاخرویّة فَقَالَ اِلَّآ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَطِیْفٌ بِعِبَادِهٖ فَاَبْقٰی لَهُمُ النّبُوَّةَ الْعَامَّةَ التی هی الابناء عن المعارف والاحکام الالٰهیة ولا تشریع فیها من غیر اجتهادٍ وَاَبْقٰی لهم ای لعبادهٖ التشریع الواقع فی ضِمنِ الْاِجْتِهَادِ فی ثبُوْتِ الْاَحْکَامِ وَاَبْقٰی لَهُمْ الوراثة فی التشریع فقال علی لسان نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم العلماء ورثة الانبیاء وما ثمّ میراث

انقطاع سے مراد غیراجتہادی تشریع کا انقطاع ہے،

کیونکہ جبتک نشأت دنیوی باقی رہے گی اجتہادی تشریع مستمر اور جاری رہیگی۔ حضرت جامیؒ فصِ عزیری میں لکھتے ہیں "شیخ رضی اللہ عنہ، نے جب یہ ذکر کیا کہ نبوت تشریعی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی تو یہ بتا دینا چاہا کہ منقطع ہونے والی وہ تشریع ہے جو غیر اجتہادی ہوتی ہے۔ لیکن وہ تشریع جو اجتہادی ہوتی ہے وہ اس نشأت دنیا کے باقی رہنے تک رہیگی۔ اگرچیکہ یہ اخروی نشأت میں منقطع ہو جائیگی۔ چنانچہ شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس نے ان کے لئے اس نبوت عامہ کو باقی رکھا جو معارف اور احکام الٰہیہ کی خبر دی ہے' اور اس نبوت میں غیر اجتہادی تشریع نہیں بلکہ وہ تشریع باقی رکھی جو ثبوت احکام میں اجتہاد کے ضمن میں واقع ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے تشریع میں وراثت کو باقی اور جاری رکھ کر اپنے نبی علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ علماء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷) عیسیٰ علیہ السلام نبی ورسول و انه لاخلاف انه ینزل فی آخر الزمان حَکَمًا مقسطًا عدلًا بشرعنا لا بشرع آخر ولا بشرعه الذی تعبد الله به بنی اسرائیل من حیث ما نزل هو به بل ما ظهر من ذلك هو ما قرره شرع محمد صلی الله علیه وسلم ونبوة عیسیٰ علیه السلام ثابتة محققة فهذا نبی ورسول قد ظهر بعده صلی الله علیه وسلم وهو صادق

سلسلہ منقطع اور اس کا دروازہ بند ہوگیا لیکن مقام نبوت نہیں وہ ابھی باقی ہے کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول ہیں اور اسمیں بھی اختلاف نہیں کہ آخری زمانہ میں وہ آسمان سے اترینگے اور ہماری شریعت کے عادل و منصف حکم ہونگے اور اسی پر فیصلہ کرینگے۔ یہ فیصلہ کسی اور شریعت پر نہیں ہوگا اور نہ خود اپنی اس شریعت پر جسکو وہ بنی اسرائیل کے پاس لیکر آئے تھے۔ بلکہ ان سے جو کچھ ظہور میں آئیگا وہ شرع

فی ذالك التشريع الا فيما اجتهدوا
فيه من الاحكام فشرعوه، اي في
احكام اجتهدوا فيها واستنبطوها من
ماخذها من الكتاب والسنة فشرعوها
بطريق الاجتهاد فاذا رأيت النبي
يتكلم بكلام خارج عن التشريع
كقوله عليه السلام لو دليتم بحبل
لهبط على الله وكحديث قرب النوافل و
وقرب الفرائض وغير ذالك مما يتعلق
بكشف الحقائق الالهية والاسرار الربانية

انبیاء کے وارث ہیں" یہاں میراث تشریع میں نہیں ہے
مگر اسمیں جو اجتہاد کئے اسمیں احکام سے اور اسکو مشروع کیا
یعنی ان احکام میں جس میں انہوں نے کتاب اور سنت سے اجتہاد
کیا اور ان کو بطریق اجتہاد مشروع کیا۔ جب تم نبی کو تشریع
سے خارج کلام کہتے ہوئے دیکھو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا" اگر تم کسی رسی کو لٹکا کر نیچے اتارتے چلو تو
وہ اللہ پر گریگی" اور جیسا کہ قرب نوافل قرب فرائض
وغیرہ کی حدیثیں جن کا حقائق الہیہ، اور
اسرار ربانیہ کے کشف کے ساتھ تعلق
ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸)

في قوله انه لانبي بعده فعلمنا قطعاً انه
يريد التشريع خاصة كذا نقل الجامي في تعليقاته
على نقد النصوص۔

محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرار داد پر ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام
کی نبوت ثابت اور محقق ہے۔ اور یہ نبی اور رسول ہیں
جو آنحضور صلعم کے بعد ظہور پذیر ہوئے تاہم آنحضور اپنے قول
میں صادق ہیں" کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اس سے ہم کو
قطعی طور پر معلوم ہوا کہ آپ خاص کر تشریع مراد لیتے ہیں
جامی علیہ الرحمہ نے نقد النصوص پر اپنی تعلیقات میں اسی طرح

۱؎ یعنی پس ہرگاہ کہ بہ بینی نبی و رسول را کہ ناطق میشود
بکلامی کہ خارج است از تشریع و ناملائم شیوۂ نبوت چہ
نبی مامور است باظہار چیزیکہ آں را عوام پسندند و بسوی
خواص نگاہی نکنند مگر بگوشہ چشم در اظہار اسماء پس نطق
نبی بدان کلام نظر بولایت است کہ باطن او باشد چہ از
عارف و ولی اظہار اسرار ربانی کہ عوام آنرا نفہمند سر میزند
پس قول رسول ما علیہ السلام کہ حق تعالے سمیع بندہ است

یعنی جب تم نبی اور رسول کو یہ دیکھو کہ وہ تشریع سے خارج
اور شیوۂ نبوت و رسالت کی رو سے نا ملائم بات کہہ رہے
ہیں کیونکہ نبی ایسی باتوں کے اظہار پر مامور ہیں جن کو
عوام قبول کرتے ہیں۔ خواص کیطرف ان کی نگاہ نہیں ہوتی
مگر اظہار اسرار میں گوشۂ چشم سے کام لیتے ہیں۔ نبی کا ایسا
کلام کہنا ولایت پر نظر کرتے ہوئے ہے جو ان کا باطن ہے کیونکہ
عارف و ولی سے اسرار ربانی کا اظہار ہوتا ہے جنکو عوام سمجھ
نہیں سکتے۔ پس ہمارے رسول علیہ السلام کا یہ کہنا کہ حق تعالے

فَمِنْ حَيْثُ هُوَ وَلِيٌّ وَّعَارِفٌ اى فذالك النبى
من حيث هو ولى وعارف بالله معرفةَ ذَوْقٍ
وَّشُهُوْدٍ يتكلم به لا من حيث هو نبى و
رسول - فالولاية جهةٌ حقانيةٌ والنبوة
جهةٌ خلقيةٌ" انتهى

ونیز باید دانست کہ از بعضی اولیاء اللہ سے
"الولاية افضل من النبوة" منقول است
مراد ازاں آن است کہ جہت ولایت نبی از جہت
نبوت او فاضل تر است، نہ آنکہ ولایت ولی تابع
فاضل تر است از نبوت نبیِّ متبوع قال الشیخ
فی الفص العُزَیرِی، اذا سمعت احدًا من
اهل الله او يُنقَلُ اليك عنه انه قال الولاية
اعلى من النبوة فليس يريد ذالك القائل
الا ماذكرناه وهو ان ولاية النبى اعلى

تو وہ ولی اور عارف ہونے کی حیثیت سے، یعنی اس حیثیت سے
کہ وہ ولی ہیں اور ذوق وشہود سے اللہ تعالٰی
کا عرفان رکھتے ہیں تشریع سے خارج کلام کہتے ہیں۔
اس حیثیت سے نہیں کہتے کہ وہ نبی اور رسول ہیں۔
پس ولایت حق کی جہت سے اور نبوت خلق کی جہت ہے۔

نیز یہ جاننا چاہیئے کہ بعض اولیاء اللہ سے الولایۃ
افضل من النبوۃ منقول ہے اس سے مراد یہ کہ نبی
کی جہت ولایت اس کی جہتِ نبوت سے افضل ہے۔
یہ مراد نہیں کہ ولی تابع کی ولایت نبی متبوع کی نبوت سے
برتر ہے۔ شیخ فص عزیری میں کہتے ہیں :-
جب تم کسی اہل اللہ سے سنو یا اس سے تم تک
بات پہنچی کہ وہ کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے برتر ہے تو
اس سے قائل کی وہی مراد ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔
یعنی نبی کی ولایت اس کی نبوت سے اعلٰی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) وبصر وغیر آں نظر بباطن او است
کہ ولایت ومعرفت بحق باشد وہمچنیں قول او کہ اگر بندہ منزلت
خود بداند بانگ برزند وبگوید رَبِّ اُمَّتِیْ وہمچنیں الله يستهزئ
بهم ومكر الله واقرضوا الله قرضًا ومرضتُ فلم تعد نى
وضحك الله بما فعلتما البارحة وغیر آں۔

شرح فصوص شیخ محب اللہ الٰہ آبادی

سمع عبد اور بصر عبد ہے وغیرہ اپنے باطن پر نظر کی رو سے
ہے۔ جو ولایت اور حق کی معرفت ہے۔ اسی طرح آپ
کا یہ قول کہ اگر بندہ اپنی مرتبہ پہچان لے گا تو چلا اٹھے گا
ربِ اُمتی اور اسی طرح الله يستهزئ بهم
ومكر الله واقرضوا الله قرضًا حسنا ومرضت
فلم تعد نى وضحك الله مما فعلتما البارحة وغيره
(شرح فصوص شیخ محب اللہ الٰہ آبادی)

لـه من اَنّ مقامه من حيث ولايته اعلى من مقامه
من حيث نبوته لا انّ الولى التابع اعلى من النبى فان
النبى جامعٌ لجهتى النبوة والولاية والولاية فيه

کہ نبی کا مقام اس کی ولایت کی حیثیت سے ارفع و اعلٰی
ہے بہ نسبت اس کے اس مقام ہے جو اس کو نبوت کی
حیثیت سے حاصل ہے لیکن یہ نہیں کہ ولی تابع، نبی سے
اعلٰی ہے کیونکہ نبی نبوت و ولایت کی دونوں جہتوں کو

من نبوته او یقول انّ الولی فوق النّبی و الرسول، فانهٗ یعنی بذالک فی شخص واحد وھوان الرسول من حیث انه ولی اتم منه من حیث ھونبی ورسول لا انّ الولیّ التّابِعَ لهٗ اعلیٰ منه فان التابع لا یدرک المتبوع ابدًا فیما ھوتابع له فیه اذلوادرکه لم یکن تابعًا له فافھم (انتھیٰ)

ونیز باید دانست کہ قرب پنج مرتبہ دارد :-

یکیؔ قرب زمانی چنانچہ زمانِ سرورانبیاء قریب بزمانِ عیسیٰ ہست از زمانِ موسیٰ علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات ۔

دُوئیم قرب مکان چنانچہ قمر بما قریب تر از مشتری است چہ قمر در سماء اولیٰ ہست و مشتری در سماء سادسہ۔

سِیُّوم قرب عقلی چنانچہ بایزید بسطامی وابوالحسن

ہے یا اس نے یہ کہا کہ ولی نبی اور رسول سے فوقیت رکھتا ہے۔ اس قول سے شخص واحد میں اس کی مراد ہے یعنی رسول بحیثیت ولایت کے نبوت اور رسالت کی حیثیت سے اکمل اور افضل ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول کا تابع ولی رسول سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ تابع کبھی متبوع کے مرتبہ کو پہنچ نہیں سکتا۔ جبتک کہ وہ اس کا تابع رہتا ہے کیونکہ اگر وہ اس کے مرتبہ کو پہنچ گیا تو اس کا تابع کہاں رہا۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

نیز جاننا چاہئے کہ قرب کے پانچ مرتبے ہیں۔

پہلا قرب زمانی جیسا کہ سرورانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے قریب ہے۔

دُوسرا قرب مکانی جیسا کہ چاند ہمارے لئے مشتری سے زیادہ قریب ہے کیونکہ چاند پہلے آسمان میں اور مشتری چھٹے آسمان میں ہے۔

تیسرا قرب عقلی جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی اور حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) اتم واکمل والولیّ فانهٗ لجھة النبوۃ والولایة فیه دون ولایة النّبی فکیف یکون اعلیٰ من النّبی ۱۲ (شرح فصوص جامیؒ)

جامع ہے، اور ولایت اس میں اتم و اکمل ہوتی ہے۔ ولی جہت نبوت نہیں رکھتا اور اس میں ولایت، نبی کی ولایت سے کمتر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ نبی سے کیونکر اعلیٰ ہو سکتا ہے۔ شرح فصوص جامی رح

لہ من ھذه الحیثیة ای حیثیة الولایة فان مرتبة المتبوع الاخذ من غیر تبعیةِ نبیٍّ ولا رسول ۱۲

(شرح فصوص جامیؒ)

اس حیثیت سے یعنی ولایت کی حیثیت سے کیونکہ متبوع کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ کسی نبی اور کسی رسول کی تبعیت کے بغیر اخذ کرتا ہے۔

(شرح فصوص جامی علیہ الرحمہ)

خرقانی رض بسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک تر
بودند از عتبہ وشیبہ دریں جا قرب وبعد بہ
اوصاف ملکوتی وشیطانی است نہ زمانی و
مکانی چہ عتبہ وشیبہ بزمان ومکان نزدیک تر
بودند وعقل زیادہ ازیں سہ مرتبہ ادراک ندارد۔
چہارم قرب آفریدگار تعالیٰ وتقدس ہر موجودی
کہ آں را قرب من حیث الوجود والاحاطہ گویند
مثالِ قرب روح باجسد مثال قرب خدائے
تعالیٰ باکل کائنات ہست وھو من ضرب
المثال وللہ المثل الاعلیٰ۔ چہ روح
نہ درون قالب ہست ونہ بیرون قالب و نہ
متصل بہ قالب ہست ونہ منفصل۔ بلکہ روح از
عالم دیگر ہست از دخول وخروج واتصال وانفصال
وغیرہا از لوازم اجسام ہیچ نسبت ندارد۔ وبا ایں
ہمہ ذرہ از ذرات قالب نیست کہ روح بہ حقیقت
بذات باو نیست معیتِ حق سبحانہ، باعالم ہمبریں
مثال ہست من عرف نفسہ فقد عرف ربہ
اشارت بدیں سر بود وسرِ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا
كُنْتُمْ[1] جز عارف صاحب بصیرت نداند۔
چوں ایں قرب بر دلِ عارف ہویدا گردد، در

ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہما، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ عتبہ وشیبہ کی نسبت نزدیک تر تھے۔ یہاں
قرب وبعد ملکوتی وشیطانی اوصاف کی بنا پر ہے، زمانی
ومکانی نہیں۔ کیونکہ عتبہ وشیبہ زمان ومکان کے اعتبار
سے نزدیک تر تھے۔ عقل ان تینوں مرتبوں سے زیادہ ادراک نہیں کر سکتی۔
چوتھا اللہ تعالیٰ کا قرب ہر ایک موجود کے ساتھ اس
کو قرب وجودی ومحیطی کہتے ہیں جیسا کہ روح کا قرب جسم کے ساتھ
ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ کا قرب تمام کائنات
کے ساتھ ہے۔
کیونکہ روح نہ قالب کے اندر ہے نہ قالب کے باہر
اور نہ قالب سے متصل ہے اور نہ منفصل ہے۔ بلکہ
روح اور ہی عالم سے ہے۔ دخول وخروج اور اتصال
وانفصال وغیرہ لوازم اجسام سے ہیں۔ ان سے وہ
کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ ان تمام کے باوجود ذرات
قالب میں کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح
ذات کی حقیقت کے لحاظ سے نہ ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی معیت
بھی اسی طرح ہے، مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اسی سر
کی طرف اشارہ ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ[1] کا بھید صاحب
بصیرت عارف کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب یہ قرب
عارف کے دل پہ ظاہر ہوتا ہے تو اس کی نظر میں

۱؎ تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے
سورہ حدید رکوع ۱

نظر او قرب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل
علیہ السلام و عرش و سدرہ و مومن و کافر و مور چہ
و پشّہ بقیوم وجود ہمہ یکساں گردد مَا تَرٰی
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ مشیر بدان
است وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا
تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ
مخبر ازاں است کذا فی التبصرۃ للشیخ الکبیر
القونیوی و اخبار الاخیار للشیخ الدہلوی۔ مثنوی

چوں خرد با تست مشرف بر تنت
گرچہ زو قاصر بود ایں دیدنت
نیست قاصر دیدن او اے فلاں
از سکون و جنبشت در امتحاں
از خرد غافل شود بر بد تنند
بعد ازاں عقلش ملامت میکند
گر نبودے حاضر و غائب بدے
از ملامت کئے ترا سیلے زدے
چوں بہ بینی قرب حق اندر شہود
زاں بدانی قرب خورشید وجود
قرب بے چوں است عقلت را بہ تو
نیست چپ و راست پس با پیش او
قرب بے چوں چوں نباشد شاہ را
کہ نشاید بحث عقل آں راہ را

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، جبرئیل علیہ السلام، عرش،
سدرہ، مومن، کافر، چھوٹی سی چیونٹی اور مچھر کا قرب
قیوم وجود کے ساتھ یکساں و برابر ہوتا ہے۔ آیت مَا تَرٰی
فی خلق الرحمان من تفاوتٍ اسی معنی کی طرف اشارہ
کر رہی ہے وللہ المشرق والمغرب فاینما تولّوا
فثمّ وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم یہ آیتیں اسکی
خبر دے رہی ہیں۔ اسی طرح شیخ کبیر قونیوی کے تبصرہ
میں اور شیخ دہلوی کی اخبار الاخیار میں ہے۔ (ترجمہ اشعار مثنوی)

جب عقل تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے بدن کو دیکھ
رہی ہے اگرچہ کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں اسکے دیکھنے سے عاجز ہیں،
اے فلاں، عقل تمہاری تمام حرکات و سکنات جو امتحان
و تجربہ کے وقت ہوتی ہیں ان کو دیکھنے سے عاجز نہیں ہے اچھی طرح دیکھ رہی ہے
اگر کوئی آدمی عقل سے غافل ہو کر برائی اختیار کرتا ہے
تو عقل اس پر لعنت ملامت کرتی ہے۔
اگر عقل ہمیشہ تمہارے ساتھ نہ ہوتی، تم سے غائب و غافل
رہتی تو پھر کیسے تمہیں ملامت کرتے ہوئے تھپڑ رسید کرتی۔
جب تم کائنات میں حق تعالیٰ کے قرب کو دیکھو گے تو
اس سے تم خورشید وجود کے قرب کو جان سکو گے۔
تمہارے ساتھ تمہاری عقل کا قرب بلا کیف ہے اسکا
قرب اور اتصال تمہارے ساتھ نہ دائیں ہے نہ بائیں نہ آگے ہے نہ پیچھے
جب تم اتنا جان لئے تو یہ معلوم کر لو کہ خالق عقل سلطان
حقیقی کا قرب انسان یا کسی بھی چیز کے ساتھ کسطرح کا ہوگا اسکو عقل سمجھ نہیں سکتی

(۱) تم اللہ تعالیٰ کی صنعت میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے (سورہ ملک رکوع ۱) (۲) اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہیں جسطرف بھی تم منہ پھیرو وہی اللہ کا رخ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۱۴

دریں قرب چہارم امام ربانیؒ در مکتوب اوّل، جلد ثالث حرف بامزہ می زند کہ ہر شئ بماہیت خود آں شئ شئ است و از برائے ثبوت ماہیت مر آں شئ را ہیچ جعل جاعل در کار نیست کہ ثبوت شئ مر نفس خود را ضروری ست ازیں جا گفتہ اند کہ جعل در نفس ماہیات ثابت نیست و ماہیات مجعول نیستند جعل جاعل از برائے اتصاف ماہیات بوجود در کار ست فعل صباغ در اتصاف ثوب ست بہ لون نہ آنکہ ثوب را ثوب سازد و لون را لون گرداند کہ آں محال ست تحصیل حاصل ست۔ پس جعل در نفس شئ نشد بلکہ در اتصاف شئ بوجود شد۔ پس ثابت شد کہ شئ بماہیت خود شئ ست۔ و ایں معنی در نظر کشفی در ظل شئ و عکس شئ مفقود است کہ عکس و ظل شئ بماہیت ظلی و عکسی خود ظل و عکس نیست بلکہ بماہیت اصل خود ظل و عکس گشتہ ست۔ چہ ظل ماہیت ندارد۔ ہماں ماہیت اصل ست کہ بظل خود را ظہور نمودہ ست پس اصل اقرب باشد ظل را از نفس خود چہ ظل باصل خود ظل ست نہ بنفس خود۔ چوں عالم ظلال و عکوس افعال واجبی ست۔ ناچار افعال کہ اصول اویند از عالم بعالم اقرب باشند و ہمچنیں چوں افعال ظلال صفات واجبی

اس قرب چہارم کی بابت امام ربانی علیہ الرحمہ جلد ثالث کے مکتوب اوّل میں بڑے مزہ کی بات کہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ ہر شئ اپنی ماہیت میں خود وہ شئ شئ ہے۔ اس شئ کو ماہیت کے ثبوت کے واسطے جاعل کا جعل یعنے بنانے والا کا بنانا درکار نہیں کیونکہ ثبوت شئ خود اس کے نفس کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جعل نفس ماہیت میں ثابت نہیں ہے اور ماہیت مجعول نہیں ہے۔ جاعل کا جعل وجود سے ماہیات کے اتصاف کیلئے درکار ہے۔ صباغ یعنی رنگریز کا فعل رنگ سے کپڑے کے متصف ہونے میں ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کپڑے کو کپڑا بناتا ہے اور رنگ کو رنگ کرتا ہے ایسا کرنا محال ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ لہٰذا جعل نفس شئ میں نہیں ہوا، بلکہ وجود سے شئ کے اتصاف میں ہوا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شئ اپنی ماہیت میں خود شئ ہے۔ نظر کشفی میں یہ یعنی ظل شئ اور عکس شئ میں مفقود ہے کیونکہ شئ کا عکس و ظل ماہیت ظلی و عکسی میں خود ظل و عکس نہیں ہے بلکہ اپنی اصل کی ماہیت میں ظل و عکس بنا ہے۔ کیونکہ ظل ماہیت نہیں رکھتا بلکہ وہی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل سے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس اصل ظل کے لئے اس کے نفس سے زیادہ اقرب ہے کیونکہ ظل اپنی اصل سے ظل ہے نہ کہ اپنے نفس سے۔ چونکہ عالم واجب تعالیٰ کے افعال کا ظل و عکس ہے۔ لہٰذا افعال جو اس کے اصول ہیں عالم کے ساتھ عالم سے زیادہ قریب ہیں اور اسی طرح چونکہ افعال واجب

اند جل شانہ - ناچار صفات بعالم از عالم واز
اصول عالم کہ افعال باشند اقرب باشند کہ
اصل الاصل اند - وچوں صفات نیز ظلال
حضرت ذات اند تعالیٰ وحضرت ذات جل سلطانہ
اصل جمیع اصول ست - لاجرم حضرت ذات تعالیٰ
بعالم از عالم واز افعال وصفات واجبی اقرب
باشد این ست بیان اقربیت وی تعالیٰ کہ در
حیز تحریر وبیان آمد - عقلا اگر بر سر انصاف بیایند
یحتمل کہ قبول این معنیٰ نمایند اگر قبول نہ نمایند
غم نیست کہ خارج از مبحث اند - انتہیٰ -

پنجم قرب من حیث السلوک والاستعداد و
آں بر دو نوع ست - یکی قرب نوافل
دوم قرب فرائض -

قرب نوافل عبارت ازاں ست کہ سالک
خود را فاعل یابد وحق را آلہ - چنانچہ بی یَسْمَعُ وَ
بی یَبْصُرُ[1] اشارتست باں

قرب فرائض عبارت ست ازاں کہ سالک
خود را آلہ یابد وحق را فاعل چنانچہ اَلْحَقُّ[2] یَنْطِقُ
علیٰ لِسَانِ عُمَرَ اشارتست ازاں واین قرب
فرائض پس از فنا وجود سالک میسر می گردد بخلاف
قرب نوافل کما فی الانتباہ - ودریں قرب نوافل

جل شانہ کی صفات کے ظلال ہیں - لہٰذا صفات عالم
کے ساتھ عالم سے اور اصول عالم سے جو افعال ہیں زیادہ
قریب ہیں کیونکہ اصل کی اصل ہیں - اور چونکہ صفات بھی
حضرت ذات واجب تعالیٰ کے ظلال ہیں اور حضرت واجب
جل شانہ کی ذات تمام اصلوں کی اصل ہے - لہٰذا حضرت
ذات واجب تعالیٰ عالم کے ساتھ عالم سے اور افعال
وصفات وجوب سے زیادہ قریب ہے - یہ ہے اللہ تعالیٰ
کی اقربیت کا بیان جسکو ضبط تحریر کیا گیا عقلا انصاف سے
کام لینگے تو ممکن ہے کہ اس معنی اور بیان کو قبول کر لینگے
اگر وہ قبول نہ کریں تو کوئی غم نہیں کیونکہ وہ مبحث سے خارج ہیں۔

پانچواں قرب سلوک واستعداد کی حیثیت سے ہے اور
وہ دو قسم پر ہے - پہلا قرب نوافل اور دوسرا قرب
فرائض -

قرب نوافل: یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو فاعل
اور حق کو آلہ پاتا ہے - چنانچہ حدیث بی یسمع و بی
یبصر اسی کی طرف اشارہ ہے -

قرب فرائض یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو آلہ اور حق کو
فاعل پاتا ہے چنانچہ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلیٰ لِسَانِ عُمَرَ اسکی
طرف اشارہ ہے اور یہ قرب فرائض وجود سالک کی فنا کے
بعد حاصل ہوتا ہے - بخلاف قرب نوافل کے اسی طرح
انتباہ میں مذکور ہے - قرب نوافل میں سالک کی

---

[1] قم باذنی وقم باذن اللہ
ہر دو ایک نغمہ ایست از لب یار
[2] حق عمرؓ کی زبان سے بول رہا ہے - (حدیث)

اٹھ میرے حکم سے اور اٹھ اللہ کے حکم سے
لب یار سے یہ دونوں ایک ہی نغمہ ہے -
[1] مجھی سے سنتا ہے اور مجھی سے دیکھتا ہے -

صفاتِ بشریت سالک دور می شوند وصفات حق بنوع انبساط بر سالک ظاہر میگردند۔ بدیں وجہ کہ مردہ را زندہ کند و زندہ را بمیراند باذن حق تعالیٰ و ببیند و بشنود از ہمہ بدن خویش نہ از گوش و چشم فقط و ہمچنیں مسموعاتی کہ دور اند آنہا را بشنود و مرئیاتیکہ بعید اند آنہا را بہ بیند و ہمبریں قیاس دیگر صفات کما فی التحفۃ المرسلۃ وقال صاحب نقد النصوص فی الفص الابراہیمیۃ "وھذہ ای کَوْنُ الْحَقِّ سَمْعَ الْعَبْدِ وَبَصَرَہٗ وعُمُوْمِہٖ سَائِرَ قواہ وَجَوَارِحَہٗ نَتِیْجَۃُ حُبِّ النوافل وقربہما فی السَّیْرِ الْمُحِبِّیِّ وتقدم السلوک علی الجذبۃ وَسَبْقِ الْفَنَاءِ علی البقاء حیث تجلی الحقُّ بالاسم الباطن ویکون آلۃً لادراک العبد المتجلّٰی لہٗ واما حب الفرائض وقربہا ای نتیجتہا فی السیر المحبوبی وتاخر السلوک عن الجذبۃ وتقدم البقاء الاصل علی الفناء حیث یتجلی الحق سبحانہ بالاسم الظاہر ویکون العبد المتجلّٰی لہٗ آلۃً لادراک الحق المتجلی فھو ان یسمع الحق بکَ علی ان یکون المدرکُ ھو الحق سبحانہٗ وانت آلۃَ الادراکِ

صفاتِ بشریت دُور ہوجاتی ہیں اور صفاتِ حق بطور انبساط سالک پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طرح کہ حق تعالیٰ کے حکم سے مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرتا ہے، وہ فقط گوش و چشم سے سنتا اور دیکھتا نہیں بلکہ اپنے تمام جسم سے سنتا اور دیکھتا ہے اور اسی طرح دور کی مسموعات کو سُن لیتا ہے اور دُور کی مرئیات کو دیکھ لیتا ہے۔ دوسری صفات کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ جیسا کہ تحفۂ مرسلہ میں ہے۔

صاحب نقد النصوص فص ابراہیمی میں لکھتے ہیں کہ کہ یہ یعنی حق کا سمع عبد اور بصر عبد اور عام اس کے قویٰ اور جوارح ہو جانا سیر محبی میں حب نوافل اور قرب نوافل کا نتیجہ ہے اور یہاں سلوک جذبہ پر مقدم ہوتا ہے اور بقا پر فنا سابق ہوتی ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اسم باطن سے جلوہ گر ہوتا ہے اور عبد متجلی لہٗ کے ادراک کا آلہ ہوتا ہے۔ لیکن جب فرائض اور قرب فرائض سیر محبوبی میں فرائض کا نتیجہ ہے۔ یہاں سلوک جذبہ سے متأخر ہوتا ہے اور فنا پر بقائے اصلی مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اسم ظاہر سے تجلی کرتا ہے اور عبد متجلی لہٗ حق متجلی کے ادراک کا آلہ ہوتا ہے۔ مثلاً حق تم سے سنے۔ بایں صورت کہ مدرک حق سبحانہٗ تعالیٰ اور تم ادراک کا آلہ ہو۔

[1] او الفنا یعنی فنا

وَيُبْصِرُ بِكَ كَذَالِكَ ۔

وَاما حب النوافل فهو اى نتيجته ان تسمع به وتبصر به على ان يكون الحق سبحانه آلة لادراكك على عكس قرب الفرائض ۔ اعلم[1] ان الوجود الحق هو الاصل الواجب وهو الفرض ووجود العالم وهو العبد نفل وفرع عليه فاذا ظهر الحق خفى فيه العبد فكان العبد سمع الحق وبصره وسائر قواه وجوارحه كما قال عليه السلام ان الله قال على لسان عبده سمع الله لمن حمده ۔ هذه يد الله واليد يد محمد عليه السلام ۔ وكذالك هو الرامى حقيقة فى اذ رميت فيده يد الحق وهو الرامى لنفيه الرمى عن محمد عليه السلام فى قوله وما رميت واثباته الرمى للحق سبحانه بقوله ولكن الله رمى ۔ وهذا قرب الفرائض :۔

واما قرب النوافل فهو كون الحق سبحانه محمولاً فى انية العبد مستوراً باطنا

اسی طرح وہ تم سے دیکھے ۔

حب نوافل کا نتیجہ یہ ہے کہ تم حق سے سنو' اور حق سے دیکھو' بایں طور کہ حق سبحانہ' تعالیٰ تمہارے ادراک کا آلہ ہو۔ یہ قرب فرائض کے برعکس ہے۔

یہ جانئے کہ وجودِ حق ہی اصلِ واجب اور یہی فرض ہے اور وجود عالم جو عبد ہے اس کی نفل و فرع ہے ۔ جب حق کا ظہور ہوتا ہے تو عبد حق میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اور عبد سمع حق' بصر حق اور اس کے دیگر قوی و جوارح ہو جاتا ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی زبان سے کہا سمع[2] اللہ لمن حمدہ اور فرمایا یہ اللہ کا ہاتھ ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا ۔ اور اسی طرح اِذْ رَمَيْتَ میں حقیقتاً رامی[3] اللہ تعالیٰ ہے پس آپ کا ہاتھ حق کا ہاتھ ہے اور یہی ہاتھ رامی ہے' کیونکہ وَمَا رَمَيْتَ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حق نے رمی کی نفی کی ہے اور وَ لکن اللہ رمیٰ کے قول سے اپنے لئے رمی کو ثابت کیا ہے یہی قرب فرائض ہے: لیکن قرب نوافل حق سبحانہ' وتعالیٰ کا انیتِ عبد میں محمول و مستور اور اس میں باطن ہو جانا ہے

---

[1] پیغمبر ما را صلی اللہ علیہ وسلم قرب نوافل و قرب فرائض ہر دو حاصل بود بے انفکاک و دیگر انبیاء را صلوات اللہ علیہم اجمعین حاصل بود بہ تبع آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء را نیز رضی اللہ عنہم ۔ ۱۲

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب نوافل اور قرب فرائض دونوں بغیر علیحدگی کے حاصل تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں حاصل تھے اور ہیں ۔

[2] سن لیا اللہ اس شخص کو جس نے اسکی تعریف کی [3] پھینکنے والا ۔

فیه فهو سمع العبد وبصره ولسانه وسائر قواه۔

حال از دو امر خالی نیست یا حق ظاہر است و خلق باطن یا خلق ظاہر است و حق باطن۔ اگر تجلی اسم الظاہر را بود خلق مختفی و باطن گردد در حق و حق ظاہر باشد، و دریں مرتبه بنده سمع و بصر حق گردد۔ چنانچه در تقرب الی الله بالفرائض[1] است۔ و اگر تجلی اسم الباطن را باشد حق در خلق مختفی گردد و خلق ظاہر باشد و دریں مرتبه حق سمع و بصر و ید و رجل بنده گردد۔ چنانچه در تقرب الی الله بالنوافل است۔ انتهیٰ

دریں جا دانستن است که محبوب گاہی آئینهٔ محب است یا محب گاہی[2] آئینهٔ محبوب۔ چوں محبوب آئینهٔ محب بود محب نظر کند۔ اگر در محبوب (ای حق) صورت باطن (ای عبد) و معانی (ای عبد) خود را بیند متشکل بشکل ظاہر (ای حق) خود نفس خود را دیده باشد بچشم خود زیرا که وی ہنوز بقرب نوافل متحقق نشده است تا به بصر حق سبحانه بلکه بحق دیده باشد و اگر صورتے بیند جسدے یعنے مثالیکه بر صورت اجسام باشد۔ اما از مقولهٔ اجسام نباشد و غیر شکل خود بود و ورائے صورت چیزی دیگر داند که ہست که بایں صورت

پس وہ عبد کا کان اور آنکھ زبان اور اس کے دیگر قویٰ ہوتا ہے۔

حال دو امر سے خالی نہیں یا حق ظاہر ہے، اور خلق باطن، یا خلق ظاہر ہے اور حق باطن۔ اگر اسم ظاہر کی تجلی ہوتی ہے تو خلق حق میں پوشیدہ اور باطن ہو جاتی ہے اور حق ظاہر ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں بندہ حق کا کان اور آنکھ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرائض سے تقرب الی اللہ میں ہے۔ اگر اسم باطن کی تجلی ہوتی ہے تو حق خلق میں پوشیدہ ہوتا ہے اور خلق ظاہر ہوتی ہے۔ اس مرتبہ میں حق بندہ کا کان آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہوتا ہے جیسا کہ نوافل سے تقرب الی اللہ میں ہے۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ محبوب کبھی آئینہ محب یا محب کبھی آئینۂ محبوب ہوتا ہے۔ جب محبوب (حق) محب (عبد) کا آئینہ ہوتا ہے تو محب نظر کریگا۔ اگر وہ محبوب میں اپنے باطن اور معنی کی صورت کو اپنی شکل ظاہر میں متشکل دیکھتا ہے تو اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے نفس کو دیکھا ہوگا کیونکہ وہ ابھی قرب نوافل پر نہیں پہنچا ہے۔ جس کی بنا پہ کہا جاسکے کہ اس نے حق سبحانہ کے بصر بلکہ حق سے دیکھا ہوگا۔ اگر وہ کسی جسم کی صورت دیکھے یعنی مثال جو صورت اجسام تو رکھتی ہے مگر اجسام کی تعریف میں نہ ہوا اور وہ اپنی شکل کے سوا کوئی دوسری شکل ہو یا صورت کے

[1] آنرا قرب نوافل گویند۔ اسکو قرب نوافل کہتے ہیں [2] آں را قرب فرائض گویند = اس کو قرب فرائض کہتے ہیں ۱۲

مصور شدہ است و فی حد ذاتہ ازیں صورت
منزّہ است صورتِ محبوب دیدہ باشد
بچشم محبوب زیراکہ محب حینئذٍ متحقق است
بقرب نوافل و حق سبحانہٗ جمیع قوای
وے گشتہ است۔

اما اگر محب آئینہ بود و متجلی دراں محبوب
بود محب نظر کند اگر صورتِ محبوب متجلی
در آئینۂ محب مقید است بشکل آئینہ کہ عین محب
است و مراد بشکل آئینہ کہ عین محب است، احکام
وخصوصیاتِ وی است، ہرچہ باشد نہ مجرد اوصاف
جسمانی پس حکم آئینہ را باشد در صورت مرئی در وے
یعنی صورتِ محکوم و مغلوبِ احوال آئینہ باشد۔
نہ آئینہ مغلوب وے۔ ہمچنانکہ شیخ جنید رضی اللہ عنہٗ
فرمودہ است کہ لَونُ الماءِ لَونُ اِنائہٖ وحینئذٍ ماء
اشارت بصورت محبوب متجلی است و اناء آئینہ
عین محب زیراکہ تعین و تمیز صورت محبوب بحسب
عین محب است و اگر محب صورتِ محبوب را
در آئینہ عین خود خارج از شکل خود چیزی
بیند یعنی مکیّف بکیفیات عین خود نہ بیند
و مغلوب احوال و احکام خود نیابد۔ بداند
کہ صورت متجلی در آئینہ وے مصور است ولیکن
ازاں حیثیت کہ محیط است بہمہ صور و در ہمہ صور ظاہر

سوا کوئی اور چیز دیکھے اور یہ سمجھے کہ ہست ہے جو اس
صورت میں متشکل ہوا ہے اور وہ فی حد ذاتہٖ اس صورت
سے منزہ ہے تو اس نے محبوب کی صورت محبوب کی آنکھوں
سے دیکھی ہو گی۔ کیونکہ محب اس وقت قرب نوافل پہ پہنچا
ہوا ہوتا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ اس کے تمام قویٰ بن جاتا
ہے۔ اگر محب (عبد) آئینہ ہوا اور اس میں محبوب متجلی ہو تو
محبوب نظر کرے گا۔ اگر محبوب متجلی کی صورت آئینۂ محب میں
مقید ہے۔ بشکل آئینہ کے عین محب ہے۔ شکل آئینہ
سے مراد کہ عین محب ہے۔ اس کے احکام وخصوصیات ہیں۔
یہ کچھ سہی لیکن مجرد اوصاف جسمانی نہیں تو صورت مرئی
میں آئینہ کا حکم ہو گا یعنی صورت آئینہ کے احوال کی محکوم
و مغلوب ہو گی نہ کہ آئینہ صورت کا مغلوب ہو گا جیسا کہ
شیخ جنید رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ "پانی کا رنگ اس کے
ظرف کا رنگ ہے" اس وقت پانی کا محبوب متجلی کی صورت
کی طرف اشارہ ہے اور ظرف آئینۂ عین محب ہے۔ کیونکہ
صورتِ محبوب کا تعین و تمیز عین محب کے مطابق ہے
اگر محب صورت محبوب کو اپنے عین کے آئینہ میں اپنی شکل
سے خارج کوئی چیز دیکھے یعنی اپنے عین کی کیفیات سے
مکیّف نہ دیکھے اور اپنے احوال و احکام سے مغلوب
نہ پائے تو یہ جانے گا کہ صورتِ متجلی اس کے آئینہ میں
مصور و متشکل ہے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ تمام صورتوں
پر محیط ہے۔ اور تمام صورتوں میں ظاہر ہو سکتی ہے۔

می تواند شد نہ ازاں حیثیت کہ مقیّد ست باحکام آئینہ وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَائِہِمْ مُحِیْطٌ۔

ومقربان از چہار حال بیرون نیستند یا متحقق بقرب نوافل اند فقط وایشاں را صاحب قرب نوافل خوانند یا بقرب فرائض فقط۔ و ایشاں را صاحب قرب فرائض خوانند ویا[1] بجمع بین القربین بی تقیید باحدھما و بی مناوبہ کہ گاہی یکی باشد و گاہی دیگری بلکہ معاً معاً بہر دو قرب و احکام آں متحقق باشند۔ و ایں مرتبہ را جمع الجمع و قاب قوسین و مقام کمال خوانند و آیہ[3] اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ وحدیث ھٰذِہٖ یَدُ اللّٰہِ وَھٰذِہٖ یَدُ عُثْمَانَ

مگر اس حیثیت سے نہیں کہ وہ احکام آئینہ میں مقید ہے۔ واللہ من ورائہم محیط۔

مقربان الٰہی چار حال سے خالی نہیں ہے یا فقط قرب نوافل پر پہنچے ہوتے ہیں۔ ان کو اہل قرب نوافل کہتے ہیں یا فقط قرب فرائض پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کو اہل قرب فرائض کہتے ہیں یا جمع بین القربین پر اس میں نہ وہ کسی ایک کے ساتھ مقید ہوتے ہیں ورنہ نوبت بہ نوبت کی صورت ہوتی ہے۔ کبھی ایک ہو کبھی دوسرا بلکہ معاً دونوں قرب اور ان کے احکام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ کو جمع[2] الجمع قاب قوسین اور مقام کمال کہتے ہیں اور آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ اور حدیث شریف

---

[1] قولہ یا بجمع بین القربین آہ۔ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در انتباہ مکتوب شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید بن شیخ احمد السرہندی بقلم آوردہ ست در مکتوب مذکور مرقوم ست کہ جمع بین القربین آں ست کہ سالک خود را درمیان ہیچ نیابد نہ فاعل نہ آلہ انتہی۔ ظاہراً ایں جمع بین القربین منافی جمع بین القربین صوفیہ معلوم می شود و ایضاً لفظ جمع بین القربین دلالت می کند بر آں کہ ہر دو قرب دریں مرتبہ مجتمع اند نہ منفی واللہ اعلم۔

قولہ یا جمع بین القربین الخ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ انتباہ میں شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید ابن شیخ احمد سرہندی رحمہم اللہ کے مکتوب کو قلمبند فرمایا ہے۔ مکتوب میں مذکور ہے کہ جمع بین القربین وہ ہے کہ سالک خود کو کسی کے درمیان نہیں پاتا فاعل نہ آلہ۔ بظاہر یہ جمع بین القربین صوفیہ کرام کے جمع بین القربین کے خلاف معلوم ہوتا ہے نیز لفظ جمع بین القربین اثبات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں قرب اس مرتبہ میں مجتمع ہیں نہ کہ منفی۔ واللہ اعلم

[2] جمع الجمع = خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھنا اور حق کو حق میں اور خلق کو خلق میں مشاہدہ کرنا یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق اور خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا۔

[3] تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں بیشک وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ (سورہ فتح رکوع ۱)

اشارہ باین مرتبہ است، و باہیچ یک ازین احوال ثلثہ مقید نیستند۔ بلکہ مر ایشان را است کہ بہر یک از قربین ظاہر شوند و بجمع بینہما نیز بے تقید بہیچ یک ازین احوال و این را مقام احدیت جمع و مقام او ادنیٰ خوانند و اشارت باین است وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[۱] و این مقام باصالت خاصۂ خاتم النبیین است صلی اللہ علیہ وسلم و بوراثت و کمالِ متابعت آنحضرت کمل اولیاء را ازین مقام حظی ہست کذا فی اشعۃ اللمعات شرح اللمعات للجامیؒ۔ پس مراد از قرب الٰہی کہ در وے ہر موجودے مساوی ہست قسم چہارم است نہ قسم پنجم۔ جماعتی درین قسم پنجم حکم بمساوات عوام و خواص کردہ اند۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ در تعلیقات فص ہودیہ نقد النصوص ردِّ آن بقلم آوردہ ہست

و نیز باید دانست کہ در معنی لفظ فنا و بقا نزدِ اہل لغت و اہل کلام و صوفیۂ کرام اختلاف ہست۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ در فص ابراہیمیۂ نقد النصوص می فرماید۔ لفظ فنا و بقا دو لفظ اند متداول میانِ این طائفہ کہ گویند فلانی فانی شدہ است، یا باقی شدہ ہست

ھٰذِہٖ یَدُ اللّٰہِ وَھٰذِہٖ یَدُ عُثْمَانَ[عہ] میں اسی مرتبہ کی طرف اشارے ہیں۔ یا وہ مقربانِ الٰہی ان تینوں احوال میں کسی ایک حال کے ساتھ مقید نہیں بلکہ انکی یہ حالت ہے، دونوں قربوں میں ہر ایک قرب سے ظاہر ہوتے ہیں اور جمع بین القربین پر بھی ان احوال میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید نہیں ہوتے اس مرتبہ کو مقام احدیتِ جمع اور مقام او ادنیٰ کہتے ہیں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ[عہ] ولکن اللہ رمٰی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مقام در اصل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت اور وراثت میں اولیأ کاملین کو اس مقام کا کچھ حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح حضرت جامیؒ کے لمعات کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے۔ پس قرب الٰہی سے مراد جس میں ہر ایک موجود مساوی ہے قسم چہارم ہے قسم پنجم نہیں، ایک جماعت نے قسم پنجم میں عوام و خواص کی مساوات کا حکم کیا ہے۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ نے نقد النصوص کے فص ہودیہ کی تعلیقات میں اسکی تردید کی ہے۔

نیز جاننا چاہیئے کہ لفظ فنا و بقا کے معنی میں اہل لغت و اہل کلام اور صوفیائے کرام کے نزدیک اختلاف ہے۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ نقد النصوص کے فص ابراہیمی میں فرماتے ہیں کہ فنا و بقا دو لفظ ہیں جو صوفیاء کرام کے درمیان مروج ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فانی ہو گیا ہے یا باقی ہو گیا ہے اس فنا و بقا سے وہ یہ مراد نہیں لیتے جو اہل لغت لیتے

---

[۱] اے روپ ترا رتی رتی ہے ۔ پربت پربت پتی پتی ہے
پربت میں اوک نہ کم پتی میں ۔ یکسار ہے راس اور رتی میں (بحری)

عہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے، یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ عہ نہیں پھینکا آپ نے جبکہ پھینکا آپ نے لیکن اللہ نے پھینکا (سورۂ انفال رکوع ۲)

و بمعنی فنا و بقا نہ آں خواہند کہ اہل لغت خواہند از بہر آں کہ نزدیک اہلِ لغت باقی آن ہست کہ بوقت ثانی بقا یابد۔ و آں بر دو گونہ ہست بقا الیٰ مدۃٍ چوں بقاء دنیا و اہل او و بقا لا[1] الیٰ مدۃٍ چوں بقاء آخرت و اہل او، و بقاء حق تعالیٰ و صفات او، فاما فانی نزدیک اہلِ لغت آں باشد کہ او را بقا نماند و چوں بقاء او را نہایت آید او را فانی خوانند۔ اما اہلِ اصول یعنی کلام چنیں گویند کہ بقا صفت باقی ہست و فنا صفتِ فانی نیست از بہر آنکہ باقی شئی باشد و شئی را صفت روا باشد۔ فاما

ہیں۔ کیونکہ اہل لغت کے نزدیک باقی وہ ہے جو وقتِ ثانی میں بقا پائے اور یہ دو قسم پر ہے۔ پہلی ایک مدت تک بقا جیسے دنیا اور اہل دنیا کی بقا۔ دوسری وہ بقا جس کے لئے مدت ہی نہیں جیسے آخرت اور اہل آخرت کی بقا اور حق تعالیٰ اور اسکی صفات کی بقا۔ اہل لغت کے نزدیک فانی وہ ہے جس کو بقا نہ رہے۔ اور جب اسکی بقا کی انتہا ہو جاتی ہے تو اس کو فانی کہتے ہیں۔ لیکن اہل کلام اس طرح کہتے ہیں کہ بقا صفتِ باقی ہے اور فنا صفت فانی نہیں۔ کیونکہ باقی شئی ہے اور شئی کیلئے صفت روا ہے۔ فانی لاشئی ہے

[1] و فی المثنوی المولوی قدس سرہ

گفت قائل در جہاں درویش نیست
ور بود درویش آں درویش نیست
ہست از روئے بقاءِ ذاتِ او
نیست گشتہ وصفِ او در وصفِ ہو
چو زبانہ شمع پیشِ آفتاب
نیست باشد ہست باشد در حساب
ہست باشد ذاتِ او تا تو اگر
افگنی پنبہ بسوزد از شرر
نیست باشد روشنی ندہد ترا
کردہ باشد آفتاب او را فنا
در دو صد من شہد یک اوقیہ[ع] خل
چوں در افگندی و در وی گشت حل
نیست باشد طعم او چوں می چشی
ہست اوقیہ فزوں گر برکشی
ایں قیاس ناقصاں بر کارِ رب
جوششِ عشق ست نے ترکِ ادب
بے ادب باشد چو ظاہر بن گری

[ع] الاوقیۃ عندھم وزن عشرۃ دراھم وخمسۃ اسباع درھم وھو استار والجمع الاواقی وان شئت خففت الیاء۔ کذا فی الصحاح۔

مثنوی مولانا روم قدس سرہ میں ہے (ترجمۂ اشعار)

بولا اک عالم میں نئے درویش ہے
گر وہ ہے درویش تو درویش نئے
ہست از روئے بقا ہے اسکی ذات
ہے صفاتِ حق میں لا اس کی صفات
جیسے شعلہ پیش شمع آفتاب
نیست ہے اور ہست از روئے حساب
ہست ہو ذات اسکی ظاہر تو اگر
رکھے پنبہ تو جلا دے وہ شرر
نیست ہووے روشنی بس ظاہرا
کر دیا خورشید نے اس کو فنا
ایک تولہ سرکہ دو من شہد میں
جو کہ ڈالیں اور اس کو حل کریں
نیست سرکہ کا مزہ ہو جو چکھے
تولہ وہ زیادہ ہو جو تو لے اسے
یہ قیاس ناقص اندر کارِ رب
جوش عشقی ہے نہیں ترکِ ادب
بے ادب ہے جو کہ ظاہر دیکھے تو

(بقیہ بر صفحہ ۱۲۳)

فانی لاشیئ باشد، ولاشیئ را صفت محال باشد۔ وجود موصوف باید تا صفت بوی قائم گردد پس مراد بفنا فانی گشتن و عدم ست۔
اما بنزدیک ایں طائفہ فنا و بقا را معنئ دیگر ست از بقا، بقاءِ ذاتِ چیزی نخواہند۔ بلکہ بقاءِ صفاتِ او خواہند۔ و از فنا فناءِ ذاتِ چیزی نخواہند۔ فناءِ صفات او خواہند۔ باں معنی کہ مراد از ہر چیزی عین آں چیز نیست لیکن معنی آنست کہ چوں ایں معنی دراں چیز موجود باشد آں چیز را نام بقا دہد از بہر آنکہ مقصود ازاں چیز حاصل است و چوں ازاں چیز معدوم گردد آں چیز را فانی خوانند، از بہر فوات مقصود ازو، و ایں در تعارف ظاہر ست۔ کہ چوں کسی پیر و ضعیف گردد گوید من نہ آنم کہ بودم، مرد ہماں ست لیکن صفات دیگر شدہ ست، کذا فی شرح التعرف۔ فناءِ ممکن در واجب باضمحلالِ آثار امکان ست نہ انعدام حقیقت او چوں اضمحلالِ انوار محسوسہ در نورِ آفتاب ۵

اور لاشئ کے لئے صفت محال ہے۔ قیام صفت کے لئے موصوف کا وجود چاہئے۔ پس ان کے نزدیک فنا سے مراد عدم اور فانی ہونا ہے۔
مگر صوفیاء کرام کے نزدیک فنا و بقا کا دوسرا ہی معنی ہے۔ وہ بقا سے کسی شئ کی ذات کی بقا مراد نہیں لیتے، بلکہ اسکی صفات کی بقا مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح فنا سے کسی شئ کی ذات کی فنا مقصود نہیں بلکہ اسکی صفات کی فنا مقصود ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے کہ ہر ایک شئ سے مراد اس شئ کا عین نہیں لیکن اسکا معنی یہ ہے کہ جب یہ معنی اس شئ میں موجود ہو تو اس شئ کو بقا کا نام دیا جائیگا۔ کیونکہ اس شئ سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہے۔ جب یہ بات اس شئ سے معدوم ہو جائے گی تو اس شئ کو فانی کہا جائے گا کیونکہ اس سے مقصود فوت ہو گیا ہے۔ یہ عرف عام سے ظاہر ہے کیونکہ جب کوئی آدمی پیر و ضعیف ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اب وہ نہیں رہا جو کبھی تھا حالانکہ آدمی اب بھی وہی ہے لیکن اسمیں دوسری صفات پیدا ہو گئی ہیں۔ شرح تعرف میں اسطرح مذکور ہے ممکن کی فنا یہ ہے کہ واجب میں امکان کے آثار مضمحل ہو جاتے ہیں اسکا مطلب یہ نہیں کہ اس ممکن کی حقیقت معدوم ہو جاتی ہے جیسا کہ نور آفتاب میں انوارِ محسوسہ مضمحل ہو جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲)

کہ بود دعویٔ عشقش رہبری،
چوں بباطن ہنگری دعویٰ کجاست
او ز دعویٰ پیش آں سلطان فناست

کہ ہے دعویٔ عشق کا اس شخص کو
دیکھے جو باطن میں نے دعویٰ رہا
وہ وہ دعویٰ آگے اس شہ کے فنا

چراغ آنجا کہ خورشید منیر ست
میانِ بودونابودی اسیر ست
شیخ جنید فرمودہ ست :-
اَلْمُحْدَثُ اِذَا قُوْرِنَ بِالْقَدِیْمِ لَمْ یَبْقَ لَہٗ اَثَرٌ

چوں تجلّی کرد اَوصافِ قدیم
پس بسوزد وصفِ حادث را کلیم

و اضمحلالِ آثار امکان در لطیفۂ انانیتِ عارف باشد در ہوش و در ادراک او نہ در جسم و روح بشریت او۔ اگرچہ بحکم مصرع وللارض من کاس الکرام نصیب اینہا را نیز حظی باشد

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ
مابقی تو استخواں وریشۂ
پس تو آں ہوش و باقی ہوش نوش
خویشتن را گم مکن بادہ منوش

انتہیٰ

جہاں روشن سورج ہوتا ہے وہاں چراغ کا وجود اور عدم دونوں برابر ہوتے ہیں۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے جب حادث کو قدیم کے قرین (نزدیک) کر دیا جاتا ہے تو حادث کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا۔ (ترجمۂ شعر)

جب اوصافِ قدیم نے تجلّی کی تو کلیم کے وصف حادث کو جلا کر رکھ دیا۔

امکان کے آثار کا اضمحلال عارف کے لطیفۂ انانیت میں ہوتا ہے۔ یہ اس کے ہوش اور اسکے ادراک میں ہوتا ہے۔ اسکے جسم میں اور اسکی روح بشریت میں نہیں۔ اگرچہ بحکم مصرع زمین بھی بزرگوں کے پیالہ سے بہرہ مند ہوتی ہے ان کو بھی کچھ حصّہ ملتا ہے۔ (ترجمۂ اشعار)

اے بھائی تم یہی اندیشہ اور فکر ہو اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تمہاری ہڈیاں اور پٹھے ہیں۔

پس تم ہوش کی دولت ہو باقی چیزیں ہوش کو فنا کرنے والی ہیں اسلئے اپنے آپ کو گم نہ کرو اور بادہ نوش نہ بنو۔

15/2

فائدہ ۹

حُبِ عشقی[1] و احوال و مقامات او و
نتائج و ثمرات او منتہی بہ معرفتِ اضمحلالِ
حقائقِ اشیاء در جنبِ وجودِ حضرتِ حق کہ آں
معرفت خلاصۂ ولایت است می شد بناءً علیہ
ایں طریق را کہ ابتدائے آں از حُبِ عشقی و انتہائے
آں بہ معرفت است براہِ ولایت و نسبتِ ولایت
مسمّٰی کردہ اند و حبِ[2] ایمانی و احوال و مقامات او
و نتائج و ثمراتِ او منتہی بہ نبوت می شد ایں طریق
را کہ ابتدائے آں از حبِ ایمانی و انتہائے آں
بہ نبوت است براہِ نبوت و نسبتِ نبوت مسمّٰی
کردہ اند۔

طریق ولایت

در طریق ولایت اسبابِ تحصیلِ[1]
حبِ عشقی و مؤیداتِ[2] او و
آثارِ[3] او و ثمراتِ[4] او است دریں مقام ترجمانِ
ہر یکی ازیں امورِ اربعہ بقلم می آید۔

اسباب حب عشقی :-

امّا اسباب تحصیل حب عشقی آنکہ سبب عادی

فائدہ (۹)

حبِ عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور اس کے
نتائج و ثمرات حضرت حق جل شانہٗ کے وجود کے پہلو میں حقائق
اشیاء کے اضمحلال کی معرفت پہ منتہی ہوتے ہیں اور یہ معرفت
خلاصۂ ولایت ہے۔ لہٰذا اس طریق کو جس کی ابتداء حب
عشق سے اور انتہا معرفت پہ ہوتی ہے، طریقِ ولایت
اور نسبتِ ولایت کا نام دیا گیا ہے۔ حب ایمانی اور اس
کے احوال و مقامات اور اس کے نتائج و ثمرات نبوت
پہ منتہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طریق کو جس کی ابتدا
حب ایمانی سے اور انتہا نبوت پہ ہوتی ہے طریق نبوت اور
نسبت نبوت کہا گیا ہے۔

طریق ولایت۔ طریق ولایت میں حبِ عشقی کو
حاصل کرنے کے اسباب، اس کے مؤیدات، اس کے آثار اور
اس کے ثمرات ہوتے ہیں۔ اس مقام میں ان چار امور
میں سے ہر ایک کی تفصیل لکھی جا رہی ہے۔

حب عشقی کے اسباب

یہ حب عشقی کو حاصل کرنے کے اسباب کا بیان ہے

---

[1] حب عشقی کہ آں را حب نفسانی گویند۔ حب عشقی جسکو حب نفسانی کہتے ہیں [2] حب ایمانی کہ مشہور بہ حب عقلی است، حب ایمانی جو حب عقلی سے
مشہور ہے۔

برائے تحصیلِ محبت حضرتِ حق ذکر[1] و فکر[2] است پس
لفظِ مبارکِ اللہ کہ تجلی حضرت بیچون است در نشاء
الفاظ چوں حلق و زبان و کام و گوش ذاکر را ،
بالطرق المعھودۃ فیما بین الصوفیۃ لذکر الجھر
الموضوعۃ لدفع الوساوس و جمع الخواطر، و
ترقیق الارواح از نور و سکینہ والتذاذ مالامال
می سازد، و ہمچنیں خیال و وہم او بالطرق المشھورۃ
فیما بینھم للذکر الخفی الموضوعۃ لوجدان الحلاوۃ
بھذا اللفظ و لحصول الالتذاذ بالخلوۃ و
السکوۃ و النفرۃ عن المخالطۃ مع الناس و المکالمۃ
معھم اضمحلالی و خمولی می بخشد خواہ بذکر مجردِ
ہمیں لفظ ایں معنی حاصل شدہ باشد، خواہ بضم
نفی یا صفات دیگر طالب را از آں انتقال بتصور
مفہوم ایں لفظ می گردد و آں تجلی حضرت حق
است در نشاء علم کہ الطف و اعلاء تجلیات
و اقرب آنہا است بحضرت ذات، و چوں ایں
تجلی یعنی مفہوم ایں لفظ کہ بسیط محض و مجرد
بحت است در ذہن او استقراری می گیرد۔
بحیثیتی کہ بصر بصیرت او دائم التموج بجانب
ہماں مفہوم باشد و تمام قوت دراکہ او مثل
چشم وا المقصور النظر علی ذالک المفہوم گردد
و التفاتی بسوئے ماسوائے آں از صمیم قلب
سر بر نزند اگر احیاناً خطرۂ ماسوا در ذہن

حضرت حق کی محبت کو حاصل کرنے کا سبب یادی ذکر
اور فکر ہے۔ پس لفظ مبارک اللہ کا جو عالم الفاظ میں حضرت
بیچوں کی تجلی ہے، جب ذاکر کے حلق، زبان، تالو اور کان کو
(صوفیہ کے ذکر جہری کے ان مقررہ طریقوں سے جو دفع
وساوس، جمع خواطر اور ارواح کو لطیف و رقیق بنانے
کیلئے وضع کئے گئے ہیں) نور و سکینہ اور لذت سے مالا مال کر
دیتا ہے۔ اسی طرح صوفیہ کے ذکر خفی کے مشہور طریقوں
سے جو اس لفظ مبارک سے حلاوت کے لئے اور لوگوں سے
میل جول اور بات چیت سے کنارہ کشی اور خلوت اختیار کرکے
لذت حاصل کرنے کے واسطے وضع کئے گئے ہیں، ذاکر کے وہم
و خیال کو مضمحل اور ناپید کردیتا ہے۔ خواہ مجرد لفظ اللہ کے
ذکر سے یہ بات حاصل ہوئی ہو خواہ نفی یا دوسری صفات کے
ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصور کی طرف
انتقال ہو جائے۔ اور یہ عالم علم میں حضرت حق کی تجلی ہے،
جو تمام تجلیات میں لطیف تر اور بلند تر تجلی ہے۔ نیز حضرتِ
حق کے ساتھ تمام تجلیات سے زیادہ قریب تر ہے۔ جب یہ
تجلی یعنی اس لفظ کا مفہوم جو بسیط محض اور مجرد بحت ہے
اس کے ذہن میں اس طرح استقرار پاتا ہے کہ اس کی بصیرت
کی آنکھ اس مفہوم کی طرف دائم التموج رہتی ہے اور ادراک
کی ساری قوتیں کھلی آنکھ کی طرح اس مفہوم کی طرف نظر
جمالیتی ہیں، اور اس کے ماسوا کی طرف صمیم قلب سے
کوئی التفات سرزد نہیں ہوتا۔ اگر کبھی ماسوا کا خطرہ
اس کے ذہن میں گزرتا بھی ہے تو امور اتفاقیہ

---

[1] ذکر جلی و خفی [2] مراقبہ

خطورے کند ہر آئینہ مثل امور اتفاقیہ
باشد نہ از صمیم قلب و ایں مسمیٰ بفکر
است نزد قوم۔

بالجملہ چوں طالب بادراک وہمت خود دریں
مفہوم استغراقی قوی حاصل می کند وآں تجلی
پیوندِ جان آدمی گردد و الطفِ اجزاءِ سالک
را کہ روح الٰہی اوست وکرِ خود ساختہ و با او
امتزاجی بہم رسیدہ اورا باصل خود می کشد
و روح الٰہی کہ از عالم پاک ہست وَقُلِ الرُّوحُ
مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ درشان اوست و بہ سبب
محجوبیت بایں مشتی خاک اصل خود را نسیان
کردہ و آئینۂ ادراک او زنگ خوردہ بود، چوں
بنور ایں تجلی روئے او مصقل گردیدہ وعکس
کمالات حق درخود دیدہ کہ ان اللہ خلق آدم
علیٰ صورتہ اشارتیست بآں و وطن فراموش
کردۂ خود را بازیاد نمودہ اقتضائے وصول باصل
خود می کند پس جذب آں تجلی ایں روح
را و انجذاب ایں روح بسبب تنبّہی و تیقّظی
کہ از استقرار ایں تجلی حاصل کردہ اقتضاء
صعود بہ خطیرۃ القدس می کند و تقاضائے
لحوق برفیق اعلیٰ می نماید۔ امّا چوں غبار
بشریت مانع لحوق او بہ خطیرۃ القدس می گردد
ناچار تزاحمی درمابین اقتضاء روحانی ونفسانی

کی طرح ہوتا ہے۔ صمیم قلب سے نہیں ہوتا۔
صوفیۂ کرام کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے موسوم
ہے۔

الغرض جب طالب اپنے ادراک اور ہمت سے اس مفہوم
میں قوی استغراق حاصل کرلیتا ہے اور وہ تجلی اسکی جان سے
پیوند ہو جاتی ہے۔ سالک کے تمام اجزاء میں سے لطیف ترین جزء
جس کا نام روح الٰہی ہے اس کو اپنا آشیانہ بنالیتی ہے، نیز
اس کے ساتھ امتزاج پیدا کرکے اس کو اپنے اصل کی طرف کھینچتی
ہے۔ روح الٰہی جو عالم پاک سے ہے، وَقُلِ الرُّوحُ[1] مِنْ اَمْرِ
رَبِّیْ اسکی شان میں ہے اور جو اس مشت خاک میں محبوس ومقید
ہونے کی وجہ سے اپنی اصل کو فراموش کرگئی تھی اور جس کا آئینہ
ادراک زنگ پکڑ گیا تھا جب اس تجلی کے نور سے اس کا چہرہ
منور و مصقل ہوگیا تو خود میں کمالات حق کا عکس
دیکھا (اِنَّ[2] اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ یہ حدیث اسی
کی طرف اشارہ ہے) پھر اپنے فراموش کردہ وطن کو یاد کرکے
اپنے اصل کیطرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے۔ جب وہ تجلی
اس روح کو کشش کرتی ہے اور یہ روح بھی اس آگاہی
اور بیداری کی وجہ سے جو اس تجلی کے استقرار سے پیدا
ہوئی ہے کھنچ کر چلی آتی ہے تو اس میں خطیرۃ القدس
کی چڑھنے کی طلب پیدا ہوتی ہے، اور رفیق اعلیٰ سے ملجانے
کی خواہش کرتی ہے۔ لیکن بشریت کا غبار اس کو خطیرۃ
القدس میں پہنچنے سے مانع ہوتا ہے۔ لہذا ناچار اقتضائے
روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش

[1] اور کہدو روح میرے رب کے امر سے ہے ۱۲ [2] بیشک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

حادث می شود۔ باین سبب شورشی وتغلغلی وگرمی در نسمۂ ملقب بروح طبعی است حادث می شود، مثل حدوث شورشی وگرمی در وقتِ غضب یا انبساطی وانشراحی در وقتِ فرح، بالجملہ ایں شورش وتغلغل کہ در روح نفسانی حادث شدہ طالب را دیوانہ وار ومستانہ شعار می گرداند۔ وعقل و فکراو را برہم می زند۔ وبسا است کہ از قانونِ شرع وادب بیروں می کشد۔ و بسببِ شدّت وحدّتِ ایں اُنست ببیابانی ومبادیں ووحشت از مجالس ومساکن و صدور آہ وفغاں وحدّتِ زردی رنگ واشکبارے بہم می رسد۔ وہمیں کیفیت مسمّٰی بہ عشق است ازبسکہ حامل ایں کیفیت روح حیوانی است ایں را بحبِّ نفسانی مسمّٰی کردہ شد وایں کیفیت آناً فاناً متزاید می شود، تاکہ حجابِ بشریّت ونکرۂ منخرق شود، وغبارِ نفسانیہ پاش پاش گردد، وثمرۂ ایں حب مترتّب شود۔

مؤیداتِ حبِّ عشقی

اما بیان مؤیداتِ حبِّ عشقی آنکہ مؤیداتِ عشقی بسیار اند، از عمدۂ مؤیدات ریاضت است یعنی تقلیل منام وکلام وصحبت باانام، چہ روح حیوانی را بایں امور رقتی ولطافتی

اور مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے نسمۂ آدمی میں جو روح طبعی سے ملقب ہے، شورش، بے قراری اور گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح غصہ کے وقت شورش وگرمی اور خوشی کے وقت بشاشت وانشراح پیدا ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ شورش وبے قراری جو روح نفسانی میں پیدا ہوی ہے طالب کو دیوانہ وار اور مستانہ شعار بنا دیتی ہے۔ نیز اس کی عقل وفکر کو درہم وبرہم کر دیتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ قانونِ شرع وادب سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے اس کو جنگلوں اور بیابانوں سے محبت، محفلوں اور مکانوں سے وحشت ہونے لگتی ہے، آہ وفغاں کرنے لگتا ہے اور آنسو بہاتا رہتا ہے اور اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ اس کیفیت کا نام عشق ہے۔ چونکہ زیادہ تر اس کیفیت کی حامل روح حیوانی ہے اس لئے اس کو حبِّ نفسانی کہا گیا ہے۔ یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب چاک ہوتا ہے، اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو جاتا ہے اور اس محبت کا ثمرہ مترتب ہوتا ہے۔

حبِّ عشقی کی مؤیدات

مؤیدات حب عشقی کا بیان ہے۔ حب عشقی کے مؤیدات بہت ہیں۔ ان میں سے عمدہ ریاضت ہے۔ یعنی کم سونا، کم بولنا اور لوگوں سے کم ملنا جلنا، کیونکہ ان باتوں سے روح حیوانی رقیق تر ہوگی۔ اسی قدر اس میں

حاصل می شود و ہر قدر کہ روح حیوانی رقیق تر، حدوث تغلغل و شورش و گرمی سریع تر از انجملہ استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز است۔ از انجملہ اجتناب از اموریکہ باعث حدوث کثافتی در روح طبی باشد مثل کثرتِ منام و مداومت بر اغذیۂ کثیفہ و امثال آنہا کہ بر اہل تجارب پوشیدہ نیست۔

تغلغل شورش اور گرمی پیدا ہوگی۔ ان مویدات سے خوش الحانی، دلکش اصوات، شوق آمیز قصّے، عشق انگیز اشعار کا سننا ہے۔ نیز ان مؤیدات میں سے ایسے امور سے پرہیز کرنا جو روح طبی یعنے نسمہ میں کثافت کے پیدا ہونے کا باعث ہوتے ہیں مثلاً زیادہ سونا ہمیشہ کثیف غذاؤں کا استعمال اور ایسے ہی امور جو تجربہ کاروں

آثارِ حُبِّ عشقی

اما بیان آثار حُبِّ عشقی آنکہ آثار حُبِّ عشقی نیز بسیار اند۔ از انجملہ این است کہ این حب بالذات اقتضاء انخراق حجاب بشری و وصول روح الہی باصل خود (ای حبِّ عشقی) میکند و بس نہ مطابقت ہیچ قانونی خواہ قانون شرع باشد خواہ قانون ادب و نہ ابتغاء رضاء کسی خواہ رضاء محبوب باشد خواہ رضاء غیر آن و نہ التزام متابعت کسی خواہ متابعت خود محبوب باشد خواہ غیر آن۔ ندانی کہ مقصود ازیں کلام این است کہ ارباب عشق و مواجید مقید بقیود شرعیہ و متأدب باداب عرفیہ و طالب رضاء مولیٰ و ملتزم متابعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نمی باشند۔ حاشا و کلا بلکہ مقصود آن است کہ حب بالذات مقتضی این امور نیست، بلکہ محض اضمحلال صاحب این حال در مشاہدۂ جمال حضرت ذو الجلال می خواہد و بس بہر طریقی کہ بدست آید خصوصیت ہیچ طریق را در اقتضاء

حُبِّ عشقی کی علامات

یہ حبِ عشقی کی علامات کا بیان ہے۔ حبِ عشقی کی علامات نیز بہت ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حبِ عشقی بالذات یہ چاہتا ہے کہ حجاب بشری کو چاک کر دے اور روح الہی کو اس کی اصل تک پہنچا دے اور بس۔ اس میں وہ کسی قانون کی موافقت نہیں کرتا ہے۔ چاہے وہ قانون شرع ہو یا قانون ادب۔ اور نہ اس کو کسی کی رضا کی طلب ہوتی ہے چاہے محبوب کی رضا یا کسی اور کی، اور نہ وہ کسی کی متابعت کو خود پہ لازم کرتا ہے چاہے اپنے محبوب کی متابعت یا کسی اور کی! اس کلام سے مقصود یہ نہ سمجھنا چاہیئے، کہ اربابِ عشق و احوال قیودِ شرعیہ سے مقید اور آدابِ عرفیہ کے پابند نہیں ہوتے۔ رضاء الٰہی کے طالب اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود پہ لازم نہیں جانتے۔ حاشا و کلا یہ بات نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حب بالذات ان امور کو مقتضی نہیں ہے بلکہ اس کا مقتضیٰ صرف یہ ہے کہ اس حال والا حضرت ذو الجلال کے مشاہدۂ جمال میں فنا ہو جائے۔ اور بس یہ کیفیت کسی بھی طریقہ سے حاصل ہو کسی طریق کی

آں دخلی نیست مثلاً اگر صاحب ایں حال راظن حصول مقصود در استماع مزامیر و عشق مجازی و شغل برزخ و تخلیۂ اوقات از اذکار و طاعات و امثال آنہا از امور ممنوعہ شرعاً بہم رسد البتہ از صمیم قلب او میلانی بسوی ایں امور ممنوعہ نخواہد گرفت اگرچہ آں صاحب حال از راہ تدین و تشرع از ظہور آثار ایں داعیہ مانع آید بلکہ در ازالۂ آں جہد کند۔

از انجملہ تفرد است یعنی قطع علائق ماسوای محبوب و تنگدلی از عروض مشاغل متشتّتہ و ہجوم علائق متکثّرہ و تنگی حوصلہ از نظم و ترتیب امور متفرقہ مثل سیاست منزلی و سیاست مدنی و امامت جماعت و اقامت اعیاد و جمعات و ایفائے حقوق ذوی الحقوق از اہل قرابات و امثال آں و لہذا از تزوج کہ اصل ہمہ علائق است نہایت نفرت و وحشت می گیرد۔ از انجملہ شدت تعلق قلب است بمرشد خود استقلالاً یعنی نہ باں

خصوصیت کو اس کے اقتضا میں دخل نہیں ہے۔ مثلاً اگر صاحب حال کو یہ ظن ہو کہ اس کے مقصد کا حصول مزامیر کے سننے اور عشق مجازی، شغل برزخ، نیز اوقات کو اذکار و طاعات سے خالی رکھنے وغیرہ سے ہوگا۔ جو کہ ممنوعات شرعیہ سے ہیں تو البتہ صمیم قلب سے ان امور کی طرف اس کا میلان ہوگا۔ اگرچہ وہ صاحب حال دینداری اور پرہیزگاری کی وجہ سے اس خیال کے آثار کے ظہور سے اجتناب کرے بلکہ اس کے ازالہ میں کوشش کرے۔

تفرد اُن آثار میں سے ایک ہے یعنی محبوب کے ماسوا سے قطع تعلقات کرنا مختلف مشاغل اور کثیر علائق کے ہجوم کرنے اور پیش آنے سے تنگدل ہونا اور مختلف امور مثلاً خانگی سیاست شہری سیاست، امامت جماعت، عیدوں اور جمعات کو قائم کرنے، حقدار رشتہ داروں کے حقوق کو پورا کرنے وغیرہ کی نظم و ترتیب سے حوصلہ کی تنگی، اس لئے اس کو شادی بیاہ سے جو تمام علائق کی جڑ ہے انتہا درجہ کی نفرت و وحشت ہوتی ہے۔ نیز ان آثار سے اپنے مرشد کے ساتھ مستقل طور پر قلبی تعلق کا شدید ہو جانا ہے۔ یعنی

لہ امام ربانی در رسالۂ مبداء و معاد می فرماید وقتی از اوقات جمع درویشاں نشستہ بودند، ایں فقیر از محبت خود کہ نسبت بغلامانِ آں سرور است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات چنیں گفت کہ محبت آں سرور بہ نہجی مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ وتعالیٰ را بواسطۂ آں دوست می دارم کہ رب محمد است۔ حاضران ازیں سخن در تحیر ماندند، اما مجال مخالفت نہ داشتند۔ ایں سخن نقیض سخن رابعہؒ است کہ گفت آں سرور

امام ربانی قدس سرہ رسالہ مبدأ و معاد میں فرماتے ہیں کہ ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، اس فقیر نے اپنی اس محبت کی وجہ سے جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے نسبت رکھتا تھا، اسطرح کہا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اسطرح غالب آگئی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ رب محمد ہے، حاضرین میری اس بات سے حیرت میں آگئے مگر ان کو مخالفت کی مجال نہ تھی۔ یہ بات حضرت رابعہؒ کے کلام کی نقیض ہے کہ آپ نے آنحضور صلی اللہ

ملاحظہ کہ ایں شخص ناودان فیض حضرت حق وواسطہ ہدایت او است بلکہ بحیثیتی کہ متعلق عشق ہماں می گردد۔ چنانچہ یکی از اکابر ایں طریق فرمودہ کہ اگر حق جل وعلا درغیر کسوتِ مرشدِ من تجلّی فرماید ہر آئینہ مرا باو التفات درکار نیست۔

از انجملہ عدم اعتنا است بعلوم وطاعاتِ ظاہرہ چہ اشتغال بایں علوم ازجملۂ نظم وترتیب اُمورِ متشتتہ است وازبسکہ کار او بساطت دربساطت است اشتغال بامثال ایں امور کاروبار اورا پریشان می سازد۔

از انجملہ عدم تفطن علاقہ ایست کہ درمیان ظاہر[1] شرع وباطن[2] آں واقع است۔ پس ہرکسی کہ بوجدانِ خود متفطن آں علاقہ می شود عبادت او سراسر مغز بے پوست می گردد واحوال او ممتزج بافعال می شود والّا آں شخص قشری[3] محض ومتقشف[4]

اس لحاظ سے نہیں کہ یہ بزرگوار حضرتِ حق کے فیض کے میزاب ور اسکی ہدایت کا واسطہ ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ عشق کے متعلق وہی ہوتے ہیں چنانچہ اس طریق کے اکابرین سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے علاوہ کسی اور لباس میں تجلی فرمائے تو یقیناً میں اسکی طرف توجہ نہیں کرونگا۔

انہیں آثار میں سے علوم اور ظاہری طاعات سے لاپروائی کرنا ہے کیونکہ ان علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام وترتیب کی قسم سے ہے اور چونکہ اس کا کام پھیلاؤ در پھیلاؤ ہے لہٰذا ایسے امور میں مشغول ہونا اس کے کاروبار کو پریشان کردیتا ہے۔

نیز ان آثارِ حبِ عشقی سے اس تعلق کا نہ سمجھنا ہے جو ظاہر شرع اور باطن شرع کے درمیان ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے وجدان سے اس تعلق کو سمجھ لیتا ہے اسکی عبادت سراسر مغز بے پوست ہوجاتی ہے۔ اس کے احوال، افعال میں گھل مل جاتے ہیں ورنہ وہ محض ایک چھلکا اور صرف زاہد

(بسلسلۂ صفحہ ۱۲۹) را در خواب کہ محبت حق سبحانہ وتعالیٰ بر نہجی استیلا یافتہ است کہ محبت شمارا جا می نماند الی آخر ماقال

[1] مراد از ظاہر شرع امتثالِ اوامر وانتہا از مناہی است

[2] مراد از باطن شرع تعلق قلب است بحضرتِ حق جل وعلا وآں را نسبت گویند ۱۲

علیہ وسلم سے خواب میں فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت اسطرح غالب آگئی ہے کہ آپ کی محبت کیلئے کچھ جگہ نہیں رہی۔ الخ

ظاہر شرع سے مراد اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا ہے۔

باطن شرع سے مراد حضرت حق تبارک وتعالیٰ سے تعلق قلبی ہے اور اس کو نسبت کہتے ہیں۔

[3] قشر: میوہ کا چھلکا۔ درخت کی چھال۔ حیوان وغیرہ کی کھال۔ غرض کسی بھی پوست کو قشر کہا جاتا ہے۔

[4] متقشف، موٹے دھاٹے۔ میلے پرانے کپڑوں پر زندگی بسر کرنے والا فقیر، مراد زاہد خشک ۱۲

محت می گردد۔ اگر فقط تمسک بظاہر افعال شرعیہ کردہ باشد والّا شعبۂ از الحاد درعقائد او راہ می یابد۔ اگر فقط تمسک بباطن شرع نمودہ ظاہر را از درجۂ اعتبار ساقط داند و از بسکہ تفطن بایں علاقہ از قبیل نظم کثرت افعال در وحدت احوال است صاحب حب عشقی را دریں میدان جولانی نیست الّا بتقلید ارباب حب عقلی (ای حب نفسانی)۔ ازیں آثار مذکور باثار دیگر (ای حب ایمانی) بسبب تنگی مقام در نظم تحریر نیامدہ۔ پی بردن براہل فطانت چنداں عسیر نیست۔

خشک ہو جائے گا۔ اگر بظاہر افعالِ شرعیہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہو، ورنہ اس کے عقائد میں الحاد کا ایک شعبہ راہ پالیگا اگر وہ صرف باطن شرع کے ساتھ چمٹا ہوا اور ظاہر کو درجۂ اعتبار سے ساقط کر دیا ہو۔ اس تعلق کا سمجھنا کثرتِ افعال کو وحدتِ احوال میں منظم کرنے کی قسم سے ہے۔ حب عشقی والے کو اس میدان میں حب عقلی والوں کی تقلید ہی سے جولانی حاصل ہوتی ہے۔ مذکورہ حب عشقی کی علامات کے ذریعہ ان علامات کو پالینا جو تنگیٔ مقام کی وجہ سے نظمِ تحریر میں آسکے دانشوروں پہ کوئی دشوار نہیں ہے۔

ثمراتِ حب عشقی

و امّا بیان ثمرات حب عشقی آنکہ بسبب حدّت و شدت کیفیت عشقیہ و قوتِ جذب تجلّی علمی و کمالِ انجذاب روح الٰہی چوں غبار شہادت و مثال منکشف می گردد و حجب نورانیہ و ظلمانیہ منخرق می شود۔ لابد بنا بر اِنجاز وعدہ کہ منطوق کلام لازم الوثوق وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا است و مدلول کلمۂ فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ است مشاہدۂ جمال لایزال حضرت ذو الجلال دست می دہد۔ و معنی قرب و معیت کہ مضمون اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ و اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ

حب عشقی کے نتائج

یہ حب عشقی کے نتائج کا بیان ہے۔ کیفیت عشق کی تیزی اور شدت، تجلی علمی کی قوت جذب اور روح الٰہی کے کمال انجذاب کی وجہ سے جب عالم شہادت و مثال کا غبار چھٹ جاتا ہے، اور نورانی و ظلمانی پردے چاک ہو جاتے ہیں تو بنا بر ایفائے وعدہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو کہ لازم الوثوق کلام کا منطوق ہے اور کلمۂ فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ کا مدلول ہے ضرور حضرت ذو الجلال کے جمالِ لازوال کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور قرب و معیت کا معنی جو اَنَا[1] عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ [2] وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ نیز [3] اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ

[1] میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں (حدیث) [2] میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھے یاد کرے (حدیث) [3] تو اللہ کو یاد رکھ اس کو اپنے آگے

مُتَجَاهَلَ کہ معبر بوصال ہست ہویدا می گردد، و در
جَلدوی تب و تابی و قلق اضطرابی کہ در وقت
حرمان و ہجران تحمل کردہ بود حاصل سرور و ابتہاج
می گردد و خلعتِ مکالمہ و مسامرہ[1] بدست می آید،
بالجملہ سراسیمگی بالفت مبدل می گردد۔ و وحشت
بانست۔ باز چوں قائدِ توفیق دستِ ایں مدہوش
ابتہاجِ مشاہدہ را گرفتہ ببالا می کشد۔ مقامِ فنا
و بقا[2] از پردۂ اختفا بظہور می آرد۔ بیانِ اجمالش
آنکہ چنانکہ آہن پارہ را در آتش می اندازند، و
زبانہائے آتش اورا از ہر جانب محیط می شود۔ بلکہ

مَتَجَدِّہٗ مُتَجَاهَلَ کا مضمون جسکو وصال سے تعبیر کرتے
ہیں ظاہر ہوتا ہے، وہ تب و تاب اور قلق و اضطراب جو
محرومی و مہجوری کے وقت برداشت کیا تھا اس کے عوض
خوشیوں اور مسرّتوں کا حاصل ہو جاتا ہے۔ ہمکلامی و سرگوشی
کی خلعت میسر آتی ہے۔ غرض پریشانی الفت سے اور
وحشت محبّت سے بدل جاتی ہے۔ پھر جب رہنمائے توفیق
اس مشاہدہ کی خوشی کے مدہوش کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا
ہے تو اُس پر فنا و بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے
ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح
لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے اس کو

---

[1] المسامرة محادثة الحق للعبد فی سرہ لانها
فی العرف هی المحادثة لیلاً اصطلاحات کاشی
...... المحادثة خطاب الحق للعبد فی صورة من عالم
الملك کالنداء لموسیٰ من الشجرۃ ۔ کاشی

[2] شیخ بہاؤ الدین ابراہیم عطاء اللہ انصاری در رسالۂ خود
پس از بیان تزکیۂ نفس و تصفیہ دل در بیان تجلیۂ روح می فرماید،
"بعدہ تجلیۂ روح نماید پس حصول حقیقت کہ منزلتی رفیع و مقام
شریف ہست، دریں مقام خلافت دست دہد چنانکہ بزرگی گوید،
اَلصّوفِی اِذَا انْسَلَخَ مِنْ قِشْرِ الْبَشَرِيَّةِ وَالظُّلْمَةِ
نفسُهٗ وَ صَفَتْ قلبه وَعَلَتْ روحه فامره
بید ذلك ای امر اللہ بفعل الصوفی یفعل کیف
یشاء باذنه ۔ اینجا ہر چہ کند بامر او کند و ہر چہ گوید بامر او
گوید و ہر چہ بیند بامر او بیند ۔ ایں را اتصاف گویند نہ اتحاد۔

[1] مسامرہ بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کی اپنے اسرار میں بات چیت کو کہتے
ہیں کیونکہ وہ عرف میں رات کے وقت بات چیت اور قصہ گوئی ہے
اصطلاحات کاشی .... محادثہ حق تعالیٰ کا بندے کو عالم ملک کی کسی
صورت میں خطاب کرنا ہے، جبکہ حضرت موسیٰ کو درخت سے ندا کی گئی۔ کاشی

[2] شیخ بہاؤ الدین ابراہیم عطاء اللہ انصاری اپنے رسالہ میں تزکیۂ
نفس و تصفیۂ دل کے بیان کے بعد تجلیہ روح کے بیان میں فرماتے ہیں،
اس کے بعد روح کا تجلیہ کرے۔ حصول حقیقت جو ایک بلند
منزل اور شریف مقام ہے اس مقام میں خلافت حاصل ہوتی ہے،
چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب صوفی کا نفس پوست بشریت اور
ظلمت سے نکل جاتا ہے اور اس کا دل پاک و صاف اور روح بلند
ہو جاتی ہے اللہ کا امر صوفی کے ہاتھوں میں آجاتا ہے یعنی اللہ کا امر صوفی
کے فعل میں ظہور کرتا ہے۔ اللہ کے اذن سے صوفی جو چاہتا ہے
کرتا ہے۔ اسوقت صوفی جو کچھ کریگا وہ اللہ کے امر سے کریگا اور جو

اجزاءِ لطیفۂ ناریّہ در نفس جوہرِ آن آہن پارہ مداخلت می نماید و شکل و لون او را ہم رنگِ خود می سازد، و حرارت و احراق کہ از خواص نار ہست باو می بخشد۔ ہر آئینہ آن قطعۂ حدیدیّہ معدود از جملہ قبساتِ ناریّہ خواہد شد نہ بآن معنی کہ آن حدید از حقیقت خود متبدل شدہ بنارِ صرف متحول گردیدہ کہ ایں امریست بدیہی البطلان بلکہ ایں آہن پارہ درحقیقت خود آہن ہست لیکن بسبب ہجوم جنودِ شغل ناریہ حدیدیتش مع آثار و احکام خود رو بفرار وردہ در زاویۂ اختفا خمول ورزیدہ۔ پس ہرچہ بہ نار از آثار و احکام مترتب می شد، ہماں آثار و احکام ہتماہا بے کم و کاست بر آہن پارہ ہم می تواند شد نی نی بلکہ آں آثار و احکام حالا ہم مترتب بر ناریست کہ آں آہن پارہ را احاطہ کردہ۔ اما چوں آں نار ایں

ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزائے لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی شکل اور رنگ کو اپنا ہم رنگ بنا دیتے ہیں۔ گرمی اور جلانا جو آگ کے خواص ہیں اس کو عطا کرتے ہیں۔ اس صورت میں یقیناً وہ لوہے کا ٹکڑا انگاروں میں سے شمار کیا جائے گا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ لوہے کا ٹکڑا اپنی حقیقت سے بدل کر خالص آگ ہو گیا ہے۔ کیونکہ ایسا ہونا صریح باطل اور غلط ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا اپنی حقیقت میں صرف لوہا ہے۔ لیکن آگ کے شعلوں کے ہجوم سے اس کا لوہاپن اپنے آثار و احکام کے ساتھ فرار ہو گیا ہے اور خود کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا ہے۔ پس جو کچھ آثار و احکام آگ پہ مترتب ہوتے ہیں وہی آثار و احکام تمام کے تمام بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پہ مترتب ہو سکتے ہیں نہیں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پہ مترتب ہیں جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) زیرا چہ مذہب حلول و اتحاد باطل است کالحدید المحمی چوں آہن در آتش افگنند صفت او گیرد بلکہ مسمی باسم او شود و ہرچہ از آتش صادر شود از و نیز صادر شود وھو الاحراق و گاہ باشد کہ او را از ناسوت بملکوت آرند و گاہ باشد کہ باطن او در عالم ملکوت بود و ظاہر او بملک (در خلافت) ایں (در مشیخت) مقام و قول حضرت رسالت پناہ ہست صلی اللہ علیہ وسلم کہ کُنْ مَعَ الحق ومع الخلق بالظاھر مع الخلق و بالباطن مع الحق بحیث لا یشغلُکَ الخلق عن الحق و الحق عن الخلق و ایں مقام انتہا است و منزلت ولایت و مشیخت ہست جز در یں مرتبہ تصور ندارد کہ الشیخ ھو الکائن والبائن و مقام

کچھ کہیگا اس کے امر سے کہیگا۔ اور جو کچھ دیکھیگا اس کے امر سے دیکھیگا، اس کو اتصاف کہتے ہیں، اتحاد نہیں کہتے (کیونکہ حلول و اتحاد کا مذہب باطل ہے) جیسا کہ گرم کیا ہوا لوہا ہوتا ہے۔ جب لوہے کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے تو وہ آگ کی صفت اختیار کر لیتا ہے بلکہ وہ آگ کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جو بات آگ سے صادر ہوتی ہے اس سے بھی صادر ہوتی ہے یعنی جلانے کی صفت کبھی خلافت میں لیا ہوتا ہے کہ اسکو ناسوت سے ملکوت میں لاتے ہیں اور کبھی مشیخت میں یہ ہوتا ہے کہ اسکا باطن عالم ملکوت میں اور اسکا ظاہر عالم ملک میں ہوتا ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلعم کا قول ہے "تم حق کے ساتھ اور خلق کے ساتھ ہو جاؤ۔ ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ اسطرح کہ خلق حق سے اور حق خلق سے تمکو مشغول نہ کر دے"۔ یہ ابتداء کا مقام اور ولایت و مشیخت کی منزل ہے۔ اس مرتبہ میں شیخ کے سوا کسی اور کا تصور نہیں ہوتا کہ شیخ کائن و بائن ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آہن پارہ را مرکب خود ساختہ عرش سلطنت خود قرار دادہ ایں آثار و احکام را باں آہن پارہ نسبت می تواں کرد۔ چنانچہ وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ تصریحی ست ازاں و فَاَرَادَ رَبُّكَ تلویحی ست باں۔ القصہ اگر آں آہن پارہ را دریں حال مجالِ مقال بودی ہر آئینہ بصد زباں آوازۂ عینیتِ خود با نار و غلغلۂ اتحادِ نار با حدید در گنبدِ افلاک انداختی البتہ البتہ ساعتی از خود رفتہ و از حقیقت خود غافل گشتہ بایں کلمہ متکلم شدی کہ من اخگری[1] از آتش سوزانم و منم آنکہ کاروبار طباخاں و حداداں و صواغاں بلکہ جمیع اربابِ صنایع منوط بمن ست۔

ہمچنیں چوں امواج جذب و کشش رحمانی نفس کاملۂ ایں طالب را در قعرِ لجج بحار احدیت فرو می کشد زمزمۂ انا الحق و لیس فی جبتی سوی اللہ ازاں سر بر می زند کہ کلام ہدایت التیام کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ

لوہے کے ٹکڑے کو گھیرے ہوئے ہیں۔ چونکہ اس آگ نے لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنالیا ہے اور اپنی سلطنت کا تخت قرار دیا ہے، اس لئے ان آثار و احکام کو لوہے کے ٹکڑے کے ساتھ نسبت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ (میں نے اس کام کو اپنے اختیار سے نہیں کیا (سورۂ کہف ع)) اسی کی تصریح ہے اور فَاَرَادَ رَبُّكَ (آپ کے رب نے ارادہ کیا۔ سورۂ کہف ع) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ القصہ اس لوہے کے ٹکڑے کو اس حالت میں مجالِ گفتگو ہوتی تو یقیناً وہ دنیا میں سو زبان سے آگ کے ساتھ اپنی عینیت اور لوہے کے ساتھ آگ کے اتحاد کا شور مچاتا اور ضرور بضرور ایک ساعت کے لئے خود کو فراموش اور اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا ایک انگارہ ہوں اور میں وہ ہوں کہ باورچیوں، لوہاروں، سناروں بلکہ تمام صنعت کاروں کے کاروبار مجھی سے وابستہ ہیں۔

اسی طرح جب جذب و کشش رحمانی کی موجیں اس طالب کے نفس کامل کو دریائے احدیت کی گہرائی اور تہ میں کھینچ لیجاتی ہیں تو اَنَا الْحَقُّ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سوی اللہ کی زمزمہ سنجی اس سے ہونے لگتی ہے اور

(انا الحق میں خدا ہوں۔ قول حضرت منصور رحمۃ اللہ۔ بجز اللہ کے میرے جبہ میں کچھ نہیں ۴ (قول حضرت بایزید بسطامی))

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) مشیخت بالاتر از مقام ولایت است لِاَنَّ مقام الولایۃ ھو الفناء فی اللہ والبقاء باللہ والظھور باسم اللہ وصفاتہ والمشیخۃ ھو التصرف فی عالم الملک والملکوت باذن اللہ تعالیٰ وامرہٖ۔ انتہیٰ

[1] قبس بالفتح و سکون ثانی و سین مہملہ آتش گرفتن و بفتحین یعنی پارۂ آتش کہ مبلے دود باشد ۱۲ غیاث اللغات۔

مشیخت کا مقام ولایت کے مقام سے بلند تر ہے۔ کیونکہ ولایت کا مقام فنا فی اللہ و بقا باللہ اور ظہور باسم اللہ و صفات ہے اور مشیخت عالم ملک و ملکوت یعنی غیب و شہادت میں اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے تصرف کو کہتے ہیں۔

قبس قاف کو زبر با کو جزم سین مہملہ کے ساتھ۔ آگ لینا دونوں کو زبر کے ساتھ، آگ کا وہ ٹکڑا جس میں دھواں نہ ہو۔ (غیاث و منتخب)

بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا و در روایتی وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ حکایتی است ازاں واذ قال اللّٰه علیٰ لِسَانِ نَبِيِّهٖ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ کنایتی است ازاں ۔ ایں مقالی است بس باریک و مسئلہ ایست بس نازک، باید کہ دراں نیک تأمل کنی و تفصیل او در مقامی دیگر تفویض نمائی ؎

وَوَرَاءَ ذَاكَ فَلَا أَقُوْلُ لِأَنَّهٗ
سِرٌّ لِسَانُ النُّطْقِ عَنْهُ أَخْرَسُ

وزنہار بریں معاملہ تعجب نہ نمائی و بانکار پیش نہ آئی ۔ زیراکہ چوں از نار وادی مقدس ندائی إِنِّيْ أَنَا اللّٰه رب العالمین سر بر زد، اگر از نفس کاملہ کہ اشرف موجودات و نمونۂ حضرت ذات است آواز انا الحق بر آید محل تعجب نیست، و از جملہ لوازم ایں مقام صدور خوارق غریبہ و ظہور تاثیرات قویہ و استجابت دعوات و دفع بلیات است لَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهٗ

اور یہ کلام ہدایت النیام [۱] كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا اور ایک روایت کے اعتبار سے [۲] وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ اسی کی حکایت کر رہا ہے اور حدیث [۳] وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور حدیث [۴] يَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ اسی سے کنایہ ہے یہ بہت ہی باریک اور لطیف بات ہے اور نہایت نازک و دقیق مسئلہ ہے، اس میں اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہئے ۔ اور تفصیل کو کسی دوسرے مقام پر اٹھا رکھنا چاہئے ۔ (ترجمۂ شعر) :-

اور اس کے سوا میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ یہ ایسا بھید ہے
جس سے بات کرنے والی زبان گونگی ہے ۔

تم اس معاملہ میں ہرگز تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادیٔ مقدس کی آگ سے [۵] إِنِّيْ أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ کی آواز بلند ہوتی ہے تو کسی نفس کامل سے جو اشرف موجودات اور حضرت ذات کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز نکلے تو مقام تعجب نہیں ہے اور اس مقام کے لوازمات میں عجیب خوارق عادات کا صادر ہونا قوی تاثیرات کا ظاہر ہونا، دعاؤں کا قبول ہونا اور بلاؤں کا دفع کرنا ہے حدیث [۶] لَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ ۔

---

۱ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ۔ (حدیث قدسی)

۲ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے ۔

۳ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہا "اللہ نے اسکی بات کو سُن لیا جس نے اسکی حمد کی ۔

۴ اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۔

۵ بیشک میں اللہ ہوں تمام عالموں کا پروردگار ہوں ۔ سورۂ قصص رکوع ۴

مصرح است باین معنی واز جملہ لوازم آں ظہور
نکبت و وبال بر عدو بدسگال این صاحب حال است
کہ مَنْ عَادیٰ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ
مفید مبین مضمون است۔ باز اگر لطیفہ دیگر از
غیب وجذبی جدید از پردۂ لاریب باو می رسد
ادراک او وسعتی بس عظیم وپہنائی بس فخیم پیدا می
کند کہ بسبب آں اضمحلال جمیع حقائق کونیہ و
موجودات امکانیہ درجنب ذات بیچوں ہویدا می
گردد ونسبتی کہ مابین نفس ایں طالب وحضرت
حق ظاہر شدہ بود ہماں نسبت درمیان ہر چیزے
کہ در عرصۂ وجود بظہور رسیدہ وحضرت حق
روشن می گردد۔

بالجملہ انبساط قیومیۂ حضرت حق بر بساط
وجود وقیام ایں حقائق متکثرہ باں ذات
متوحدہ مدرک می گردد بہ مضمون ھُوَ الْاَوَّلُ
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ
شَیْئٍ مُّحِیْطٌ وَلَوْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ
السَّابِعَۃِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ دم می زند،
سبحان اللہ زہی تاثیر حب عشقی وخہی جذب
تجلی علمی کہ بسبب آں ایں مشت خاک درمقام
مقدس وپاک چہ قدر چالاک گردیدہ وایں تراب

لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ[1]
لَاُعِیْذَنَّہٗ اسی معنی کی وضاحت کرتی ہے نیز اسی مقام کے
لوازمات میں سے اس صاحبِ حال کے بداندیش دشمن پر نکبت و وبال
کا ظاہر ہونا ہے (حدیث)[2] مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ
بِالْحَرْبِ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر اگر غیب سے کوئی دوسرا
لطیفہ اور پردۂ لاریب سے ایک نیا جذبہ اس کو پہنچتا ہے تو اس کے
ادراک میں عظیم الشان وسعت اور بڑی کشادگی حاصل ہوتی ہے جس کی
وجہ سے تمام حقائق کونیہ اور موجودات امکانیہ ذات بیچوں کے پہلو
میں فانی ہوتے نظر آتے ہیں اور جو نسبت اس طالب کی ذات اور
حضرت حق کے درمیان ہوئی تھی وہی نسبت ہر موجود چیز جو عرصۂ
وجود میں ظہور پذیر ہو چکی ہے اس کے اور حضرت حق کے
درمیان ظاہر ہوتی ہے۔

حاصل کلام طالب کو بساط وجود پر حضرت حق کی قیومیت
کا انبساط اور اس ذات واحد کے ساتھ کثیر حقائق کا قیام سمجھ میں
آجاتا ہے آیت شریفہ[3] ھو الاول والاخر والظاہر و
الباطن وھو بکل شیئ محیط اور حدیث لو
دلیتم[4] بحبل الی الارض السابعۃ السفلی
لھبط علی اللہ کے مضمون پر لب کشائی کرتا ہے۔
سبحان اللہ حب عشقی کی کیا ہی عمدہ تاثیر ہے اور تجلی علمی کا
کیا ہی اچھا جذبہ ہے کہ جس کی وجہ سے یہ مشت خاک اس پاک
اور مقدس مقام میں کس قدر چالاک ہو گئی ہے اور یہ حقیر مٹی

[1] اگر مجھ سے کوئی مانگے اس کو ضرور دوں گا اور اگر میرے نزدیک پناہ چاہے البتہ اس کو پناہ دوں گا حدیث قدسی
[2] جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ (حدیث قدسی۔)
[3] وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو محیط ہے۔ سورۂ حدید رکوع ۱ [4] اگر تم رسی کو سب سے نچلی ساتویں زمین تک چھوڑ دو تو وہ اللہ تعالیٰ پر جا گرے گی (حدیث)

مہین در مجلس قرب رب الارباب عظیم چہ مُقعدِ
صدق و مقام کریم یافتہ ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جانِ طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صاعقا

واز لوازم این مقام است دم از وحدت وجود زدن و لب بمعارف الٰہیہ کشودن و ترنّم بمضامین این ابیات نمودن ؎

آنچہ نی می گوید اندر زیر و بم
فاش گر گویم جہاں برہم زنم
جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

این ہست آنچہ از احکام حب نفسانی (ای حب عشقی) ضروری البیان بود، فاما شرح وبسط این احکام خصوصًا تفاصیل مقام فنا وبقا از کتب قوم باید طلبید، و بزرگان ازیں کمال بقرب النوافل تعبیر می فرمایند

طریق نبوت در طریق نبوت نیز اسباب تحصیل حب ایمانی و مؤیدات او، و آثارِ او، و ثمراتِ او است، دریں مقام نیز ترجمان ہر یکی ازیں امور اربعہ بقلم می آید۔

اسبابِ حبِ ایمانی

اما بیان اسباب تحصیل حب ایمانی اینست کہ

رب الارباب عظیم کی مجلس قرب میں کیا ہی عمدہ نشستگاہ اور مقام حاصل کرلی ہے (ترجمۂ اشعار)

جسم خاکی عشق کی وجہ سے آسمانوں پہ پہنچ گیا اور اسی عشق کی بدولت کوہ طور رقص میں آگیا اور چالاک ہوگیا۔

ای عاشق عشق کوہ طور کی جان بن گیا۔ جس کی وجہ سے طور مست ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام برق تجلی کی زد میں آکر مدہوش ہوکر گر پڑے ــــ اس مقام کے لوازمات سے وحدت وجود کا دم مارنا معارف الٰہیہ میں لب کشائی کرنا اور ان ابیات کے مضامین گنگنانا ہے۔ (ترجمۂ اشعار)

بانسری اپنے زیر و بم میں جو کچھ کہہ رہی ہے اگر میں اسکو ظاہر کردوں تو یہ جہان درہم برہم ہو جائے گا۔

جملہ معشوق ہے اور عاشق صرف ایک پردہ و حجاب ہے زندہ معشوق ہے اور عاشق محض مُردہ ہے۔

حبِ نفسانی یعنی حبِ عشقی کے احکام میں جن کا بیان ضروری تھا تو ان کا ذکر کردیا گیا۔ ان احکام کی شرح وبسط خصوصًا مقام فنا وبقا کی تفصیلات صوفیاء کرام کی کتابوں سے حاصل کرنی چاہیئے۔ بزرگوں نے اس کمال کو قرب نوافل سے تعبیر فرمایا ہے۔

طریق نبوت طریق نبوت میں بھی محبت ایمانی کو حاصل کرنے کے اسباب، اسکی مؤیدات، اس کے آثار اور اس کے ثمرات ہوتے ہیں۔ اس مقام میں بھی ان چار امور میں سے ہر ایک کی تشریح قلمبند کی جاتی ہے۔

محبتِ ایمانی کے اسباب

یہ محبت ایمانی کو حاصل کرنے کے اسباب کا بیان ہے۔

انسان در اصل خلقت خود بر چند چیز مفطور است و استحسانِ آں امور و استہجانِ اضداد آنہا در جذرِ جبلّتِ او ودیعت نہادہ اند، و ہر فردی ازیں نوع کہ لوحِ جبلّتِ او از نقوشِ باطلہ تقلید اربابِ جہل و عناد کہ فطرتِ خود را فاسد کردہ و احکامِ جبلت خود را از دست دادہ اند۔ صافی باشد۔ البتہ ایں امور را از مفاخر و مناقب خود بلکہ جمیع ابناءِ خود می شمرد، و اضداد آنہا را از نقائص و معائب خود و امثالِ خود می دانند، و ہر کرا از ابناءِ نوع خود عاطل، ازیں امور خالی از طلبِ آنہا می بیند البتہ او را از زمرۂ اغبیاء و سفہا می دارند۔

از عمدۂ آں امور حبِ منعم و تعظیمِ او ست و ترجیح جانبِ او بر ما سوائے او شکر نعمائے او و تحمّلِ مشاق و ترکِ مالوفات و صرفِ مرغوبات در ابتغاءِ رضاءِ او۔ و خود را در زمرۂ بندگانِ او شمردن و نفسِ خود را ناچیزِ محض در جنبِ او دیدن و زباں را بمدحِ او کشادن و جوارح را در خدمت او بکار آوردن و گردن در زیرِ بارِ منت او فرو کردن، و منت او را بر خود قولاً و فعلاً اظہار نمودن و مرغوباتِ خود را در انقیادِ او باختن و دل را بر عزیمتِ امتثالِ اوامر و رضاجوئی او محکم داشتن و از خضوع و نیاز او عار نکردن، گو کہ

انسان اپنی اصل خلقت میں چند اُمور پر پیدا کیا گیا ہے۔ ان امور کو اچھا جاننا اور ان کے اضداد کو بُرا سمجھنا اس کی اصل جبلّت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ نوع انسان کا ہر ایک فرد جس کی جبلّت کی لوح یعنی تختی ان اربابِ جہل و عناد کی تقلید کے باطل نقوش سے صاف ہوتی ہے جنہوں نے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا ہے اور اپنی جبلّت کے احکام کو ہاتھ سے کھو دیا ہے البتہ وہ ان امور کو اپنے بلکہ اپنے تمام ہمجنسوں کے لئے مناقب و مفاخر سے شمار کرتا ہے اور ان کے اضداد کو اپنے اور اپنے تمام ہمجنسوں کے لئے نقائص و معائب سمجھتا ہے۔ اپنے ہمجنسوں میں سے کسی کو بھی ان اُمور سے خالی اور ان کی طلب سے بے رغبت دیکھتا ہے تو البتہ اس کو کم عقلوں اور بے وقوفوں کی جماعت سے سمجھتا ہے۔

ان اُمور میں سے عمدہ منعم کی محبّت اور اس کی تعظیم ہے، نیز اس کے رخ اور جانب کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اسکی نعمتوں کا شکر بجالانا اس کی رضاجوئی کے لئے مشقتوں کو برداشت کرنا، مالوفات کو ترک مرغوبات کو خرچ کرنا اور خود کو اسی کے بندوں میں شمار کرنا اپنی ذات کو اس کے سامنے ناچیز محض دیکھنا، زبان کو اسکی حمد و ثنا میں کھولنا، اسکی خدمت میں اپنے جوارح یعنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو کام میں لانا، گردن کو اس کے بارِ احسان سے جھکانا اپنے اوپر اس کے فضل و احسان کو قول و فعل سے ظاہر کرنا، اپنی پسندیدہ چیزوں کو اسکی اطاعت میں لٹانا، دل کو اس کی رضاجوئی اور اوامر کے بجالانے کے عزم پہ مضبوط رکھنا، اس کے آگے خضوع

ممارستِ امور خسیسہ یا شاقہ پیش آید و استقامت و مداومت بر امور مذکورہ کہ خلاصۂ آں حق شناسی منعم است نمودن۔

وبالجملہ خلاصۂ ایں کلمات آنکہ انسان جیدالفطرۃ را باسم خود علاقہ بہم می رسد کہ ہرگز از عہدۂ آں مدت العمر ہیچ خدمتی از خدمات بیروں نمی تواند شد و ہیچ چیز را بمقابل نعمائے او نمی تواند شناخت و جزائے تحمل مشاق در بجا آوردن خدمات جز رضائے او نمی تواند دانست واگر نیک تامل کنی[1] فردے را از افراد انسان کہ در جودت فطرت مسلم اقران خود باشد خالی ازیں امور نخواہی یافت و تمادح بمحبت منعم وتباہی وتفاخر بآں واجتناب از کفران منعم ونفرت ازاں وتسابب وتشاتم بآں درمابین افراد ایں نوع جاری است مثلاً اگر کسی را بہ برِ والدین وخیر خواہی موالی نمک حلالی آقا وتعظیم استاذ وانقیاد وسلاطین یاد کنی البتہ آں شخص ایں قول را از جملہ مدائح خود خواہد شمرد واو را بایں مدح سرورے وابتہاجی حاصل خواہد شد۔ بلکہ جہتی وسعی در نفع رسانیدن در دلِ او بہ نسبت ایں قائل استقراری خواہد یافت واگر بعقوق والدین واباق از مولی ونمک حرامی از آقا واہانت استاذ وبغی بر سلاطین بکسی نسبت کنی البتہ آں شخص ایں قول را ذم وہجو خود دانستہ آشفتگی وغضبی

ونیاز سے شرم نہ کرنا گو کہ خسیس و دشوار امور بار بار پیش آئیں اور امور مذکورہ پر جن کا خلاصہ منعم کی حق شناسی ہے، استقامت رکھنا اور ہمیشگی اختیار کرنا ان فطری اُمور سے ہے۔

غرض ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایسا تعلق پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ ہرگز ساری عمر کسی بھی خدمت سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اور کسی بھی چیز کو اس کی نعمتوں کے برابر نہیں سمجھ سکتا۔ خدمات بجالانے میں مشقتوں کے جھیلنے کا بدلہ اسکی رضامندی کے سوا کچھ نہیں جان سکتا۔ اگر تم اچھی طرح غور کروگے تو افراد انسان میں سے کسی فرد کو بھی جسکی فطرت کی عمدگی اپنے تمام ہمسروں میں مسلّم ہے، ان امور سے خالی نہ پاؤگے منعم کی محبت میں مدح سرائی اور اس پر فخر ومباہات کرنا منعم کے ساتھ کفران نعمت سے پرہیز اور نفرت، کفران نعمت کی وجہ سے گالی ودشنام دہی افرادِ انسان کے درمیان جاری ہے، مثلاً اگر تم کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی واحسان، مالک کی خیر خواہی، آقا سے نمک حلالی، استاذ کی تعظیم اور بادشاہوں کی اطاعت سے موصوف کروگے تو البتہ وہ شخص اس بات کو اپنی تعریف وستائش سمجھیگا اور اس کو اس تعریف سے خوشی ومسرت حاصل ہوگی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس طرح کہنے والے کے ساتھ اور اس کو نفع پہنچانے کی کوشش کا جذبہ اس کے دل میں بیٹھ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر تم کسی آدمی کو والدین کی نافرمانی، مالک سے بھگوڑاپن آقا سے نمک حرامی، استاد کی اہانت اور بادشاہوں سے بغاوت منسوب کروگے تو یقیناً وہ اس بات کو اپنی ہجو اور مذمت

[1] کوشش کرنا: تجربہ کرنا، تلاش وجستجو کرنا کسی کام میں کوشش بہم پہنچانا "

ولبعضی وسعی در ایذاء قائل بهم رساند۔

واز فروغ حب منعم است تعظیم شعائر او یعنی اموریکه بآں مناسبتی خاص می دارد بحیثیتی که ذہن کسیکه واقف بآں مناسبت باشد ازاں امور بآں منعم انتقال می کند مثل تعظیم نام او و کلام او، لباس او، وسلاح او حتی که مرکب او، ومسکن او۔ چنانچہ برکسی کہ ممارست ایں امور کردہ ومجالست باحقوق شناسان از امرأ عظام بلکہ جمیع مصاحبان کرام در تعظیم ایشاں را مر فرمان بادشاہی وتخت بادشاہی را دیدہ پوشیدہ نخواہد ماند۔ وچوں تعظیم شعائر منعم بکمال می رسد باعث تعظیم ہر چیزی کہ مؤید حب ومروج شکر او باشد می گردد۔ مثلاً تعظیم کسی کہ بہ شکر او دعوت می نماید، یا خدمت گذاری وتائید ایں محب می کند یا اعلام نعم او می نماید وچوں ایں مرتبہ ہم قوت می گیرد ورو بافراط وغلو می نہد، باعث تعظیم اموری می شود کہ از محب در تعظیم منعم وخدمت گذاری او بظہور رسیدہ مثل تعظیم اقوالی وافعالی کہ بازاء نعم او بجا آوردہ وتعظیم اموالی کہ در رضاء جوئی او باختہ۔ ندانی کہ ایں از قبیل عجب باقوال وافعال خود واختیال صرف اموال خود است زیرا کہ آں اقوال وافعال و اموال را دو جہت ہست، ایک جہت از کمالات و طاعات محب است واز جہت ثانیہ از شعائر منعم

جانتے ہوئے اس طرح کہنے والے پر غیظ وغضب میں آ جائیگا اور اس کی ایذا رسانی کے درپئے ہو جائے گا ــــ منعم کے شعائر کی تعظیم منعم کی محبت کو فروغ دیتی ہے یعنی وہ امور جو منعم کے ساتھ ایک خاص مناسبت رکھتے ہوں، اس طرح کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو اس کا ذہن ان امور کا خیال آتے ہی منعم کی طرف منتقل ہو جائے، جیسے اس کے نام کلام لباس ہتھیار یہاں تک کہ اس کی سواری اور گھر کی تعظیم کرنا۔ چنانچہ یہ بات اس آدمی سے پوشیدہ نہیں، جس کو ان امور کا تجربہ ہے اور حقوق شناسوں کے ساتھ رہ کر ان کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بڑے بڑے امراء بلکہ تمام مصاحبین کرام جو حقوق شناس ہوتے وہ فرمان شاہی اور تخت شاہی کی تعظیم کرتے ہیں۔ جب منعم کے شعائر کی تعظیم درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ہر اس شئی کی تعظیم کا باعث ہوتی ہے جو منعم کی محبت کی مؤید اور اس کے شکر کی مروج ہوتی ہے۔ جیسے اس شخص کی تعظیم جو اس کی شکر گذاری کی طرف دعوت دیتا ہے یا ایسے محب کی خدمت گذاری اور تائید کرتا ہے اس کی نعمتوں پر آگاہی دیتا ہے۔ جب یہ مرتبہ قوی ہوتا ہے، اور انتہائی طور پر ترقی کر جاتا ہے تو ان امور کی تعظیم کا باعث ہوتا ہے۔ جو محب سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گذاری میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ مثلاً ان اقوال وافعال کی تعظیم جو اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں بجا لایا تھا اور ان اموال کی تعظیم جو اس کی رضا جوئی کے لئے لٹایا تھا۔ اس سے تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ بات اپنے اقوال وافعال اور اپنے مال خرچ کرنے پر فخر وغرور کی قسم سے ہے، کیونکہ ان اقوال افعال اور اموال کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت سے وہ محب کے کمالات وطاعات سے ہیں اور دوسری جہت سے وہ منعم کے شعائر سے ہیں، ان کی تعظیم جہت اولی

وتعظیم آں بہ جہت ثانیہ متعلق شدہ نہ بہ جہت اولیٰ۔

حبِ جوادؔ[1] وازاں جملہ حب جواد ست ومراد از جواد شخصی ست کہ افاضۂ امور نافعہ لابغرض نماید۔ چہ ہر انسان سلیم الفطرت ہر کرا بایں صفت موصوف می داند بالطبع اورا دوست می دارد۔ حالانکہ ہیچ یکی را جواد حقیقتًا نتواں گفت چہ ہر کہ سوائے حق جل وعلا سعی در فیض رسانی بجامی آرد، ہر آئینہ اورا غرضی از اغراض دنیہ یا دنیویہ از ابتغاءِ مرضی حق یا طلب ثواب جزیل، یا دفع عذاب اخروی یا تہذیب اخلاق خود یا طلب نام ونشان خود یا انتشار صیت وسخا وکرم وثنا و مدح در اقرأن خود یا امثالِ ایں امور باعث ایں افاضہ و کرم گردیدہ چہ جائے جواد مطلق کہ صفت جود حقیقتًا در ذات فیاضۂ او منحصر ست وبس۔

تعظیم صمد وازانجملہ تعظیم صمد ست، و مراد از صمد شخصی ست کہ خود بے نیاز باشد وغیر او را بسوئے او احتیاج پیش آید وایں صمدیت امر الیست مُشَکَّکْ در کمال ونقصان چہ استغنا از اکل وشرب وجماع وامثال آں از لوازم حیوانیت مرتبہ الیست از صمدیت واستغنا از جہت وشکل ولون وامثال آں از لوازم جسمانیت مرتبہ الیست فوق ازاں۔ واستغنا

سے نہیں بلکہ جہت ثانیہ سے متعلق ہے۔

محبت جواد منجملہ ان امور کے محبت جواد ہے۔ جوادؔ سے مراد وہ ہستی ہے جو بلا غرض نفع بخش امور کا افاضہ کرتی ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان جس آدمی کو اس صفت سے متصف پاتا ہے بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے، حالانکہ کسی ایک کو بھی حقیقتًا جواد نہیں کہہ سکتے کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ کے سوا جو شخص بھی فیض رسانی میں کوشش کرتا ہے البتہ اس کو دینی یا دنیوی غرض میں سے کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے، جیسے خوشنودیٔ حق کی خواہش ثواب کثیر کی طلب، عذابِ آخرت کا دفعیہ، اپنے اخلاق کی آراستگی، اپنے نام ونمود کی آرزو، اپنے ہمسروں میں سخاوت کرم، مدح وستائش کی شہرت یا اس قسم کے امور جو اس فیاضی اور کرم کا باعث ہوتے ہیں انجام دیتا ہے۔ جواد مطلق کے کیا کہنے حقیقتًا صفتِ جود اسی کی ذات فیاض میں منحصر ہے اور بس۔

تعظیم صمد منجملہ ان امور کے تعظیم صمد ہے صمد سے مراد وہ ہستی ہے جو خود بے نیاز ہو دوسروں کو اس کی طرف احتیاج پیش آئے۔ یہ صمدیت ایسا امر ہے جو کمال اور نقصان میں مُشَکِّک ہے۔ کیونکہ خورد ونوش جماع اور ایسے ہی لوازم حیوانیت سے استغنا اور بے نیازی صمدیت کا ایک مرتبہ ہے، نیز جہت، شکل رنگ اور اس قسم کے لوازم جسمانیت سے استغناء اور بے نیازی بھی اس سے اونچا مرتبہ ہے۔

---

[1] بفتح اوّل وتخفیف واو بسیار جود کنندہ ونام حق تعالیٰ و بہ تشدید واو خطا است۔ کذا فی الغیاث ۱۲

پہلے حرف کو زبر اور واو کو تخفیف کے ساتھ، معنی بے انتہا سخاوت کرنے والا، یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ واو کو تشدید سے پڑھنا غلط ہے۔ (غیاث اللغات ۱۲)

ازمعین ووزیر وشریک ومُشیر وآلات ووسائط وامثالِ آں ازلوازم عجز وہمچنیں استغنا از جواسیس و ہرکارہا وخفیہ نویسان ووقائع نگاران وامثال آں ازلوازم جہل مرتبہ ایست فوق ازاں واستغنا ازعلت خواہ فاعل باشد خواہ قابل کہ مسمّٰی بوجوب است مرتبہ ایست فوق ازاں ودیگر مراتب فوقانیہ را بریں قیاس باید کرد۔ ہمچنیں مراتب احتیاج غیر بسوئے او نیز متفاوت است چہ احتیاج در استحلال مشکلات واستدفاع بلیات مرتبہ ایست ودر تربیت از تغذیہ[1] وتنمیہ[2] مرتبہ ایست فوق ازاں۔ ودر حصول جوارح[3] وقوئے بسوئے ایجاد وعنایت او مرتبہ ایست فوق ازاں ودر نفس وجود وبقاء او یعنی در خروج از کتم عدم وظہور بر منصۂ وجود مرتبہ ایست فوق ازاں ودیگر مراتب فوقانیہ را بریں قیاس باید کرد۔ وبازاء ہر مرتبہ از صمدیت مرتبہ است از تعظیم کہ مثل آں باشد در کمال ونقصان یعنی ہر قدر کہ صمدیت عالی تر واحتیاج بسوئے او قوی تر باشد تعظیمی کہ مقابل او است کامل تر وخاضع تر خواہد بود۔

بالجملہ صمدیت وتعظیم را مثل دو پلۂ میزان قیاس باید کرد کہ ہر قدر یکہ یک پلّہ علو ورفعت بہم می رساند ہموں قدر پلّہ دیگر بانحطاط وپستی رو می نہد۔

اور مددگار، وزیر، شریک، مشیر آلات وذرائع اور اس قسم کے لوازم عجز سے بے نیازی، اسی طرح جاسوسوں، ہرکاروں، خفیہ نویسوں، وقائع نگاروں اور ایسے ہی لوازم جہل سے استغناء بے نیازی اس سے بلند مرتبہ ہے اور علت سے استغناء بے نیازی خواہ وہ فاعل ہو یا قابل، جو بالفاظ دیگر وجوب سے موسوم ہے، اس سے بھی بلند مرتبہ ہے، دوسرے بلند مراتب کو انہیں پر قیاس کرنا چاہئے۔ اسی طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے مراتب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ کیونکہ مشکلات کے حل اور بلیات کے دفع میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے۔ غذا حاصل کرنے اور نشو و نما کے لئے تربیت میں محتاج ہونا اس سے اونچا مرتبہ ہے اور قویٰ وجوارح کے حاصل کرنے میں اسکی ایجاد وعنایت کی طرف محتاج ہونا اس سے بلند مرتبہ ہے، نیز نفس وجود اور اس کی بقا میں یعنی کتم عدم سے نکلنے اور منصۂ وجود پر جلوہ پذیر ہونے میں محتاج ہونا اس سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ دوسرے اونچے مراتب کو انہیں پر قیاس کرنا چاہئے۔ صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال ونقصان میں اس کے مثل ہوتا ہے یعنی جس قدر صمدیت عالی تر ہوگی احتیاج اس کی طرف قوی تر ہوگا، اسی قدر تعظیم بھی جو اس کے مقابل ہے کامل تر اور عاجز تر ہوگی۔

الغرض صمدیت اور تعظیم کو ترازو کے دو پلڑوں کی طرح قیاس کرنا چاہئے۔ جسقدر ایک پلڑا بلند اور اونچا ہوگا اسی قدر دوسرا پلڑا پست اور نیچا ہو جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کسی

[1] تغذیہ۔ غذا دینا۔ پالنا۔ غذا حاصل کرنا ہے [2] تنمیہ، انسان، جوان یا درخت کا بڑھنا
[3] ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء آدمی ۱۲

آیا نمی بینی کہ ہیچ یکی از متدینان بملتی خواہ حق باشد
خواہ باطل عبادت را کہ غایتِ تعظیم است در
حق کسی بغیر اثباتِ صمدیت او یعنی استغناءِ او
از حاجات امثالِ خود و احتیاج خود بسوئے او
در حوائج و مشکلات تجویز نمی نمایند بلکہ ہمیں صمدیت
برہ استحقاقِ آنہا مر عبادات را استدلال می نمایند
و شارع نیز معبودیت معبودانِ باطل را بنفی صمدیت
از ایشاں ابطال فرمودہ کہ جابجا اثبات احتیاج آنہا
نمودہ و عدمِ احتیاج ایں عابدین در ہیچ یکے از
حوائج بسوئے آنہا اظہار کردہ چنانچہ بر اہلِ مہارت
از علماءِ تفسیر پوشیدہ نیست ۔

حبِ اہلِ کمال

و از انجملہ حبِ اہلِ کمال و تعظیم آنہا است و ایں
امر در ظہور و بداہت بمرتبۂ رسیدہ کہ مستغنی از بیان
است چہ ہر سلیم الفطرت ہر کس را کہ متصف بکمال
می داند مثل علم و ذکا و قوت و قدرت و حسن صورت
و سیرت و وقار و تمکیں و امثال آنہا البتہ از تہ دل
او را دوست می دارد و ہر قدر یکہ ممکن باشد از تعظیم
و تفخیم او بجا می آرد ۔ و در مجالست و مصاحبت
او می کوشد و از بسکہ صفاتِ کاملہ در مراتب کمال
و نقصان تفاوت فاحش می دارد ۔ و مراتب حب و
تعظیم کہ بازاءِ آنہا است ناچار متفاوت خواہد شد ۔
بالجملہ چوں ہر یکی ازیں امور مذکورہ در احداث

بھی مذہب کے ماننے والے چاہے وہ مذہب حق ہو یا باطل، عبادت
کو جو انتہا درجہ کی تعظیم ہے کسی کے حق میں اسکی صمدیت کو
ثابت کئے بغیر یعنی اپنے جیسوں کی حاجات سے اس کا مستغنی
ہونا اور اپنی ضروریات و مشکلات میں اس کی طرف احتیاج
کی بے نیازی کے بغیر جائز نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ وہ اسی صمدیت
سے اس کے مستحق عبادات ہونے پر استدلال کرتے ہیں ۔ شارع
نے بھی معبودانِ باطل کی معبودیت کا ابطال، ان سے صمدیت
کی نفی کے ذریعہ کیا ہے، چنانچہ جا بجا ان کے احتیاج کو ثابت
کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے عبادت گذاروں سے
کوئی شخص بھی اپنی حاجتوں میں ان کا محتاج نہیں ہے اور
یہ بات ماہر علمائے تفسیر سے پوشیدہ نہیں ہے ۔

اہلِ کمال کی محبت

منجملہ ان امور کے اہل کمال کی محبت اور ان کی
تعظیم ہے ۔ یہ بات اس قدر بدیہی اور ظاہر ہے کہ بیان
کی کچھ حاجت نہیں، کیونکہ ہر سلیم الفطرت آدمی جس شخص کو کسی
کمال سے متصف جانتا ہے ۔ مثلاً علم و ذکاوت، قوت و قدرت
حسن صورت و سیرت، وقار و تمکین اور ایسی ہی صفات
سے آراستہ دیکھتا ہے تو یقیناً اس کو دل سے دوست رکھتا
ہے اور جسقدر ممکن ہو اسکی تعظیم و تکریم بجا لاتا ہے ۔ نیز اس کی
دوستی اور ہمنشینی کی کوشش کرتا ہے ۔ چونکہ صفاتِ کاملہ
مراتب کمال و نقصان میں بعید اختلاف رکھتے ہیں ۔ لہٰذا
محبت و تعظیم کے مراتب جو ان کے مقابل میں ہیں ناچار مختلف
ہوں گے ۔ حاصل یہ ہے کہ جب ان امور مذکورہ میں سے

حب عقلی در باطنِ انسانِ سلیم الفطرت کافی ست اجتماع این ہمہ لاسیما کہ دراقصائے مراتب کمال باشد موجب ازدیادِ حب و باعثِ حدوثِ فرطِ تعظیم کہ فوق ازاں متصور نیست البتہ خواہد شد۔

پس منعم حقیقی و جواد مطلق چوں نجات افرادِ انسان را از مصائب اخرویہ و نیل ایشان را بمناصب علیہ جز بحصول اقوای مراتب حب حق جل وعلا ممزوج بغایت تعظیم او ندانست و آنچہ در جذر جبلت او از حب منعم و امثال آں از امور مذکورہ ودیعت نہادہ بود ہماں را طریق افاضۂ ایں سعادتِ جاودانی و سرمایۂ دوجہانی قرار دادہ بزبانِ ہدایت نشان اشرف و اکمل افرادِ انسانی ندائ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوکُمْ مِنْ نِعَمِہٖ و آوازۂ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ از کوۂ فطرت درداند و کلام سراسر لطف التیام کہ مشحون از نعماءِ حضرت حق وجودِ او و مملو از شرح و بسط آثارِ صمدیت و مثبت صفاتِ کمال و نافی سمات نقص و زوال در باطن او ریختند و تسبیحاتی و تکبیراتی کہ مُشعِر بہ صمدیت اویند، و تحمیداتی کہ مخبر از جود و انعامات او و منبی از اوصاف و کمالات او، و تہلیلاتی کہ مظہر تفرد او بالوہیت کہ اصل صمدیت است و بربوبیت کہ اصل جود و انعامات و اساس حامد و کمالات است بواسطۂ آں اکمل الافراد

ہر ایک مرد سلیم الفطرت انسان کے باطن میں حب عقلی پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو ان تمام امور کا اجتماع خاصکر وہ امور جو انتہائی مراتب کمال میں ہوں، زیادتی محبت کا موجب اور کثیر تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ چونکہ منعم حقیقی اور جواد مطلق کو یہ بات معلوم تھی کہ اخروی مصائب سے افرادِ انسانی کی نجات اور بلند مناصب پر ان کی رسائی حق تبارک و تعالیٰ کی محبت کے مراتب کے حصول کے بغیر جن میں انتہا درجہ کی تعظیم ملی ہوی ہو حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اسکی اصل سرشت میں منعم اور امور مذکورہ کی محبت ودیعت کی اور اسی کو سعادتِ جاودانی اور سرمایۂ دوجہانی کے افاضہ کا طریقہ قرار دیا اور اشرف و اکمل افرادِ انسانی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ ہدایت نشان سے [1] اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوکُمْ مِنْ نِعَمِہٖ اور کوۂ[2] فطرت سے [3] قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کی آواز دیا اور لطف و کرم سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں، بخششوں، آثارِ صمدیت کی شرح و بسط سے لبریز صفاتِ کمال کو ثابت کرنے والا نقص و زوال کے داغوں کو مٹانے والا ہے آپ کے باطن میں ڈالا اور وہ تسبیحات و تکبیرات، جو حق تعالیٰ کی صمدیت کو بتاتی ہیں اور تحمیدات جو اسکی عطا و انعامات کی خبر دیتی ہیں اور اس کے اوصاف و کمالات سے آگاہ کرتی ہیں اور وہ تہلیلات جو الوہیت میں اس کے یگانہ ہونے کو (جو صمدیت کی اصل ہے) اور جو ربوبیت میں اسکے منفرد ہونے کو

[1] تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا ہے [2] کوہ۔ روشندان
[3] آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ سورۂ آل عمران رکوع ۴

تعلیم نمودند، وآیاتی کہ منبث در آفاق ومضمر در انفس ست وعجائبی کہ در اجرام علویہ واجسام عنصریہ خصوصًا در نوع انسان کہ در ایجاد او از تغیراتی وتحولاتی مثل نطفیت وعلقیت ومضغیت کہ بر مادہ می گذرد ودر تصویر او از ایجاد الوان خوش وصور دلکش واعضاء متناسبہ وقوای متخالفہ ودر تربیت او از تغذیہ وتنمیہ اولًا در بطون امہات وثانیًا در صغر سن وثالثًا در کبر سن ورابعًا در شیخوخیت واز دفع بلیات وحل مشکلات واغاثہ ملہوفین واستجابت دعوات مضطرین ودر ہدایت او از ارسال رسل وانزال کتب وامثال آں بمحض فضل وکرم خود بہ بیان بلاغت نشان افصح العرب[1] والعجم الیضاح کرد تا آں امور یکہ در خیمۂ فطرت مستور بود بر منصۂ ظہور جلوہ گر شود۔ ودین حنیفی کہ جز تصقیل فطرت بیش نیست کہ منطوق فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا - فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ[2] ومدلول بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا[3] نصیب ایشاں شود۔

ونیز باید دانست کہ اقوال وافعال ہر چند از فروع وتوابع احوال است لیکن بہ بعض وجوہ آں

جو عطا وانعامات کی صورت اور تعریفات وکمالات کی اساس ہے، ظاہر کرتی ہیں اکمل افراد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تعلیم فرمادیں۔ وہ نشانیاں جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں اور انفس میں پوشیدہ ہیں۔ وہ عجائبات جو اجرام علوی میں اور اجسام عنصری میں ہیں خصوصًا جو نوع انسان میں ہیں کہ جس کی تخلیق میں کئی تغیرات اور تبدیلیاں جیسے نطفہ، علقہ، مضغہ بننا مادہ پہ گذرتی ہیں اور اسکی تصویر میں جیسے خوشنما رنگ دلکش صورتیں متناسب اعضاء اور قوای متخالفہ کا پیدا کرنا اور اسکی تربیت میں غذا پہنچانا نشوونما دینا پہلے ماؤں کے پیٹ میں پھر بچپن، جوانی، بڑھاپے میں نیز دفع بلیات، حل مشکلات مظلومین کی فریادرسی پریشان لوگوں کی دعاؤں کی اجابت اور اس کی ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجنا، کتابوں کو نازل کرنا اور اسی قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے افصح العرب[1] والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بلاغت نشان سے واضح فرما دیا تاکہ وہ امور جو خیمۂ فطرت میں پوشیدہ تھے منصۂ ظہور پہ جلوہ گر ہو جائیں اور دین حنیفی (جو تصقیل فطرت کے سوا کچھ نہیں جیساکہ آیت کا مضمون ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا - فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ[2] اور جو بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا[3] کا مدلول ہے) ان کو نصیب ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ اقوال اور افعال اگرچہ کہ احوال کے فروعات اور توابع ہیں لیکن بعض وجوہات سے ان کو

---

[1] حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَيْدَ اَنِّيْ مِنْ قُرَيْشٍ

[2] آپ یکسو ہو کر دین کی طرف مائل ہو جاؤ۔ اللہ کی وحدانیت کو لازم پکڑو، جس پہ اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ وحدانیت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہی دین مستقیم ہے۔ سورہ روم رکوع ۴ [3] آپ فرمادیجئے کہ ہم صرف ملت ابراہیمی یعنی دین اسلام پہ قائم رہیں گے۔ سورۂ بقر رکوع ۱۶

را از متممات احوال و مکملات آں نیز تواں شمرد۔
چہ افعال و اقوال بمنزلۂ قالب ہست و احوال بمنزلۂ
روح و چناں کہ قالب بیجان معدود از جنس جمادات
است ہمچنیں جان بے قالب عاطل از کمالات
مثلاً سب و شتم و ضرب و جلد اگرچہ از فروع کیفیت
غضبیہ است و آں از احوال قلبیہ لیکن آں را در
مرتبہ مکملات و متممات آں باید نہاد۔ چہ اگر کسی
را مثلاً غضبی یا فرحتی طاری شود و از ظہور آثار آں
از سب و شتم یا نغمہ و سرود سرائی و از ضرب و
جلد یا از آرائش اسباب عیش و نشاط و ترتیب محافل
عشرت و انبساط و امثال آں از افعال و اقوال فرحیہ
یا غضبیہ مانع آید۔ ہر آئینہ آں غضب و فرحت از جنس
وساوس نفسانیہ معدود شدہ در ساعت لہب آتش
غضب منطفی شدہ و انبساط فرحت رو بانقباض
نہادہ باطل خواہد شد و اگر آں حالت قلبیہ را با قوال
لسانیہ و افعال جسمانیہ تائید کنند البتہ آنہا را قوتی
و تزائدی بہم رسد و وسعتی و احاطۂ دست دہد ہمچنیں
حب منعم جواد و تعظیم صمدے کہ در کمالات خود منزہ
از اضداد و انداد باشد۔ اگرچہ از امور قلبیہ حالات
نفسانیہ است لیکن اقوال محبت انگیز و افعال تعظیم
آمیز آں را دو بالا می سازد و آب و تابی می بخشد
کہ بر اہل وجدان سلیم پوشیدہ نیست و بدون این
امور آں حالت قلبیہ مثل کاتب مقطوع الید و

احوال کے کامل اور پورا کرنے والوں میں شمار کیا جاسکتا ہے،
کیونکہ افعال اور اقوال بمنزلۂ قالب اور احوال بمنزلۂ روح
ہیں جس طرح بے جان ڈھانچہ کا شمار جمادات سے ہوتا ہے اسی
طرح روح بغیر جسم کے اپنے کمالات سے عاری ہوتی ہے مثلاً
گالی گلوچ، مار پیٹ اگرچہ یہ تمام غضبی کیفیت کی شاخیں ہیں
اور ان کا تعلق قلبی کیفیات سے ہے لیکن ان کو کامل اور
پورا کرنے والوں کے مرتبہ میں رکھنا چاہئے کیونکہ اگر کسی پر
غصہ یا خوشی کی حالت طاری ہو اور ان کی علامات جیسے
گالی گلوچ، نغمہ سرائی، راگ، راگنی، مار پیٹ یا عیش و
نشاط کے اسباب کی آرائش، خوشی و انبساط کی محفلوں
کی ترتیب، نیز انہیں کی طرح خوش کر دینے والے یا غصہ میں
لانے والے افعال و اقوال کے ظہور سے طبیعت مانع ہو، تو
یقیناً ایسا غصہ اور خوشی نفسانی وسوسوں سے شمار ہو کر اسی
وقت آتش غضب کا شعلہ بجھ جائے گا۔ اور انبساط خوشی
منقبض ہو کر ختم ہو جائیگی۔ اگر اس قلبی حالت کی تائید زبانی
اقوال اور جسمانی افعال سے کریں تو بلاشک اسکی قوت بڑھیگی
اور اسکو وسعت و احاطہ حاصل ہوگا اسی طرح منعم جواد
کی محبت اور صمد کی تعظیم ہے جو اپنے کمالات میں
اضداد و شرکا سے پاک ہے۔ اگرچہ وہ قلبی امور اور نفسی
حالات سے ہیں لیکن محبت انگیز باتیں اور تعظیم آمیز
حرکات اُن کو دوبالا کر دیتے ہیں اور ایسی آب و تاب
عطا کرتے ہیں جو سلیم الطبع لوگوں سے پوشیدہ نہیں۔
ان کے بغیر وہ قلبی حالت اس کاتب کی سی ہو جاتی ہے

وشہسوار ہالک الفرس خواہد شد۔

چوں ایں مقدمہ ممہّد شد اکنوں بر سر اصل سخن می آئیم کہ مرد سلیم الفطرت کہ در ازل الآزال او را از اہل سعادت نوشتہ اند و عنایتی خفیہ در بارہ او گماشتہ اند۔ چوں بگوش ہوش خود می شنود کہ منعم حقیقی او بنعماء جسمانیہ و نفسانیہ در اقصائے مراتب صمدیت و اعلائے مناصب جود واقع ہست و باکمل اوصاف و افضل نعوت متصف و از سمات نقص منزہ و از صفات زوال مبرا و ایں شخص در اقوای مراتب احتیاج واقع چہ در ہر ساعت بہ نسبت ہر چیز بسوئے او محتاج حتی کہ در جوارح و اعضائے خود ہم پس گویا کہ تمام وجود ایں حاجت در حاجت ہست و نعمائے منعم حقیقی باوجود کمال صمدیت و استغنائے او در ہر ساعت باراں صفت ریزان و بہ بصر بصیرت خود می بیند آیاتی را کہ منبث در آفاق و انفس ہست و عجائبی را کہ مبسوط از سمک تا سماک و از ثریٰ تا ثریا ہست بلکہ از عرش تا فرش خصوصاً در نوع انسان و خصوصاً در نفس ایں ناظر کہ بسوئے پارۂ از آں اشارتی در صدر کلام گذشتہ لابد امور مذکورۃ الصدر کہ در فطرت او ودیعت نہادہ اند جنبشی پیدا می کنند و سینۂ او را پُر می سازند وحبی و تعظیمی بہ نسبت آں منعم حقیقی از صمیم قلب او می خیزد و ظہور افعالی و اقوالی کہ دال بر تعظیم و شکر او باشد و شایان صمدیت و کمالات او نماید۔

جس کا ہاتھ کٹ گیا ہے اور اس شہسوار کی طرح ہو جاتی ہے جسکا گھوڑا مر گیا ہے ـــــ اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی ہے، اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ ایک سنجیدہ فطرت آدمی جس کا نام روز ازل ہی سے سعادتمندوں میں لکھا گیا ہے اور ایک خفیہ عنایت اس کے بارے میں ہو چکی ہے، جب وہ ہوش کے کان سے سنتا ہے کہ اس کا منعم حقیقی جس نے اس کو جسمانی اور روحانی نعمتیں عطا کی ہیں صمدیت کے بلند ترین مراتب اور بخشش کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہے اور کامل ترین اوصاف اور عمدہ صفات سے متصف ہے۔ نیز نقص کی علامتوں سے پاک اور صفات زوال سے مبرا ہے اور یہ سنجیدہ مزاج آدمی سمجھتا ہے کہ وہ احتیاج کے انتہائی مراتب میں پڑا ہوا ہے کیونکہ ہر لمحہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ہر چیز میں اس کا محتاج ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اعضاء و جوارح میں بھی اسکا محتاج ہے گویا کہ اس کا پورا وجود محتاج ہی محتاج ہے اور اس پر منعم حقیقی کی نعمتیں کمال صمدیت اور استغناء کے باوجود ہر گھڑی بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ اور وہ اپنی بصیرت سے آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو اور زمین سے آسمان، تحت الثریٰ سے کہکشاں بلکہ عرش سے فرش تک بکھرے ہوئے عجائبات کو دیکھتا ہے۔ خاص کر نوع انسان میں خصوصاً اس ناظر کی اپنی ذات میں جن میں سے بعض کی طرف ابتدائے کلام میں اشارہ ہو چکا ہے نظر کرتا ہے تو یقیناً مذکورۂ بالا امور جو اس کی فطرت میں ودیعت کر دیئے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے سینہ کو بھر دیتے ہیں نیز اس منعم حقیقی کی محبت اور تعظیم کا جذبہ اسکی دل کی گہرائیوں سے اٹھتا ہے اور ایسے افعال و اقوال اس سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

و بذل اموالیکه بآں رضاء او بدست آید تقاضا می نماید۔

ذکر ایمانی پس تسبیحاتی و تحمیداتی و تکبیراتی ممزوج بافعال خضوعیه و حرکاتِ تعظیمیه بملاحظهٔ آں معانی که در اول کلام مذکور شد ازو سر بر می زند لاسیما تہلیل که دلالت بر تفرد او باعلائے مراتب صمدیت و اقوای مقام ربوبیت میدارد بظہور می رسد خصوصًا کلامِ پاکِ او که شارح و مفسرِ امورِ اربعه فطریه بروجهی است که فوقِ آں متصور نیست۔ باوجودیکه بآں کلامِ پاک تعظیم شعائرِ منعم ہم مخلوط گشته پس آں کلام پاک را آں مومن پاک بکمال تعظیم و بتدبّرِ معانی بوجهی که بالا مذکور شد بر زبان می آرد۔ و لذتِ ایں اذکار خصوصًا عظمتِ ایں کلامِ پاک قلب و عقل اورا مالامال می سازد و عذوبتِ الفاظ رشاقت مضامین دل اورا صید می کند و ہوش و عقل اورا سرسبز مستنیر و روشن می گرداند و خیالاتِ منتشره و وساوسِ پراگنده و امانی باطله و عزائمِ عصیان و حب و تعظیم ماسوی اللہ را پاش پاش کرده متلاشی می گرداند و عقل و قلب اورا از الواثِ بہیمیه پاک می سازد و این است ذکر ایں قوم و ایں را بذکر ایمانی ملقب می کنیم۔

جو اسکی تعظیم اور شکریہ دلالت کرتے ہیں اور اسکی صمدیت و کمالات کے شایان شان ہوتے ہیں۔ وہ ایسے مال خرچ کرتا ہے جن سے اسکی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

ذکر ایمانی اور اس سے ایسی تسبیحیں تعریفیں اور تکبیریں جو افعالِ فروتنی اور حرکاتِ تعظیمی سے ملے ہوئے ہیں ان کے معانی کے ملاحظہ کے ساتھ جو کلام کے شروع میں مذکور ہو چکے ہیں سرزد ہوتے ہیں۔ خاصکر کلمہ لا الٰہ الا اللہ جو اس کے بلند مراتب صمدیت قوی ترین مقام ربوبیت میں یگانہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہونے لگتا ہے خصوصًا اس کا مقدس کلام چار فطری امور کی طرح شرح اور تفسیر کرتا ہے کہ اس سے بہتر کا تصور ممکن نہیں باوجودیکہ اس کلام پاک کے ساتھ شعائر منعم کی تعظیم ملی ہوئی ہے۔ مومن پاک اس کلام پاک کو انتہائی تعظیم اور اس کے معانی سمجھتے ہوئے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے زبان پہ لاتا ہے۔ ان اذکار کی لذت خصوصًا اس کلام پاک کی عظمت اس کے دل و دماغ کو مالامال کر دیتی ہے اور الفاظ کی میٹھاس، مضامین کی خوبصورتی اس کے دل کو موہ لیتی ہے۔ اسکی عقل و ہوش کو پوری طرح روشن اور منور کر دیتی ہے۔ نیز منتشر خیالوں، پراگندہ وسوسوں، بیکار تمناؤں، برے ارادوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم و محبت کو پاش پاش کر کے خاکستر کر دیتی ہے اور اس کے دل و دماغ کو حیوانی خصلتوں سے پاک کر دیتی ہے۔ یہ طریقہ صوفیاء کا ذکر ہے جس کو ہم ذکر ایمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

¹ یعنی تعظیم منعم - حبِّ جواد[3] - تعظیم صمد[4] - حب کمال[5]

¹ تسبیح پاکی بیان کرنا - ¹ تکبیر بڑھائی بیان کرنا -

مراقبۂ صمدیت

وازبسکہ از صدر کلام معلوم شد کہ از اقوالِ لسانیہ و افعالِ جسمانیہ دربارۂ احوالِ نفسانیہ تائید عظیم بہم می رسد و آب و تاب فخیم دست می دہد۔ پس بناءً علیہ ایں ذکر مذکور باعث ازدیادِ امورِ اربعہ فطریہ خواہد شد و الفتی و تعظیمی جدید از نہاد ذاکر فوارہ صفت جوش خواہد زد و آں جوش حب و تعظیم اقوالی و افعالی دیگر تقاضا خواہد کرد و ہمچنیں امر از جانبین می رود تا کہ مضمون تہلیل کہ تفرد حضرت حق است بالوہیت و ربوبیت و فضائلِ ذاتیہ و فواضلِ متعدیہ و اقصائے مراتب استغنا و اوسع جود و نعما و سقوطِ وسائط تاثیر و انعام و اعراض از التفات بآنہا و عدم اعتنا بحال آنہا است در دل ذاکر قرار گیرد و استحکام پذیرد۔ حتی کہ ہر کائنی کہ در عالم کون بظہور رسیدہ و می رسد، ہمہ را بقدرت کاملۂ او بلاواسطہ منوط داند، و ہر انعامی کہ باو یا بامثال او فائض شدہ ہمہ را از آثارِ تربیتِ بالغۂ او بلاحجاب شمرد، و ہر کمالیکہ در ذرہ از ذراتِ موجودات تافتہ ہمہ را عکوس جمال لایزال او شناسد، و ہر نقصانی کہ در ممکنی از ممکنات ہویدا است ہمہ را از بارگاہِ جلال او دور اعتقاد کند۔ پس ساعۃً فساعۃً در بحر عجائب قدرت او غوطہ می زند و حباب آسا جز بادِ حیرت بدست نمی آرد و آناً فاناً در کتاب انعامات

مراقبۂ صمدیت

مذکورۂ بالا بحث سے معلوم ہو گیا کہ زبانی اقوال اور جسمانی حرکات، نفسانی حالتوں کو عظیم تائید و مدد پہنچتی ہے اور بڑی آب و تاب حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مذکورہ ذکر چاروں فطری امور کی زیادتی کا باعث ہو جاتا ہے۔ ایک نئی الفت اور تعظیم ذکر کرنے والے کے دل سے فوارہ کی طرح جوش مارتی ہے اور محبت و تعظیم کا وہ جوش مزید اقوال و افعال کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا رہیگا۔ یہاں تک کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مضمون یعنی حضرت حق تعالیٰ کی الوہیت، ربوبیت، ذاتی فضائل، عام انعامات، استغنا کے انتہائی مراتب، بیحد و حساب جود و عطا میں یگانہ ہونا، اور انعام و تاثیرات کے اسباب کا سقوط ان کی طرف التفات سے اعراض اور ان کے حال سے بے اعتنائی ذکر کرنے والے کے دل میں جاگزیں اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ نیز ہر ایک چیز جو عالم میں ظہور پذیر ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے تمام کو بلا واسطہ اس کی قدرتِ کاملہ سے وابستہ جانتا ہے اور ہر اس انعام کو جو اس پر یا اس کے ہم جنسوں پر جاری ہے تمام کو بلاحجاب، تربیت بالغہ کے آثار سے شمار کرتا ہے اور جو بھی کمال ذرات موجودات کے ہر ذرہ میں چمکتا ہوا دیکھتا ہے۔ تمام کو اس کے حسن لازوال کا عکس سمجھتا ہے اور ممکنات میں سے کسی بھی ممکن میں جو بھی نقص و عیب ظاہر ہوتا ہے، ان تمام کو اسکی بارگاہِ پرجلال سے دور جانتا ہے۔ وہ ہر لحظہ اسکی قدرت کاملہ کے عجائبات سے بھرپور دریا میں غوطہ زن رہتا ہے، مگر بلبلوں کی طرح سوائے بادِ حیرت اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہر آن اسکی

ؔ یعنی تعظیمِ منعم۔ حبِّ جواد۔ تعظیمِ صمد۔ حبِّ کمال۔

او مطالعہ می نماید و جز مضمون عجز و خجالت و عدم امکان بقیام حقوق نعماء او دست نمی دہد و این ہست فکر این قوم و این را مراقبۂ صمدیت مسمّی می کنیم۔

حبّ ایمانی چوں این فکر بکمال خود می رسد الفتی شدیدہ ممزوج با تعظیم مفرط از قعر قلب او سر بر می زند و جمیع قوائے باطنہ او را مضمحل می گرداند و حالتی طاری می شود کہ او را تشبیہ بجز گداختن نمک در آب یا شبنم در آفتاب نتواں داد۔ کہ اگر بالا می بیند ہمہ آیات عظمت و انعام در می یابد و اگر زیر پا می بیند بجز آثار انعام و عظمت نمی بیند و اگر درون خود می بیند ہمیں می بیند و اگر بیرون خود بیند ہمی می بیند و اگر خود را در خدمت و شکر انعام او با خاک برابر کردہ بلکہ خاکستری برباد دادہ کردہ باشد و باز این سعی بلیغ را با انعام موازنہ در خیال خود می کند و با عظمت او درمیان عقل می سنجد۔ ہر آئینہ دریاد انفعال و خجالت از جبین قلب خود می چکاند و خود را دراں مستغرق می داند بلکہ جوارح و قوای خود را ہم از جملۂ نعماء او شمردہ و از عجائب قدرت او شناختہ محبتی و تعظیمی بہم می رساند ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

کتاب انعامات کا مطالعہ کرتا ہے لیکن اس کے سوائے اپنی عاجزی، شرمندگی اور اسکی نعمتوں کے حقوق کو ادا نہ کر سکنے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ یہ طبقۂ صوفیاء کا فکر ہے جس کو ہم مراقبہ صمدیت سے موسوم کرتے ہیں۔

محبّت ایمانی جب یہ فکر اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے، تو شدید الفت انتہائی تعظیم کے ساتھ اس کے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے اور اس کے تمام باطنی قویٰ کو مضمحل کر دیتی ہے نیز اس پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے جس کو پانی میں نمک کے گھلنے یا سورج میں شبنم کے فنا ہونے کے علاوہ اور کوئی تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اگر وہ اوپر نظر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و انعام کی تمام نشانیاں پاتا ہے۔ اگر نیچے کرتا ہے، تو سوائے اسکی عظمت و انعام کے آثار کے کچھ نہیں دیکھتا۔ اسی طرح اپنے اندر بھی وہی دیکھتا ہے اور باہر بھی وہی دیکھتا ہے۔ اگر خود کو اسکی خدمت اور اسکے انعام کے شکر میں مٹی کے برابر کر کے بلکہ ہوا میں اڑتی ہوئی گرد بنا کر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اس کی انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور اسکی عظمت کے ساتھ عقل کے ترازو میں تولتا ہے، تو البتہ شرم و ندامت کا ایک دریا اپنے دل کی پیشانی سے بہاتا ہے اور خود کو اس میں ڈوبا ہوا پاتا ہے بلکہ اپنے اعضاء اور قویٰ کو بھی اس کی نعمتوں میں شمار کرتے ہوئے اور اسکی قدرت کے عجائبات سے جانتے ہوئے بے انتہا محبت اور تعظیم کرنے لگتا ہے۔

ترجمہ رباعی

مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ وہ تیرا جمال دیکھتی ہے اور میں اپنے قدموں پر اس لئے وارے جاتا ہوں کہ وہ تیری گلی میں

هر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

و ہرگاہ کہ اسمِ مبارک او بر زبان می راند تمام باطن او از عظمت و حلاوتِ این اسمِ اعظم مثل بید از نسیم سحری می لرزد۔ و از ہر بُنِ موئے او ندائے عجز و احتیاج و آوازہ استغنا و بے نیازی او فوارہ صفت می جوشد۔ پس این الفت شدیدہ را کہ ممزوج بہ تعظیم مفرط و مسلط بر ظاہر و باطن مؤمن می شود، بہ حبِ ایمانی ملقب می کنند۔

حبِ عقلی

و ازبسکہ تخمِ این حب در صعید طیب عقل مومن کہ خالی از اتباع ہوا و اختراع بدعت است کاشتہ شدہ بہ حبِ عقلی مسمیٰ می سازیم۔

و ازبسکہ شارع بسوئے ہمین حب دعوت فرمودہ و ہمین را در مقام مدح عباد خود ذکر نمودہ و تمام ارکان و آداب دین را برائے تحصیل ہمین حب قرار دادہ بحب ایمانی نیز ملقب می نمائیم۔

مؤیداتِ حب ایمانی

و اما بیانِ مؤیدات حب ایمانی آنکہ اصل اسباب حصول حب ایمانی و اساس مؤیدات این سعادت جاودانی اجتبائے حضرت حق و اصطناع جواد مطلق است کہ در ازل الآزال نصیبہ این ذرہ

پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہر لحظہ اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دئے جارہا ہوں کیونکہ وہ تیرے دامن کو پکڑ کے اپنی جانب کھینچے ہیں ـــــ اور جس وقت بھی اس کا نام مبارک زبان پر لاتا ہے اس اسمِ اعظم کی عظمت و مٹھاس سے اسطرح کانپنے لگتا ہے جیسے بید کی شاخ نسیم سحری سے ہلنے لگتی ہے۔ اسکے رویں رویں سے اپنے عجز و محتاجگی اور اللہ تعالیٰ کے استغناء و بے نیازی کی آواز فوارہ کی طرح نکل پڑتی ہے۔ اس انتہائی الفت کو جو نہایت تعظیم کے ساتھ ملی ہوی ہے اور جو مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہوتی ہے اس کو محبت ایمانی سے ملقب کرتے ہیں۔

محبتِ عقلی

چونکہ محبت ایمانی کا بیج عقل مومن کی پاک زمین میں جو خواہشات کی پیروی، اور بدعت کی نیرنگی سے خالی ہوتی ہے بو دیا گیا ہے۔ اس کو ہم محبتِ عقلی سے موسوم کرتے ہیں۔

اور چونکہ شارع نے اس محبت کی طرف دعوت دی ہے نیز اس محبت کو اپنے بندوں کی تعریف کے مقام میں لایا ہے اور دین کے تمام ارکان و آداب کو اسی محبت عقلی کو حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، اس لئے اس کو بھی ہم محبت ایمانی سے موسوم کرتے ہیں۔

محبتِ ایمانی کی مؤیدات

یہ محبت ایمانی کی مؤیدات کا بیان ہے، اس کو حاصل کرنے کے اصل اسباب، اور اس سعادت جاودانی کے مؤیدات کی بنیاد اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ کو اس کام کے لئے چن لینا اور پسند کر لینا ہے۔ اس طرح کہ روز ازل ہی میں یہ بات

ناچیز گردیدہ، و اورا از زمرۂ مقبولان معدود کردہ است اگرچہ مؤیدات ایں سرمایۂ سعادت بسیار اند لیکن بحکم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ بسوی بعضی از انہا اشارت کردہ می شود، تا ارباب الباب مسکوت را بر منطوق قیاس کنند و بحقیقت کار پئی برند۔

از عمدۂ مؤیدات حب ایمانی استحکام عزیمت قلبیہ است بر اتباع شریعت و کمال فور رغبت بر موافقت سنت و شدت نفرت از ملابست بدعت و قوت اعتصام بحبل اللہ المتین یعنی اقتدائے ظاہر و باطن بکتاب مبین و سنت رسول امین و کمر ہمت را بہ رضا جوئی حضرت حق چست بستن و اعتقاد و تعظیم او و تعظیم شعائر او لا سیما شرع کہ اعظم الشعائر است درست کردن۔

و از جملہ مؤیدات حب ایمانی ترجیح جانب حق است بر جانب نفس بوجہی کہ در صلب نفس انکساری ازاں پدید آید۔ و در اساس بہیمیہ ازاں انقلاعی ہویدا گردد۔ و در اموریکہ باعث ایں انکسار و مقتضی ایں انقلاع تواند شد، بحسب اشخاص و اوقات اختلافی عظیم و تفاوت فاحش متحقق است۔

اما اختلاف بحسب اختلاف اشخاص مثلاً در بہیمیہ کسی کہ مشغول الاکل والشرب باشد و مثل

اس بات کے نصیب میں کر دی گئی اور اس کو مقبولین کی جماعت سے شمار کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سرمایۂ سعادت کی بہت سی مؤیدات ہیں، لیکن بقول "جو چیز تمام کی تمام حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہئے" ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ اصحاب عقل و دانش غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کرتے ہوئے حقیقت کی طرف بڑھیں۔

محبت ایمانی کی عمدہ مؤیدات میں سے اتباع شریعت پر دلی ارادہ کو مضبوط کرنا موافقت سنت پر انتہائی رغبت کرنا، قربت بدعت سے بے انتہا نفرت کرنا نیز اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کو مضبوطی سے تھامنا، یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر و باطن سے کامل اقتدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کمر ہمت کو چست باندھنا۔ اس پر سچا اعتقاد رکھنا، اسکی اور اسکے شعائر کی بخوبی تعظیم کرنا خصوصاً شریعت مطہرہ کی تعظیم

نیز مؤیدات محبت ایمانی میں سے جانب حق تعالیٰ کو جانب نفس پر ترجیح دینا ہے۔ اسطرح کہ اس سے نفس کی سختی میں شکستگی پیدا ہو اور بہیمیت کی بنیاد اکھڑ جائے۔ جو کام اس شکستگی کا باعث اور اس تباہی کے مقتضی ہوتے ہیں ان میں اشخاص اور اوقات کے مطابق زبردست اختلاف اور واضح فرق پایا جاتا ہے۔ وہ فرق جو حسب اختلاف اشخاص پایا جاتا ہے جیسے عادت بہیمیت میں کوئی شخص کھانے پینے کا شائق ہے مکھی کی طرح روٹی اور حلوے پر

مگس بر نان و حلوا می افتد ترکِ میل باین امور و ایثارِ غیر دراں محض ابتغاءً لرضاء اللہ، جائی کہ نہ طمع حصولِ مثلِ آں باشد و نہ امید حق شناسی و خدمت گذاری آں غیر و نہ توقع انتشار صیت زہد و ایثار و امثالِ ایں امور دخلی دارد کہ در غیر آں نہ۔

و ہمچنیں در تطہیر قلب کسیکہ مجبول بر قوت شبق و عشق نساء است و او را معشوقہ ذات الجمال و الحسب والمال بحسب اتفاق و یاوریٔ نصیب مستورۃً عن اعین الرقیب بدست آمدہ و آں وقت سرور و ساعت ابتہاج را کہ ببذل اموال خطیرہ بدست آوردہ ترک زنا و مصاحبت باوجود توفر رغبتِ طرفین، و ہیجانِ شوق و شبق و عدم موانع عرفیہ و طبعیہ محض ابتغاءً لرضاء اللہ و خوفاً من سخطہ نمودہ و بسوی مشاقی کہ در تحصیل آں معشوقہ تحمل کردہ و اموالی کہ برائے بدست آوردن آں محبوبہ بذل نمودہ ہیچ التفاتی نکردہ، تاثیری دارد کہ در غیر آں نہ۔

و ہمچنیں بذل اموال خطیرہ محض ابتغاءً لوجہ اللہ بحیثیتی کہ طلب نام و نشان یا امید حق شناسی و مداحی آں مبذول علیہ، یا مکافات نعمتی سابقۂ آں یا امید حصول منفعتی

ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس کا ان امور کی خواہش کو ترک کرنا اور صرف رضائے حق کے لئے خود پر غیر کو ترجیح دینا ایسی جگہ کہ جہاں اس قسم کے چیزوں کے حاصل ہونے کی طمع نہ ہو اور نہ حق شناسی و خدمت گذاری کی امید ہو اور نہ زہد و ایثار سے مشہور ہونے کی نیت ہو، یہ اور اسی طرح کے کام محبت ایمانی میں بڑا دخل رکھتے ہیں۔ ان کے غیر میں یہ باتی نہیں ہوتی ہے ـــ اسی طرح اس شخص کے دل کی تطہیر میں جسکی فطرت میں جماع کی قوت اور عورتوں سے عشق بازی رکھی ہوی ہے۔ اتفاقاً اس کے پاس قسمت کی یاوری سے حسین و جمیل خاندانی مالدار محبوبہ رقیبوں سے نظر بچا کر چلی آئے تو ایسے خوشی و مسرت کے وقت میں جو زر کثیر کے خرچ سے ہاتھ آیا ہے جانبین سے انتہائی خواہش، شہوت و ہیجان نیز ظاہری اور طبعی رکاوٹیں نہ ہونے کے باوجود صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے عذاب کے ڈر سے زنا و صحبت نہ کرنا، نیز ان مشقوں کی طرف جو اس محبوبہ کو حاصل کرنے کے لئے کیا تھا، اور اس مال کی طرف جو اس محبوبہ کو قبضہ میں لانے کیلئے خرچ کیا تھا کوئی توجہ نہ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے، کہ اس کے غیر میں یہ بات نہیں ہوتی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کثیر دولت کو خرچ کرنا اس حیثیت سے کہ نام و نمود کی طلب یا جس پر خرچ کیا ہے اس سے حق شناسی اور تعریف کی امید یا پچھلی نعمتوں کا ادائے حق یا آئندہ اس سے کسی

ازاں یا توقع اشتہار خود بجود وسخا وامثال ایں امور نباشند درحق بخیل ومنّان وطالب عزت ونام کاری می کند کہ درغیرآں نہ۔

وہمچنیں تواضع مفالیس فقرا ومساکین اذلاّ درحق اغنیاء اعزّہ کہ دراقرانِ خود بعزت وجاہ ممتاز ودر زمان خود بنام ونشان مشتہر باشند۔

وہمچنیں اقدام در مہلکہ کہ تلف جان ومال وبربادی عیال واطفال دراں بنظر می آید درحق اہل جبن وخمول کہ روئے کار زار ونبرد راندیدہ وگرم وسرد زمانہ را نچشیدہ اند۔

وہمچنیں سکوت درمناظرہ وترک منازعت درحق واقرار بخطا ونافہمی خود درحق علمائ کہ بذکاء وتبحر مشتہر وبقوّتِ مناظرہ واسکاتِ خصوم موسوم اند ودرفنِ توجیہہ وتاویل یدِطولیٰ ودرحلّ ومنع کعب عُلیا دارند۔

وہمچنیں ترک حسد براقران وعدم التفات بنام ونشان وطلب نہ کردن امتیاز دراہلِ زمان وترکِ سعی دراظہارِ خوارق وکشفِ وقائع آیۃ واستجابت ادعیہّ درحق مشائخ کہ بقوّتِ تاثیر موصوف وکشف وقائع منسوب اند۔

اما اختلاف ایں بحسب اختلاف اوقات

قسم کا نفع حاصل ہونے کی اُمید یا اپنی عطا وسخاوت پر شہرت کی تمنا اور سطرح کے کاموں کی توقع نہ ہو تو ایسے کام بخیل، احسان جتانے والے اور عزت وناموس کے طلبگار کے حق میں اتنا اثر انگیز ہوتے ہیں کہ ان کے ماسوا میں یہ بات نہیں ہوتی ــــــ

اسی طرح مفلس فقیروں، ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا ان عزت مند مالداروں کے حق میں جو اپنے ہمسروں میں عزت وجاہ سے ممتاز ہیں اور اپنے دَور میں نام ونمود سے مشہور ہیں ـــ اسی طرح ہلاکت خیز مقامات میں پیشقدمی کرنا جس میں جان ومال کی تباہی اور بال بچوں کی بربادی نظر آتی ہے، ان بزدلوں اور گمناموں کے حق میں جو میدان جنگ وجدال کی صورت تک نہیں دیکھے ہیں اور نہ زمانہ کے سرد وگرم کو چکھے ہیں۔

اسی طرح بحث ومباحثہ میں خاموش ہوجانا، حق بات میں نہ جھگڑنا، اپنی غلطی اور نافہمی کا اقرار کرنا ان علماء کے حق میں جو ذہانت اور تبحرِ علمی میں مشہور اور قوتِ مناظرہ نیز مخالف کو چپ کرنے میں نامور ہیں اور توجیہہ وتاویل کے فن میں یدِطولیٰ اور حل واعتراض میں بڑی طاقت رکھتے ہیں۔

اسی طرح ہمسروں کے ساتھ حسد نہ کرنا، نام ونمود کی طرف توجہ نہ کرنا، معاصرین میں امتیازی شان کے طالب نہ ہونا اور خوارق عادات، آئندہ واقعات کے کشف اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش نہ کرنا ان مشائخ کرام کے حق میں جو قوتِ تاثیر سے متصف اور کشفِ واقعات میں مشہور ہیں۔

ان میں حسبِ اختلافِ اوقات فرق پایا جاتا ہے۔

پس ہمیں کاسۂ آب است کہ در وقت سیرابی خصوصًا در بلدانِ معمورہ یا بر لبِ انہار جاریہّ اورا بجز مہرہ کسی نمی ستاند، ناگاہ وقتی می رسد کہ در میدانِ لق ودق بے آب وگیاہ گرفتار می شود، واز شدّتِ عطش جاں بلب آمدہ وسوزشِ تشنگی اورا بر لبِ گور رسانیدہ وبہزار جد وجہد کاسۂ از آبِ زلال بدست آوردہ وبہمگی ہمّتِ خود باو متوجّہ شدہ ونجاتِ خود را در آں منحصر دانستہ در دستِ خود پیالۂ پُرآب نہادہ می خواہد کہ خشکی لب وسوزشِ سینہ را باں آبِ زلال دُور کند، وجانِ خود را از مہلکہ نجات بخشد۔ دریں اثنا شخصی دیگر کہ ہمیں حال گرفتار بود اورا بر خود ایثار کردہ وگویا کہ عصارۂ جانِ خود برآوردہ ولختی از جگر خود بریدہ باں شخص دادہ است۔

وہمیں امر بالمعروف نہی عن المنکر است کہ ہر طالب علمیکہ در مدرسہ می نشیند وہر فقیریکہ در خانقاہی فروکش می شود، بلکہ ہر مسلمانی کہ در مسجدے آمد ورفت می نماید بقدرِ وسعتِ خود بجا می آرد۔ پس ناگاہ وقتی می رسد کہ از اظہار کلمۂ حق جاں بازی وآبرو ریزی پیش می آید۔ لیکن دران احیاء سنتی یا اخمال بدعتی بنظر می نماید۔

جیسے ایک پانی کا پیالہ سیرابی کے وقت خاصکر آباد شہروں میں یا بہتی نہروں کے کنارے جس کو کوڑی کے عوض بھی کوئی نہیں خریدتا اچانک ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ لق ودق بے آب وگیاہ میدان میں پھنس کر پیاس کی سختی سے جاں بلب ہو جاتا ہے اور پیاس کی سوزش اس کو لبِ گور کر دیتی ہے۔ وہ ہزار کوشش سے میٹھے پانی کا پیالہ حاصل کر کے اپنی پوری ہمّت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو کر خود کی نجات کو اس میں منحصر جانتے ہوئے اپنے ہاتھ میں اس پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کو لئے چاہتا ہے کہ ہونٹوں کی خشکی اور سینہ کی جلن کو اس میٹھے پانی سے دُور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے بچائے، اتنے میں ایک دوسرا آدمی جو اسی حالت میں گرفتار ہے اس کو دیکھ کر خود پر ترجیح دیتا ہے تو گویا وہ اپنی جان کا عرق نکال کر اور اپنے جگر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس شخص کو دے دیا ہے۔

اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بات ہے۔ ہر وہ طالب علم جو مدرسہ میں پڑھتا ہے اور ہر وہ فقیر جو کسی خانقاہ میں فروکش ہوتا ہے، بلکہ ہر وہ مسلمان جو کسی مسجد میں آمد ورفت رکھتا ہے اپنی طاقت کے مطابق اوامر ونواہی بجالاتا ہے، اچانک اس پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ کلمۂ حق کا اظہار کرنا جاں بازی اور آبرو ریزی کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن وہ اسمیں کسی سنت کا احیاء یا کسی بدعت کا خاتمہ دیکھتا ہے۔

۱۹۱/۲

القصّہ خلاصۂ ایں کلمات آں کہ ہمیں امورِ سہلۂ لیسیرہ اند کہ در مجاری عادات کسی از اربابِ ہمم عالیہ بآں اعتناء نمی کنند و اہتمامی نمی نماید و اثری معتدبہ در نفسِ فاعل نمی بخشند۔ بازوقتی می رسد کہ ہمیں امور افضلِ عبادات و اشقّ ریاضات می شود و در نفسِ فاعل تاثیری بہم می رساند کہ از الوف امثالِ آں متوقع نیست۔

و از جملۂ مؤیداتِ حُبّ ایمانی وقوع فعلیت در موقعِ عظیم مثلِ سعی در تائید شرع و احیاءِ سنّت و اخمالِ بدعت یا اشاعتِ طریقہ از طرقِ حقّہ یا نصرتِ مقبولی از مقبولانِ حق یا اعانت ملہوفی از اہلِ بلایا و مصائب یا اعانتِ عاجزی از غارمین و اہلِ نوائب یا تنفیس کربتی از صاحب قلق و اضطراب و ازالۂ عسرتی از گرفتارِ پیچ و تاب و ہمچنیں سعی کہ از آں نفع عام بظہور رسد یا اصلاح فیما بین الناس بر آں مترتب شود گو کہ ایں سعی چنداں بنفسِ شاق نیامدہ باشد و چنداں موجب صرفِ اموال خطیرہ یا اوقاتِ عزیزہ یا بذلِ مرغوبات یا ترکِ مالوفات نگردیدہ باشد۔ دریں جا بر متفطّن ماہر بفنِّ حدیث پوشیدہ نماند کہ آنچہ در احادیث رسولِ امین و آثارِ سلفِ صالحین از ترتبِ ثمرات جزیلہ کثیرہ

حاصل کلام ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی کام جو اس وقت آسان اور سہل ہیں، عموماً کوئی بلند ہمت آدمی ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور نہ کوئی اہتمام کرتا ہے، نیز یہ کام اپنے کرنے والے پر کوئی بڑا اثر بھی نہیں چھوڑتے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ یہی کام افضل عبادتیں، اور مشکل ترین ریاضتیں بن جاتے ہیں اور ان کے انجام دینے والے پر وہ اثر ڈالتے ہیں کہ ایسے ہزارہا کاموں سے اسکی توقع نہیں کی جاسکتی۔

نیز محبّت ایمانی کی مؤیدات میں سے عظیم موقع میں کسی فعل کا صادر ہونا ہے، جیسے تائید شریعت، احیاءِ سنت ازالۂ بدعت، یا برحق طریقوں میں سے کسی حق طریقہ کی اشاعت، اللہ تعالیٰ کے مقبولوں میں سے کسی مقبول بندہ کی مدد، آفت و مصیبت زدہ لوگوں میں سے کسی ستم رسیدہ کی اعانت، قرضداروں اور مصیبت کے ماروں میں سے کسی عاجز بندہ کی مدد، یا کسی بے چین و پریشان حال سے تکلیف دُور کرنے اور کسی پیچ و تاب میں گرفتار آدمی سے تنگی زائل کرنے کی جد وجہد اور اسی طرح ایسی کوشش کرنا جس سے نفع عام ظاہر ہو، یا لوگوں کے درمیان صلح اور ملاپ ہو جائے گو کہ یہ کوشش نفس پر کچھ شاق نہ گذری ہو اور اموال کثیر یا عزیز اوقات کے صرف یا پسندیدہ چیزوں کے خرچ یا دل بھانیوالی چیزوں کے چھوڑنے کا باعث نہ ہوی ہو۔ یہاں فن حدیث کے عاقل و ماہر سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ رسول امین صلی اللہ علیہ کی احادیث میں اور سلفِ صالحین کے آثار میں تھوڑے سے اعمال

براعمالِ قلیلۂ یسیرہ مذکور می شود مجملش ہمیں باید فہمید کہ ایں افعال مستوجب حدوث حب ایمانی در نفس فاعلِ خود عند صدور ہا بشروطہا می شود و حب ایمانی بحسبِ مراتبِ خود کمالاً ونقصاناً بالذات موجب نجات و مقتضی رفع درجات است۔ واللہ اعلم۔

آثارِ حبِ ایمانی

واما بیان آثارِ حب ایمانی آں کہ از عمدہ آثار حب ایمانی فنا ہمت و عزیمت در رضا جوئی حضرت حق است و امتثال اوامر او و سعی در اشاعت طریقتِ مقبولۂ موصلہ باسترضائے او و جد و جہد در دعوتِ ناس بسوئے اطاعت و انقیاد و ہدایت ایشاں بہ ترک بدعت و فساد۔

و از جملہ آثار حب ایمانی شجاعت بر بلایا و مصائب است و ایں از جنس صبر نیست بلکہ اعلیٰ است ازاں۔

و از جملہ آثار حب ایمانی عدم اعتنا است بر ریاضاتِ شاقّہ در مآکل و مشارب و ملابس و امثال آں از حظوظِ نفسانیۂ مباحہ یعنی ایں امور شاقہ را از مکملات خود نمی داند و تحمل آں قصداً نمی نماید آری اگر برآں غرضی از اغراض صحیحہ کہ از لوازم کمال او و از آثار حال او ست

پر کثیر ثواب کا حاصل ہونا مذکور ہے۔ اجمالاً اس کی وجہ یہی سمجھنی چاہیئے کہ یہ افعال اپنی شرائط کے ساتھ صادر ہوں تو اپنے فاعل کی ذات میں محبتِ ایمانی کو پیدا کرنے کا باعث ہوں گے۔ محبتِ ایمانی اپنے مراتب کے مطابق باعتبار کمال و نقصان بالذات نجات کا باعث اور بلندی درجات کی مقتضی ہے۔ واللہ اعلم۔

محبتِ ایمانی کی علامات

یہ محبت ایمانی کی علامات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں ہمت و عزیمت کا فنا ہونا، اس کے احکام کی اطاعت، اسکی رضا و خوشنودی تک پہنچانے والے طریق مقبول کی اشاعت میں کوشش کرنا، لوگوں کو اطاعت و فرماں برداری کی طرف بلانے میں جد و جہد کرنا اور فساد و بدعت کو چھوڑنے کی ہدایت کرنا محبتِ ایمانی کی عمدہ علامات سے ہے۔

آزمائشوں اور مصیبتوں میں باہمت رہنا بھی محبتِ ایمانی کی علامات سے ہے۔ یہ بات صبر کی قسم سے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے۔

نیز کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور اسی طرح کی جائز خواہشات میں بیجا تکلیفیں نہ اٹھانا محبت ایمانی کی علامات سے ہے یعنی ان مشکل کاموں کو وہ اپنے مکملات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کو نہیں برداشت کرتا ہے، ہاں اگر اغراضِ صحیحہ میں سے کوئی غرض جو اس کے کمال کے لوازمات اور اس کے حال کے آثار سے ہے حاصل

مترتب شود۔ البتہ آں امور شاقہ را سہل بلکہ لذیذ دانستہ بکمال جرأت دل و وسعتِ صدر تحمل خواہد نمود، مثل تحمل مشاق در امر جہاد و امثالِ آں از مؤیداتِ دینِ متین و متممات شرع مبین و مثل تحملِ مشقت در ترک مرغوبی کہ رغبت آں در تہہِ دل جاگرفتہ و علاقہ، باآں در سویدائے قلب قرار یافتہ و مثل تحملِ مشقتِ جوع و عطش و عری بسبب ایثارِ ذوی الحاجات بر نفسِ خود و امثال ایں امور بلکہ بسا است کہ نیل حظوظ نفسانیہ و انتفاع بلذائذِ جسمانیہ او را ترقیات عظیمہ می بخشد کہ منطوق کلام لازم الوثوق یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ است۔

و از جملہ آثارِ حبِ ایمانی وجدان حلاوتِ مناجات و لذتِ طاعات است چہ حبِ ایمانی الفتی است مخلوط بتعظیم مفرط و ایں امر مستوجب صدور اقوال و افعال تعظیمیہ ضرورۃً می شود بلکہ مدح لسانی و تعظیم جسمانی را بحدے تقاضا می کند کہ بدون صدورِ آں دل صاحب ایں حب اطمینانی نمی پذیرد۔ مثل اقتضائے صاحب غضب افعالِ غضبیہ را و صاحب فرح افعالِ فرحیہ را۔ القصہ باطن شرع

ہو تو البتہ ان مشکل کاموں کو آسان بلکہ لذیذ جان کر انتہائی جرأتِ دل اور وسعتِ قلبی سے برداشت کرےگا، جیسے جہاد اور اسی کی مثل مؤیدات دین متین و متممات شرع مبین میں مشقتوں کو برداشت کرنا اور جیسے کسی مرغوب چیز کو چھوڑنے میں جس کی خواہش دل کی تہہ میں اور جس کا تعلق قلب کی گہرائی میں جاگزیں ہوگیا ہے سختی برداشت کرنا اور جیسے بھوک پیاس اور برہنگی کی مشقت کو خود پر حاجتمندوں کو ترجیح دیتے ہوئے برداشت کرنا اور اسی طرح مشقت آمیز کام انجام دینا۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حظوظ نفسانی کا پانا اور لذائذ جسمانی سے متمتع ہونا اسکو بڑی ترقی عطا کرتے ہیں جیسے قرآن کریم کی یہ آیت یٰایہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنٰکم، ناطق ہے۔

مناجات میں حلاوت اور عبادتوں میں لذت حاصل کرنا بھی محبت ایمانی کی علامات سے ہے، کیونکہ محبت ایمانی انتہائی درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی الفت ہے اور یہ بات بحکم ضرورت اقوال و افعالِ تعظیمی کے صدور کا موجب ہوتی ہے، بلکہ اس حد تک لسانی تعریف اور جسمانی تعظیم کی متقاضی ہوتی ہے کہ ان کاموں کے صدور کے بغیر محبت ایمانی والے کا دل مطمئن نہیں ہوتا ہے جیسا کہ غصہ والا غصے کے کاموں کو اور خوشی والا خوشی کے کاموں کو پسند کرتا ہے۔ غرض اس حال والے کے حق میں باطن

لہ اے ایمان والو! ہم نے جو پاک چیزیں عطا کی ہیں کھاؤ۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۱)

که عبارت از تعلق باللہ[1] است باظاہر آں که عبادات از افعالِ جوارح است در حق صاحب ایں حال دائماً مخلوط می ماند و احوال او ممتزج با افعال او می باشد۔ پس احوال تقاضائے صدورِ افعال می نماید و افعال از دیادِ قوت و کمالِ ترقی در بارۂ احوال می بخشد و بسبب وجدان لذت در عبادت و حلاوت در انقیاد دور از تقشّف و مبرا از الحادی باشد و از افراطات و تفریطات در امرِ تقویٰ و عبادات محفوظ می ماند۔

و از جملہ آثار حب ایمانی ترجیح فوائد متعدیہ بر تکمیل نفس خود است مثلاً اصلاح بین الناس و نظمِ سیاست منزلی یا مدنی و تحمل مشاق در خدمتِ خلق اللہ و تحمل ایذا در تربیت ایشاں و امثال ایں را از امور مخالطت مع الناس بر عزلت و فرار از خلق و سکونت براری و فیافی و شغل اوقات با ذکار و مراقبات ترجیح می دہد چہ امور ثانیہ اگرچہ در حصولِ مشاہدہ و مکالمہ تاثیرِ قوی می دارد امّا قسم اول را در طلبِ رضائے حق جلّ و علا مدا خلتی زیادہ از امور ثانیہ است و صاحب ایں حب ہیچ کمال را ہمسنگِ اسباب

شرع جس سے مراد تعلق باللہ ہے ظاہر شرع کے ساتھ جو افعالِ جوارح سے مراد ہے ملی ہوی رہتی ہے اور اس کے احوال اس کے افعال کے ساتھ ملے ہوے رہتے ہیں اور احوال ہی ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں۔ نیز افعال احوال کی قوت و کمالیت کو ترقی بخشتے ہیں۔ اور وہ اطاعت میں مٹھاس اور عبادت میں لذّت پانے کی وجہ سے بُرائی سے دُور اور الحاد سے پاک رہتا ہے۔ نیز تقویٰ اور عبادتوں کے معاملہ میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

اپنے نفس کی تکمیل پر فوائد متعدیہ کو ترجیح دینا بھی محبت ایمانی کی علامات سے ہے۔ جیسے لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا۔ گھر یا شہری معاملات کا انتظام، مخلوقِ خدا کی خدمت اور تربیت میں تکلیفیں برداشت کرنا نیز ان کے مثل جن کاموں میں لوگوں کی آمیزش ہوتی ہے تنہائی، گوشہ نشینی اور لوگوں سے بھاگ کر جنگلوں، بیابانوں میں ٹھیرنے، ذکر و اذکار اور مراقبات میں مشغول رہنے کو ترجیح دینا ہے۔ اس لئے کہ امور[2] ثانیہ اگرچہ حصولِ مشاہدہ اور مکالمہ میں قوی تاثیر رکھتے ہیں لیکن پہلی قسم (اصلاح وغیرہ) اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں دوسری قسم سے زیادہ دخل رکھتی ہے، اسی لئے محبت ایمانی والا کسی بھی

---

[1] آں را نسبت بحق گویند و آں سلوک یا بجذب حاصل می شود و اقسام آں در کتبِ سلوک مذکور اند ۱۲

[2] عزلت وغیرہ

اور اس کو حق کے ساتھ نسبت کہتے ہیں اور یہ نسبت سلوک یا جذب سے حاصل ہوتی ہے، اس کے اقسام سلوک کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ۱۲

جلب رضائے حق نمی تواند شمرد۔

و از عمدہ ترین آثار حبِ ایمانی و افضل ترین لوازم آں حقیقت تقویٰ است کہ در عرف شرع او را بصلاح تعبیر کردہ اند جائی کہ فرمودہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ و در حدیث اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا مُشِيْرًا اِلٰى قَلْبِهٖ اشارتی بآں رفتہ۔

ثمراتِ حبِ ایمانی

و اما بیانِ ثمراتِ حبِ ایمانی آں کہ چوں حبِ ایمانی کہ حقیقتش غایت الفت است ممزوج بفرطِ تعظیم بکمالِ خود می رسد و رضاجوئی منعم حقیقی ظاہر و باطن و جوارح و قوائے مومن پاک بآثار و انوار خود محلّی و مزین می سازد و شکر و توکل و صلاح در صمیم قلب او جا می گیرد و ملاحظۂ تفرد آں ذات بابرکات بایجاد جمیع موجودات و تاثیر در ہمہ کائنات بانواع تصرفات کہ از جملۂ آں تربیت ایں ذرۂ بمقدار

کمال کو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے اسباب کے برابر نہیں

محبت ایمانی کی بہترین علامات اور اس کے افضل ترین لوازمات میں سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کو اصطلاح شرع میں صلاح سے تعبیر کرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ:۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔[1] اور حضور علیہ السلام نے اپنے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو فرمایا "اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا"[2] اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

محبتِ ایمانی کے نتائج

یہ محبت ایمانی کے نتائج کا بیان ہے جب محبت ایمانی جو در حقیقت نہایت درجہ کی الفت ہے، انتہائی تعظیم سے مل کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور منعم حقیقی کی خوشنودی مومن پاک کے ظاہر و باطن اور اعضا و جوارح کو اپنے آثار و انوار سے آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے، شکر توکل اور صلاح اس کی دل کی گہرائی میں جاگزیں ہو جاتے ہیں، اور وہ ذات بابرکات کی یکتائی کا مشاہدہ، کرتا ہے۔ جن سے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے اور ساری کائنات میں اقسام کے تصرفات سے اثر انداز ہے۔

---

[1] اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان شخصیتوں کے ہمراہ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا پیغمبروں صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں سے۔ (سورۂ نساء رکوع ۹)

[2] تقویٰ یہاں ہے۔ ۱۲

وحشتی از غبار بالوان نعم وحفظ آں از
انواع بلا و الم است در ذہن او مستحکم می
نشیند و توحید افعالیکہ خلاصۂ ایمان بالقدر
است در قلب او استقرار می پذیرد حتی کہ
جمیع امتعہ و اقمشۂ خود را از مملوکات خود نمی
شمارد بلکہ خود را مثل بہیمۂ کہ در سبزہ زار مالکِ
خود می چرد معدود کردہ انتفاع از مزخرفات
دنیویہ و اسبابِ زندگانی برمی گیرد، حتی کہ
اعضا و قوای خود را و طاعات و عباداتِ خود
را ہم از آں خود ندانستہ خود را مثل چوبی یا
سنگی کہ او را ہیچ از وساطت در تاثیر و
آلیت در صدور افعال از مالک آں سنگ
و چوب بہرۂ نیست قرار می دہد و بربوبیت
رب الارباب صدر او منشرح می شود کہ رَضِیْنَا
بِاللّٰہِ رَبًّا رمزیست ازیں مقام و بر تحمل
مشاق شرعیہ سینۂ او وسعتی می گیرد کہ
وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وھٰکذا اَفَمَنْ شَرَحَ
اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ ایمائی است بایں
کلام و در اتباع سنت لذتی می یابد کہ وَبِمُحَمَّدٍ
نَبِیًّا بیانی ست از احوالِ امثالِ ایں
کرام پس لابد بحکم وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا

ان میں سے ایک ذرۂ بے مقدار مشت بھر خاک کی
تربیت مختلف نعمتوں سے اور اسکی حفاظت مختلف بلاؤں
اور مصیبتوں سے کر رہی ہے سختی کے ساتھ اسکے ذہن نشین ہو جاتی
ہے اور توحید افعالی جو ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے اس کے
دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے تمام مال و اسباب
کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتا ہے بلکہ خود کو اس جانور کی طرح
شمار کرتے ہوئے جو اپنے آقا کی چراہ گاہ میں چرتا ہے دنیاوی
زینتوں اور زندگی کے سامانوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔
حتی کہ اپنے اعضاء و قوی کو اپنی طاعتوں اور عبادتوں کو
بھی اپنی بساط سے جانتے ہوئے خود کو اس لکڑی یا پتھر
کی طرح جسکی حیثیت اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہونے
میں واسطہ اور ہتھیار سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی سمجھتا ہے
اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اس کا صدر
اتنا منشرح ہو جاتا ہے کہ "رضینا باللہ ربا"[1] اسی مقام کی
رمز ہے اور شریعت کی مشقتوں کے برداشت کرنے
میں اس کا سینہ اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ "وبالاسلام[2]
دینا" اور اسی طرح افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام
اسی کی طرف اشارہ ہے اور اتباع و پیروی
سنت میں ایسی لذت پاتا ہے کہ "وبمحمد نبیا"[3]
ایسی ہی بزرگ ہستیوں کے حالات کا بیان ہے
تو یقینا "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

[1] میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا [2] اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا [3] اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ ۱۲

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَأَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي. وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ. وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ. وَذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آثارِ محبت حق جل وعلا ہویدا می گردد، وانوارِ رضامندی او کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهِ اشارتیست بآن جلوہ گری شود واورا در کنفِ ولایت خود گرفتہ وزیرِ سایۂ کفالت تربیت خود آوردہ جارحۂ تدبیرِ تکوینی وتشریعی خود می سازد۔

القصّہ او را اتصالی بہ خطیرۃ القدس وتلقی از منبع تکوینیات وتشریعیات چہ در علوم عقلیہ وچہ در عوارضِ قلبیہ بدست می آید۔ تفصیل ایں اجمال آنکہ اہلِ تشریح روحانی در باطنِ انسانی دو قوت ادراک کردہ اند۔ یکی قوتِ درّاکہ کہ آلۂ دریافت ودانش است یعنی بآں قوت اشیائے شہادیہ یا غیبیہ را دریافت می تواں کرد وآں را مسمّی بہ عقل می کنند ودیگر قوتِ عازمہ کہ حامل سائر کیفیاتِ نفسانیہ سوائے علوم وادراکات مثل فرحت

اور اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي اور وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ[1] اور وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ[2] اور وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ[3]، اور ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا[4] کے مطابق حق تبارک وتعالےٰ کی محبت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے انوار کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهِ انہیں کی طرف اشارہ ہے جلوہ گر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت کی پناہ میں لے کر اور اپنی تربیت کے سایۂ کفالت میں لاکر اپنی تکوین و تشریع کی تدبیر کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

حاصل کلام اس کو حظیرۃ القدس[5] سے اتصال اور چشمۂ ایجادات واحکامات سے چاہیے وہ علوم عقلیہ ہوں یا عوارض قلبیہ استفادہ کی طاقت ہاتھ آجاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روحانیت کی تشریح کرنے والوں نے باطن انسانی میں دو قوتوں کا ادراک کیا ہے۔ ایک قوتِ درّاکہ جو دریافت کرنے یا سمجھنے کا آلہ ہے یعنی اس قوت کے ذریعہ ظاہری اور غیبی چیزوں کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اس قوت کا نام عقل ہے، دوسری قوت ارادہ جو سوائے علوم و ادراکات کے تمام کیفیاتِ نفسانی جیسے، خوشی، غصہ

---

[1] جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے وہ کافی ہے (سورہ طلاق رکوع پہلا)
[2] اور اگر تم شکر کروگے تو اس شکر کی وجہ تم سے خوش ہوگا (سورۂ زمر رکوع پہلا)
[3] وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے (سورۂ اعراف رکوع ۲۴) [4] اور یہ اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ ہے (سورہ محمد رکوع پہلا)
[5] احاطۂ پاک۔

وغضب و شجاعت وخوف ومحبت وبغض و
رضا وکراہیت وعزم وشوق وامثال آن است
وآن را بقلب ملقب می سازند وتمایز
بین القوتین بدیہی است۔

محدثین بعضی اشخاص در بدو فطرت
ذکی العقل وغبی القلب می
باشند وبعضی عکس آن چنانچہ براہل تجربہ
پوشیدہ نیست پس کسانیکہ در بدو فطرت
ذکی العقل مخلوق اند، چوں عنایتِ ازلیہ
ایشاں را بوساطتِ تاثیراتِ غیبیہ مشرف می
سازد واورا از جانبِ ادراک در تدبیر امور
غیبیہ استخدام می نمایند وآثارِ رضامندی
حضرتِ حق وولایت کفالتِ وکیل مطلق
از جانبِ ادراک بروہویدا می کنند مثلاً
درمنام می بیند کہ اورا از جانب حق جل و
علا یا از جانبِ ملائکہ عظام یا انبیاء کرام یا
اولیائے ذوی الاحترام امری بسر انجام چیزی
می شود یا درمعاملہ بطریق مکالمہ اورا ترغیبی
بہ سوئے آں امر کردہ می شود یا بطریق کشف
تمام حال آں واقعہ من اولہا الی آخرہا
روبروئے او حاضر می شود یا در وقت
فکر ونظر امور بواعث بر فعل آں مامور بہ و
مرجحات ایقاع بر ترک آں در ذہن او
خطور می کند وامثالِ ایں انکشافِ وقائع

بہادری، خوف، محبت، بغض، رضا، کراہیت
عزم اور شوق وغیرہ کی حامل ہوتی ہے۔اس
قوت کا نام قلب ہے۔ان دونوں قوتوں کے
درمیان واضح فرق ہے۔

محدثین بعض لوگ پیدائش ہی سے تیز
عقل اور غبی قلب ہوتے ہیں۔
اور بعض ان کے برخلاف۔چنانچہ یہ بات تجربہ کار
حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو فطرتاً تیز عقل
پیدا ہوتے ہیں عنایت ازلی جب ان کو تاثیراتِ
غیبی کی وساطت سے خبردار کر دیتی ہے تو اس کو
ادراک کی جانب سے امورِ غیبی کی تدبیر میں خادم
بنا لیتے ہیں نیز ادراک کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی
رضامندی اور اس وکیل مطلق کی سرپرستی اس پر
ظاہر کرتے ہیں۔مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ
اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ یا ملائکہ عظام، یا
انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء ذوی الاحترام
کی جانب سے کسی کام کو انجام دینے کا حکم
ہوتا ہے یا کسی معاملہ میں گفتگو کے ذریعہ اس کو
اس کام کی رغبت دلائی جاتی ہے۔یا بطریق کشف
شروع سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس
کے سامنے آجاتا ہے یا کاموں کے غور وفکر کے وقت
اس حکم کردہ کام کے انجام دینے پر ابھارنے والی اور
اس کے چھوڑنے پر کرنے کو ترجیح دینے والی باتیں اس
کے ذہن میں آنے لگتی ہیں۔ایسا ہی واقعاتِ عالم کے

کونیہ یا انکشاف امور یکہ بہ تربیت طالبان
تعلق دارد یا مسائل اجتہادیہ یا سیاسات
منزلیہ یا مدنیہ را برین قیاس باید کرد۔ و
ہمچنین افعال مستحسنہ و مستھجنہ خود را کہ متعلق
رضا و سخط غیبیہ شدہ اند در کسوتِ
انوار و ظلام می بیند و آفرین و نفرین ربانیہ
درصورتِ الوانِ مستحسنہ و مستقبحہ و اشکالِ
جمیلہ و کریہہ در می یابد و این قسم اشخاص
را در عرف و شرع محدثین می نامند۔

شہدا و حواریین

وکسانی در اصل جبلّت ذکی القلب
مفطور اند این امور مذکورہ از قلبِ ایشان
سر بر می زند و عقلِ ایشان بحقیقت این امور
متنبہ شود یا نہ مثلاً بر اشیاء مقدرۃ الوقوع
کہ وساطت این شخص در وقوع آن اشیاء
در غیب متعین شدہ در دلِ خود شجاعتی و جرأتی
می یابد و داعیہ و عزمی از قلب او سر بر می زند
کہ او را ناچار کردہ بر سر ایقاع آن می آرد۔
و این شخص در سبب حدوثِ این عزم و
داعیہ حیران می ماند و لمیّتِ او را در نمی یابد۔
و بہ نسبتِ اشیاء غیر مقدرۃ الوقوع یا اشیائی
کہ وساطتِ این شخص در وقوع آن اشیاء
در غیب متعین نشدہ در خود جُبنی و انجامی و
استبعادی بوقوع آن اشیاء و فتور ہمتی و

ظاہر ہونے یا ان کاموں کے واضح ہوجانے کو جن کا تعلق
مریدین کی اصلاح سے ہے اجتہادی مسائل گھر یا شہر
کے انتظامی معاملات کے انکشاف کو اسی پر قیاس
کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اپنے ان اچھے اور بُرے کاموں
کو جو غیبی پسند و ناپسند سے متعلق ہوگئے ہیں، نور اور
تاریکی کے لباس میں ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کی خوشی و ناخوشی کو اچھے اور برے رنگوں خوبصورت
و بدصورت شکلوں میں پاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو عرف
اور شرع میں محدّثین کہتے ہیں۔

شہدا اور حواریین

وہ لوگ جو فطرتاً ذکی قلب پیدا ہوئے ہیں یہ
امور مذکور ان کے قلب مبارک سے ظاہر ہوتے ہیں۔
ان کی عقل ان امور کی حقیقت سے آگاہ ہو یا نہ ہو جیسے
اس شخص کی وساطت سے جن چیزوں کا واقع ہونا
غیب میں مقدر ہوچکا ہے اپنے دل میں ایسی شجاعت
اور دلیری پاتا ہے اور عزم و ارادہ اس کے
دل سے اس طرح اٹھتا ہے کہ ناچار اس کو اس
کام کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور یہ آدمی اس
عزم و ارادہ کے سبب کو سمجھنے میں حیران رہ جاتا
ہے۔ اور اس کی وجہ کو نہیں پاتا۔ وہ اشیاء
جن کا واقع ہونا غیر مقدر رہے۔ یا وہ اشیاء
جن کا اس کی وساطت سے ہونا غیب میں مقرر
نہیں ہوا ہے ان کی نسبت اپنے اندر بزدلی
اور رکاوٹ محسوس کرتا ہے اور ان چیزوں کے واقع

کسالتی در سعی وقوع آنها وعروض کلالی و رنجی در تحمل مشاق طلب وقوع آں در باطن او حادث می شود و همچنین بر مغضوبان حضرت حق دریائے پُر غضب از دل او فوّاره صفت می جوشد و بر مرحومان رحیم مطلق آب زُلال رحمت و شفقت از باطن او بارانِ صفت می بارد- گو کہ بہ امور یکه باعثِ مغضوبیتِ آں مغضوبان یا مرحومیت آں مرحومان گردیده مطلع نشده باشد و بعد وقوع افعال مستحسنہ و مستهجنہ در خود سروری و انبساطی یا کدورتی و انقباضی در می یابد- گو کہ مندوبیت و ممنوعیت آں افعال را ادراک نکرده باشد و بسوئے طعامی حلال و طیّب کہ در غیب برائے اکل او مهیّا کرده اند، در دل آں رغبتی پیدا می شود و از طعام حرام یا غیر معُد برائے تناولِ این شخص در دلِ او تعذّری، و نفرتی هُویدا می گردد، گو کہ امر حلّت، و حرمت در ظاهر حال بالعکس می نماید، و بسا است کہ عقل این بزرگواران بہ حقیقت آں امور متنبّہ نمی شود، و در سبب حدوث این هواجس قلبیّہ متحیّر می مانند، و این قسم اشخاص را لشهدا و حوارین در شرع ملقب می سازند-

ہونے کو بعید از عقل سمجھتا ہے اور ان کے واقع کرنے کی کوشش میں کم ہمتی اور سستی اور ان کے وقوع کی طلب میں مشقتوں کو برداشت کرنے میں اس کے اندر تکلیف اور تھکان پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے مغضوب بندوں پر غضب سے بھرا ہوا دریا اس کے دل سے فوارہ کی طرح جوش زن ہوتا ہے اور رحیم مطلق کے نیک بندوں پر رحمت و شفقت کا میٹھا پانی اس کے دل سے بارش کی طرح برسنے لگتا ہے گو کہ وہ غضب زدہ لوگوں کے مغضوب ہونے اور رحمت شدہ بندوں کے قابل رحمت ہونے کے اسباب پر مطلع نہ ہوا ہو، ان سے اچھے اور برے کاموں کے صادر ہونے سے اپنے میں خوشی و انبساط یا رنج و انقباض کو پاتا ہے۔ اگرچہ کہ ان کاموں کے جواز یا عدم جواز کو نہیں جانتا ہو اور اس حلال و پاک غذا کی طرف، جو غیب سے اس کے کھانے کے لئے تیار کی گئی ہے، دل میں اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اس کے برخلاف حرام غذا یا وہ غذا جو اس کے کھانے کے لئے تیار نہیں کی گئی ہے اس کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ چاہے ظاہر میں اس کے حلال و حرام ہونے کا حال الٹا معلوم ہوتا ہو۔ بسا اوقات ان بزرگوں کی عقل ان امور کی حقیقت سے بے خبر ہوتی ہے۔ اور یہ دل میں ان اندیشوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے حیران رہتے ہیں۔ ایسے حضرات کو اصطلاح شریعت میں شہدا اور حوارین سے موسوم کرتے ہیں۔

و عادتِ محدثین و حوارین در طلبِ امور محض
دعا و توجہ لغیب است نہ ہمت بر وقوع
آں امر گماشتن۔ یا خود متصدی ایصالِ منفعتی
یا مضرتی گردیدن، چنانکہ رسم وراہ اربابِ
قربِ النوافل است۔ پس در محلِ انتقام
اعدا و مواساتِ احبہ جز دعا ازیں کبرا صورت
نہ بندد، و بعض اہلِ خدمات از اقطاب
و اوتاد از ہر دو قسم می باشند و از لوازم
ایں مقام خواہ صاحبِ آں محدث باشد،
خواہ شہید آں است کہ دعائی کہ بعد انکشاف
مدعولہٗ یا بعد حدوث صدق عزیمت حصولِ
آں صادر شدہ باشد واجب الاجابت است،
چہ آں دعا ہم از جملہ کسوتہائے ظہورِ تقدیر
و از زمرہ صورِ فیضِ غیبی است۔ پس کسیکہ
ساعی در ابطال آں امر مدعولہ شدہ، در
مقابلہ ایں بزرگان قائم گردد۔ البتہ خائب
و مخذول خواہد گردید۔ و کسیکہ ساعی در
تحصیل آں امر مدعولہ، و در ترویج آں خواہد
شد، البتہ مفلح و منصور خواہد گردید و تحقیق
ایں مقام و تفصیل ایں مرام از سیرِ سلف
کرام مثل صحابہ و تابعین باید طلبید۔
بالجملہ ائمۂ ایں طریق و اکابرین ایں
فریق در زمرۂ ملائکۂ مدبرات الامر کہ در تدبیر
امور از جانب ملاء اعلیٰ ملہم شدہ در اجرائے

طلبِ امور میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا
محدثین اور حوارین کی عادت ہے۔ ایسا نہیں کہ اس امر
کے واقع کرنے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان
پہنچانے کے لئے خود درپئے ہو جائیں، جیسا کہ قرب نوافل
والوں کا طریقہ ہے۔ محدثین اور حوارین سے دشمنوں سے
بدلہ لینے یا دوستوں سے غم خواری کے موقع پر دعا کے سوا
اور کچھ نہیں ہوتا۔ اقطاب اور اوتاد میں سے بعض اہلِ
خدمات دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ اور اس مقام کے
لوازمات چاہے اس مقام والا محدث ہو یا شہید یہ
ہے کہ جس چیز کے لئے دعا کی گئی ہے اس کے معلوم ہو جانے
یا اس کے حاصل ہونے کے یقینی ارادے کے پیدا ہونے کے بعد
جو دعا کہ صادر ہوئی ہے اس کا قبول ہونا ضروری ہے، کیونکہ
وہ دعا بھی ظہور تقدیر کے لباسوں میں سے ایک لباس، اور
فیضانِ غیبی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ اگر
کوئی شخص جس امر کے لئے دعا کی گئی ہے اس کو باطل کرنے
کے لئے ان بزرگوں کے مقابلہ میں کھڑا ہوگا تو یقیناً وہ ناکام
و نامراد ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شخص جس امر کے
لئے دعا کی گئی ہے اس کی ترویج میں کوشش کریگا تو بیشک
وہ کامیاب و کامران ہوگا۔ اس مقام کی تحقیق، اور
اس مقصود کی تفصیل صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین وغیرہم کے حالات و واقعات سے معلوم کرنا چاہئے۔
الغرض اس طریق کے ائمہ اور اس جماعت کے اکابر
ملائکہ مدبرات الامر سے شمار کئے جاتے ہیں، جن پر تدبیر
امور میں ملاء اعلیٰ سے الہام کیا جاتا ہے اور جس کے جاری

آں می کوشند معدود اند۔ پس احوالِ
ایں کرام بر احوالِ ملائکۂ عظام قیاس
باید کرد۔

صدیقین واعلیٰ ازیں مقام مقامِ ایمان حقیقی است کہ بعض
از رجال مفطور براں کمال می باشند۔ و
حب ایمانی پردۂ خفا از روی آں مقام
دلکشا دور می کند۔ وانوار و آثارِ آں بصد
تابش و رونق ظہور می فرماید۔ وایں قسم اربابِ
کمال را بزبانِ شرع صدیقین می گویند،
وایں صدیقیت ممزوجہ بذکاءِ عقل را کہ لوازمِ
آں حکمت و وجاہت است بقرب الوجود
تعبیر می فرمایند۔

ندانی کہ اربابِ ایں کمال زعالم منقطع
شدہ اند وقرب الوجود از روئے زمیں
منطمس گردیدہ بلکہ مادام کہ ابلقِ خوش
خرام نور و ظلام در تگ و پوی است
عرصۂ وجود جولان گاہِ شہسوارانِ میادینِ
حال و مقام ست۔ آدمی طریق حصول علم قطعی
بکمالِ صاحب کمال منحصر در اخبارِ مخبرِ صادق
است۔ بعد انقراض زمانۂ نبوت منقطع گردیدہ
چناں کہ حصول علم قطعی بحکمی از احکامِ
شرعیّہ در مسائل غیر منصوصہ بعد انقراض
آں زمانِ برکت نشان متصور نیست،
حالانکہ امر استنباطِ مستنبطین واجتہاد

کرنے میں وہ کوشاں رہتے ہیں، ان بزرگوں کے احوال
کو ان ملائکۂ عظام کے اقوال پر قیاس
کرنا چاہئے۔

صدیقین اس مقام سے بلند ایمان حقیقی کا مقام ہے بعض شخصیتیں
اسی کمال پر پیدا ہوتی ہیں۔ محبت ایمانی اس دلکشا
مقام سے پردۂ خفا کو دور کردیتی ہے اور اس کے
انوار و آثار انتہائی رونق و تابش کے ساتھ
ظہور کرتے ہیں۔ ایسے کمال والوں کو شریعت کی زبان
میں صدیقین کہتے ہیں۔ اور یہ صدیقیت، جو ذکاءِ عقل کے
ساتھ ملی ہوئی ہے، اور جو حکمت و وجاہت کے لوازمات
سے ہے اس کو قربِ وجود سے تعبیر
کرتے ہیں۔

یہ نہ سمجھنا کہ ایسی کمال والی شخصیتیں دنیا سے
ختم ہوگئی ہیں اور قربِ وجود روئے زمین سے
مٹ گیا ہے۔ نہیں بلکہ جب تک روشنی اور تاریکی
کا خوش رفتار چتکبرا گھوڑا دوڑ میں مشغول ہے، وجود
کا میدان حال و مقام کے شہسواروں کی جولانگاہ ہے،
ہاں صاحب کمال کے کمال پر علم یقینی کے حصول کا طریقہ
جو مخبرِ صادق علیہ السلام کی خبروں پر منحصر ہے زمانہ
نبوت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہوگیا
ہے جیسا کہ اس برکت والے زمانہ کے گذر جانے کے
بعد غیر منصوص مسائل میں شریعت کے حکموں میں
سے کسی حکم پر قطعی علم کا تصور بھی ممکن نہیں ہے
حالانکہ مستنبطین کے استنباط اور مجتہدین کے اجتہاد

مجتہدین در زمانِ تابعین و تبعِ تابعین آں قدر جلوگر شدہ کہ عُشرِ عشیرِ آں در زمانۂ صحابہ بوقوع نیامدہ بود، واز لوازمِ ایں مقامِ غیرتِ حق است بر صاحبِ ایں کمال تفصیلش آں کہ چوں آں عنایتِ ازلیّہ در بدوِ فطرت بلا استحقاق و اکتساب بدون واسطہ و حجاب ایں صاحبِ کمال را از زمرۂ مقبولاں قرار دادہ و در جمیعِ احیان و اوقات بغیر وسائط و آلات متکفلِ تربیتِ آں مقبول گردیدہ، پس اگر احیاناً بمقتضائے لوازمِ بشریت التفاتی بسوی ما سوائے حق از صمیمِ قلبِ آں مقبول سر برمی زند، و در تہِ دل باآں چیز علاقہ بہم می رساند، یا چیزی از اموریکہ بسببِ مصادفتِ آں امر ہماں نورِ جبلّی او ظہور کردہ واسطۂ تربیت می انگارد۔ ہماں عنایتِ ازلیّہ آں علاقہ را بنوعی از انواعِ تدبیرات برہم می زند و آں خیال را از ہم می پاشد۔ واز جملہ آثار ایں مقام نزولِ قبول در قلوبِ صلحاءِ بنی آدم است کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰی[1] جِبْرَئِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ

کا معاملہ تابعین اور تبعِ تابعین کے دور میں اس قدر ظاہر ہوا تھا کہ اس کا عُشرِ عشیر بھی صحابۂ کرامؓ کے زمانے میں واقع نہ ہوا تھا۔ ایسے کمال والے پر اللہ تعالیٰ کی غیرت اس مقام کے لوازمات میں سے ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ عنایتِ ازلی نے ابتدائے فطرت ہی میں کسی طلب و کسب اور واسطہ و حجاب کے بغیر اس صاحبِ کمال کو مقبولین کی جماعت میں کر دیا۔ ہے اور وہ عنایتِ ازلی وسائط و ذرائع کے بغیر ہر لحظہ و ہر آن اس مقبول بندے کی تربیت کر رہی ہے۔ اگر کسی وقت بتقاضائے لوازمِ بشریت اس مقبول بندے کے قلب سے ماسوی اللہ کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں اس کے ساتھ کوئی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ یا ان امور میں سے کسی امر کو جن کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا جبلی نور ظاہر ہوا واسطۂ تربیت سمجھ بیٹھے تو وہی عنایتِ ازلی اس تعلق کو کسی ایک تدبیر کے ذریعہ ختم کر دیتی ہے اور اس خیال کو بھی پاش پاش کر دیتی ہے۔ بنی نوعِ انسان کے نیک بندوں کے دلوں میں قبولیت کا نازل ہونا اس مقام کی علامات سے ہے کیونکہ حدیث ﷺ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرَئِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰی اَنْ قَالَ حَتّٰی

---

[1] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے تو جبرئیل کو آواز دیتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو، جبرئیل اس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر آسمان میں اعلان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا، حتّیٰ کہ اس کو زمین پر بھی مقبول بنا دیا جاتا ہے۔ (حدیث)

اِلیٰ اَن قَالَ حَتّیٰ یُوضَعَ لَہُ القَبُولُ فِی الاَرضِ اشارتی است باین معنی اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبّت امثال این کرام خود شعار ایمان محب و علامت تقویٰ اوست ذٰلِکَ وَمَن یُّعَظِّم شَعَائِرَ اللہِ فَاِنَّھَا مِن تَقوَی القُلُوبِ وبغض اشباہ این عظام امارت نفاق مُبغض ونشان شقاوت اوست کہ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ شَقِیٌّ اشارتی باین معنی رفتہ۔

مفہمین مقام انبیاءٌ ورسل و اتباع ایشان

واعلیٰ وارفع ازین مقام مقام نیابت عن اللہ است در ضرب تحدیدات شرعیہ و در اقامت اشباح ومظان حکم مقام حقائق آں و در تعیین ارکان و آداب و شروط و مفسدات تربیت نوع انسانی عموماً و این مقام بالذات مقام اصحاب شرائع است از انبیاء و مرسلین و بہ تبعیت ایشان ظلی ازاں مقام نصیبۂ بعضی عظام از اتباع انبیاء کرام می شود کہ ایشان را در عرف قوم مفہمین می نامند، و این مقام را بمقام قرب الفرائض تعبیر می فرمایند۔

حجج اللہ مقام اولوالعزم و اتباع ایشان

واعلیٰ وارفع ازین مقام مقام نیابت

یُوضَعُ لَہُ القَبُولُ فِی الاَرضِ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر تم اچھی طرح غور وفکر کروگے تو یہ بات واضح ہوگی کہ ایسے بزرگوں کی محبت خود محبت کرنے والے کے شعار ایمان اور تقویٰ کی علامت ہے۔ ذٰلِکَ[1] وَمَن یُّعَظِّم شَعَائِرَ اللہِ فَاِنَّھَا مِن تَقوَی القُلُوبِ ایسے بزرگوں سے بغض وعناد رکھنا بغض رکھنے والے کی منافقی اور اسکی بدبختی کی علامت ہے۔ کیونکہ لَا[2] یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ شَقِیٌّ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

مفہمین مقام انبیاء ورسل اوران کے متبعین } اس سے اونچا مقام اللہ تعالیٰ کی نیابت کا مقام ہے۔ حدود شرعیہ کے جاری کرنے اور اشباح ومظان[3] حکم کو ان کے حقائق کی جگہ قائم کرنے، اور عموماً نوع انسانی کی تربیت کے ارکان، آداب شرائط اور مفسدات کے تعین کرنے میں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں۔ یہ مقام بالذات حضرات انبیاء و مرسلین میں سے اصحاب شرائع کا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے متبعین میں سے بعض بزرگوں کو اس مقام سے کچھ پرتو نصیب ہوتا ہے ان کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں۔ اس مقام کو قرب فرائض سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

حجج اللہ مقام اولوالعزم اور ان کے متبعین } اس سے بلند مقام نیابت اللہ کا وہ مقام ہے جس میں غافلوں کو جگانے

[1] اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے بیشک وہ دل کے تقویٰ سے ہے۔ (سورۂ حج رکوع ۴)
[2] پرہیزگار مومن کے سوا اس کو کوئی دوست نہیں رکھتا اور بدبخت منافق کے سوا کوئی اس سے بغض نہیں رکھتا (حدیث)
[3] لوگوں کی استعداد اور مصلحت کے مطابق احکامات جاری کرنا۔

عن اللہ است در ایقاظ غافلین و ازالۂ عذر جاہلین و اتمام حجت بر معاندین و جاحدین بہ مجرد دلیل و برہان یا مع السیف والسنان کہ بوجود برکت آمود ایشاں مضمون قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ[1] متحقق می گردد۔ و ازیں مقام بالذات مقام انبیاء اولوالعزم است و بعض از کبار بہ تبعیت آں اولوالایدی والابصار بظلی ازیں مقام و پرتوئے ازیں افتخار بہرہ ور می شوند کہ ایشاں را در عرف قوم حجج اللہ می خوانند وایں مقام را قرب ملکوت می نامند۔

مقام فردانیت مقام خاتم الانبیاء و دور آخر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

وعلیٰ و ارفع ازیں مقام، مقام ریاست ادوار و اطوار است وایں مقام بالذات مقام حضرت خاتم النبوت و فاتح الولایت است علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ و بہ تبعیت ایشاں نمونۂ ازیں مقام بہ بعضی کرام از اتباع او می بخشند کہ ایشاں را بفاتحین و خاتمین ملقب می سازند یعنی بوجود آں شخص نہایت مآل دورۂ سابقہ و بدایت کمال دورۂ لاحقہ متحقق می گردد، وایں مقام را در اصطلاح بمقام فردانیت ملقب می سازند وہمہ اہل کمال کہ دراں دورہ متحقق می شوند در حقیقت تبع آں امام دورہ اند اگرچہ ایشاں آں امام را دانند یا نہ دانند۔ و معنی اتباع ایشاں

جاہلوں کے عذر کو دور کرنے منکرین و مخالفین پر صرف دلیل سے حجت تمام کرنے یا بصورت دیگر نیزہ و تلوار کے ساتھ نکلنے ہیں ان حضرات کے بابرکت وجود سے قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ کا مضمون ثابت ہوتا ہے۔ یہ بالذات انبیاء اولوالعزم کا مقام ہے۔ بعض بزرگان دین ان صاحبان قدرت و بصیرت کی اتباع و پیروی کی برکت سے اس مقام کے ظل اور اس افتخار کے پرتو سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان کو اصطلاح قوم میں حجج اللہ کہتے ہیں اور اس مقام کو قرب ملکوت کہتے ہیں۔

مقام فردانیت مقام خاتم الانبیاء و آخرین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس مقام سے بلند ترین مقام ادوار[2] اور اطوار[3] کی ریاست ہے اور یہ نفس نفیس حضرت خاتم نبوت و فاتح ولایت کا مقام ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کی اتباع کی برکت سے بعض بزرگوں کو اس مقام کا نمونہ عطا کیا جاتا ہے۔ ان برگزیدہ شخصیتوں کو فاتحین اور خاتمین سے موسوم کرتے ہیں یعنی اس شخصیت کے وجود سے گذشتہ دور کے نتیجہ کی نہایت اور آنے والے دور کے کمال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس مقام کو اصطلاح میں مقام فردانیت سے ملقب کرتے ہیں اور تمام اہل کمال جو اس دور میں ہوتے ہیں درحقیقت وہ اس دور کے امام کے تابع ہوتے ہیں۔ چاہے یہ حضرات اس امام کو جانتے ہوں یا نہ جانتے

---

[1] آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے کامل حجت ہے۔ سورہ انعام رکوع ۱۸۔

[2] دور کی جمع ادوار آتی ہے [3] طور کی جمع اطوار آتی ہے۔

نہ آن ہست کہ ایشاں قصد تقلید اُومی کنند، یا سلسلۂ تربیت ایشاں باومی رسد بلکہ معنی اتباع دریں مقام آن ہست کہ در خدمت ہماں شان الٰہی کہ دریں دورۂ ظہور فرمودہ بجان و دل می کوشند وہمہ علوم مناسبۂ آں شان کہ اولاً در قلب ہماں امام ریختہ بودند۔ ثانیاً در قلب ایں بزرگواران از مخزن غیب وپردۂ لاریب می ریزند، چناں کہ عزم اشاعت ایں علوم اولاً از قلب آں امام سر برزدہ ہمچنیں ہماں عزم ثانیاً از قلب ایں بزرگواران سر برمی زند۔

پس ازاں باید دانست کہ ایں مقامات ثلثۂ اخیرہ بالذات مسلّم انبیاء ہست وغیر ایشاں را بجز ظلّی ازیں کمالات و نمونہ ازیں مقامات رسائی نہ باوجودیکہ امثال ایں اکابر کہ بہ اشباح ایں مفاخر فایز شوند مثل کبریت احمر واکسیر اعظم نادرالوقوع وکمیاب اند ولہٰذا در مباحث ایں مقامات ثلاثہ بر اشارتی اجمالیہ اکتفا کردہ تفصیل آں را بر مقام دیگر حوالہ کردہ شد ونیز اکتناہ ایں مقامات بلکہ تحقیق سائر کمالات بدون حصول آں مآثر ووصول باں مفاخر صورت نہ بندد، پس جد وجہد در تبیین آں اسرار مکنونہ سعی بے حاصل وتطویل لاطائل می نماید۔ فرد ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

ہوں، ان کی اتباع وپیروی کا یہ معنی نہیں کہ یہ اس کی تقلید کا قصد کرتے ہیں یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع وپیروی کا یہ معنی ہے کہ اس دور میں ظاہر شدہ شانِ الٰہی کی خدمت میں دل و جان سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان الٰہی کے مناسب جتنے بھی علوم اولاً اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری مرتبہ خزانۂ غیب اور پردۂ لاریب سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں جیسا کہ ان علوم کی اشاعت کا ارادہ پہلے پہل اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا ایسا ہی ارادہ دوبارہ ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آخر کے تینوں مقامات بالذات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہیں ان کے علاوہ دوسروں کو ان کمالات کے پرتو اور ان مقامات کے کچھ حصے کے سوا میسر نہیں۔ باوجودیکہ ایسے اکابرین جو قابل فخر چیزوں کے ساتھ کامیاب وکامران ہیں کبریت احمر اور اکسیر اعظم کی طرح نادرالوقوع اور کمیاب ہیں۔ اسی لئے ان تینوں مقامات کی بحث میں اجمالی اشارہ پر اکتفا کرتے ہوئے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر کردی گئی ہے نیز ان مقامات کی حقیقت تک رسائی بلکہ تمام کمالات کی تحقیق ان خوبیوں کے حصول اور مفاخر تک پہنچے بغیر نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان پوشیدہ رازوں کو بیان کرنا لاحاصل کوشش، بیکار طوالت معلوم ہوتی ہے۔ (ترجمہ شعر)

کوئی ناقص آدمی مردِ کامل کی حقیقت کو سمجھ نہیں
سکتا، لہٰذا بات کو مختصر کردینا چاہئے اور بس۔

آدمی این قدر باید فہمید کہ حبّ ایمانی مثمر ثمرات
بس عجیبہ و منتج نتائج بس غریبہ است کہ تخم آں
عنایتِ یزدانی و اجتبائے رحمانی است و عنایت
حضرتِ حق و اجتبائے جوادِ مطلق را حدّی و پایانی
نہ۔ فرد

دارغ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند
صدرِ ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

ونیز باید دانست کہ درمیان راہ ولایت و
راہِ نبوت تباین ندانی حتی کہ سالکانِ راہ ولایت
ہرگز بہ مقامات راہِ نبوت فایز نہ نشوند یا طالبانِ راہ
نبوت مورد حالاتِ ولایت نہ گردند۔ یا اربابِ حبِ
عشقی عاطل از حبِ ایمانی باشند و اصحابِ حبِ ایمانی
غافل از حالاتِ عشقیہ بمانند حاشا و کلا۔ چہ کتابِ
فتوح الغیوب کہ منسوب بہ پیشوائے اولیاء و قدوۂ
اربابِ فنا و بقا ذی المناقب والمفاخر اعنی
الشیخ عبد القادر است دیدہ باشی کہ از سر تا پا، از
مضمونِ فنائے ارادہ کہ خلاصہ حبِ ایمانی است
مشحون است۔ و حکایاتِ پیچ و تابی و قلق و اضطرابی
کہ بر دلِ مبارک سید الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیم در زمان فترتِ وحی میگذشت شنیدہ
باشی کہ معاملاتِ عجز و نیازی و استغنائی و
نازی کہ فیما بین گذشتہ رشک افزائی قصص لیلیٰ
و مجنون است۔ کذا فی الصراط المستقیم
لمولوی اسمعیل دھلوی۔

مگر اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ محبّتِ ایمانی بے حد عجیب ثمرات
اور حیرت انگیز نتائج عطا کرتی ہے کیونکہ اس
محبت کا بیج عنایتِ یزدانی اور قبولیتِ رحمانی ہے۔
عنایتِ حضرت حق قبولیت جوادِ مطلق کے لئے کوئی حد
وانتہا نہیں۔۔۔ ترجمہ شعر

آپکے غلامی کے داغ نے خسروؔ کے مراتب کو بلند کردیا
اور وہ غلام صدرِ ولایت ہوجاتا ہے جس کو بادشاہ نے خرید لیا ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ راہِ ولایت اور راہِ نبوت کے درمیان
فرق نہیں ہے، راہ ولایت کے چلنے والے ہرگز راہ نبوت کے
مقامات پر فائز نہیں ہوں گے۔ یا راہِ نبوت کے طلبگار حالاتِ
ولایت کا مورد نہیں ہوتے یا حبِ عشقی والے محبتِ ایمانی سے
خالی ہوتے ہیں، اور محبت ایمانی والے حالات عشقیہ سے
غافل رہتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں کتاب "فتوح الغیوب"
جو پیشوائے اولیاء رہنمائے اصحاب فنا و بقا، صاحب
مناقب و مفاخر یعنی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی تصنیف لطیف کو تم نے دیکھا ہوگا، جو سرتاپا
فنائے ارادہ کے مضمون سے جو محبتِ ایمانی کا خلاصہ
ہے، بھری ہوئی ہے۔ نیز انقطاع وحی کے زمانہ میں سید الانبیاء
والمرسلین علیہ السلام کے قلب مبارک پر پیچ و تاب اور
قلق و اضطراب والے جو واقعات گذر چکے ہیں تم نے
ان کو سنا ہوگا کہ آپ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان
عجز و نیاز اور ناز و استغناء کے جو معاملات گذر چکے
ہیں لیلیٰ مجنوں کے قصوں کے لئے بھی رشک افزا
ہیں ـــــ اسی طرح حضرت مولوی اسمٰعیل
دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب صراطِ مستقیم میں لکھا ہوا

فائدہ (۱۰)

ارباب سلوک سفر العبد در دائرۃ الوجود چہار گفتہ اند سہ سفر در قوس عروجی است وسفر چہارم در قوس نزولی. کما قال الکاشی فی اصطلاحاتہ

السفر ھو توجہ القلب الی الحق والاسفار اربعۃ

الاول ھو السیر الی اللہ من منازل النفس الی الوصول الی الافق[1] المبین وھو نہایۃ مقام القلب ومبدأ التجلیات الاسمائیۃ۔

الثانی ھو السیر فی اللہ بالاتصاف بصفاتہ والتحقق باسمائہ الی الافق[2] الاعلی وھو نہایۃ الحضرۃ الواحدیۃ[3]۔

الثالث ھو الترقی الی عین الجمع والحضرۃ الاحدیۃ وھو مقام قاب قوسین ما بقیت الاثنینیۃ فاذا ارتفعت فھو مقام او ادنی وھو نہایۃ الولایۃ۔

الرابع ھو السیر باللہ عن اللہ للتکمیل وھو مقام البقاء بعد الفناء والفرق بعد الجمع۔ انتہی

وفیہا ایضا نہایۃ السفر الاول ھو رفع حجب الکثرۃ عن وجہ الوحدۃ ونہایۃ السفر

[1] الافق المبین ھو نہایۃ مقام القلب ۔ کاشیؒ

[2] الافق الاعلی ھو نہایۃ مقام الروح وھی الحضرۃ الواحدیۃ والحضرۃ الالوھیۃ ۔ کاشیؒ

[3] ای واحدیت مفصلہ کہ آں را الوہیت گویند۔

فائدہ (۱۰)

اہل سلوک دائرہ وجود میں بندے کے چار سفر قرار دیتے ہیں، ان میں سے تین سفر قوس عروجی میں اور چوتھا سفر قوس نزولی میں ہوتا ہے، حضرت کاشیؒ اپنی کتاب اصطلاحات میں فرماتے ہیں کہ سفر قلب کے حق کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے اور وہ چار ہیں۔ **پہلا** سیر الی اللہ ہے یعنی نفس کی منزلوں سے افق مُبین تک پہنچنا ـــ یہ مقام قلب کی نہایت اور تجلیات اسمائی کا مبدأ ہے۔

دُوسرا سیر فی اللہ ہے، یعنی صفات الٰہی سے متصف اور اس کے اسماء کے تحقق کے ساتھ افق اعلیٰ تک پہنچنا، یہ مرتبہ واحدیت کی انتہا ہے۔

تیسرا عین جمع اور مرتبہ احدیت کی طرف ترقی کرنا، یہ مقام قاب قوسین ہے، جہاں دوئی باقی نہیں رہتی، رفع دوئی کے بعد مقام او ادنیٰ پر فائز ہوجاتا ہے جو ولایت کی انتہا ہے۔

چوتھا سیر باللہ عن اللہ ہے۔ اس میں بندہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ مقام بقاء ہے فنا کے بعد اور مقام جمع ہے فرق کے بعد

نیز اسی کتاب میں لکھا ہے کہ وحدت کے چہرے سے کثرت کے پردوں کو اٹھا دینا سفر اول کی انتہا ہے اور کثرت علمیہ

[1] افق مُبین یہ مقام قلب کی نہایت ہے۔ کاشیؒ

[2] افق اعلیٰ یہ مقام رُوح کی نہایت ہے اور اس کو حضرت واحدیت اور حضرت الوہیت بھی کہتے ہیں۔ کاشیؒ

[3] یعنی واحدیت مفصلہ جس کو الوہیت کہتے ہیں۔

الثانی هو رفع حجاب الوحدة عن وجوہ الکثرة العلمية الباطنية۔ ونهاية السفر الثالث هو زوال التقيد بالضدين الظاهر والباطن بالحصول فی احدية عن الجمع۔ ونهاية السفر الرابع عند الرجوع عن الحق الی الخلق فی مقام الاستقامة هو احدية الجمع والفرق بشهود اندراج الحق فی الخلق واضمحلال الخلق فی الحق حتی یری عین الوحدة فی صورة الکثرة وصور الکثرة فی عین الوحدة۔ انتهیٰ ــــ وبعضی دو سفر در قوس عروجی و دو سفر در قوس نزولی مقرر کردہ اند۔ چنانچہ در رسالۂ خواجہ احرارؒ مذکور است اعلم ان التجليات الواردة علی اهل الله تعالیٰ ثلثة اقسامٍ۔ فعلیةٌ واسمائیةٌ وذاتیةٌ ولکل واحد طرق ومواردٌ ومراتب شتیٰ غیر محصورة تفاصیلها۔ چوں موانع مرتفع شد ومعاون مجتمع گشت قابل فیض تجلی جلالی وجمالی لایزالی شود۔

اول تجلیاتِ افعالِ الٰہی ظاہر شود و سالک چناں مشاہدہ کند کہ ہیچ فعل در صور ایں مظاہر نمی شود الّا از حق سبحانہٗ وتقدس۔ و در مثال چنیں داند کہ صُوَرِ عالم بمشابہ لُعبتی[۲] چند کہ استاد کامل بحسب خیال رقائق ایشاں را از باطن تحریک می دہد و افعال خود را تمام می نماید و ایں را توحیدِ افعالی می گویند۔

باطنیہ کے چہرے سے حجابِ وحدت کو اٹھا دینا سفرِ ثانی کی انتہا ہے، احدیت عین جمع میں ضدین یعنی ظاہر و باطن کی تقیّد کے زوال کا حصول سفرِ ثالث کی انتہا ہے۔ اور حق سے خلق کی طرف مقامِ استقامت میں رجوع کرنا سفرِ رابع کی انتہا ہے۔ مقامِ استقامت احدیت جمع و فرق ہے۔ خلق میں ظہورِ حق اور حق میں محوِ حق کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ، یہاں تک کہ سالک ذاتِ وحدت کو کثرت کے چہروں میں اور کثرت کے چہروں کو ذاتِ وحدت میں دیکھتا ہے۔ بعض صوفیاءِ کرام قوسِ عروجی اور قوسِ نزولی میں دو دو سفر قرار دیتے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ احرار علیہ الرحمہ کے رسالے میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ پر وارد ہونے والی تجلیات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تجلی فعلی۔ دوسری تجلی اسمائی تیسری تجلی ذاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے کئی منزلیں اور مراتب ہیں جن کی تفصیل حاطرے باہر ہے جیسے ہی حجابات ختم ہو کر معاون جمع ہو جاتے ہیں سالک لازوال تجلی جلالی و جمالی کے فیضان کا قابل ہو جاتا ہے، پہلے سالک پر تجلیاتِ افعالِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے، وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے بغیر ان مظاہر کی صورتوں میں کوئی فعل بھی ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں سالک اس طرح جانتا ہے کہ عالم کی صورتیں کٹھ پتلیوں کی طرح ہیں جن کو استادِ کامل اپنے خیال کے موافق ان کے دھاگوں کو اندر سے حرکت دے رہا ہے اور اپنے افعال کو انجام دے رہا ہے اس کو توحیدِ افعالی کہتے ہیں۔

[۱] کثرت چو حباب و وحدتش آب
بردار حباب و آب دریاب

(ترجمہ) کثرت حباب یعنی بلبلوں کی طرح ہے۔ اس کی وحدت پانی ہے۔ حباب یعنی بلبلوں کو ختم کر دو۔ پانی کو حاصل کرلو۔

حاشیہ ۲ اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجئے۔

دوم تجلیات اسمائی وصفاتی ظاہر شود تا سالک مشاہدہ کند و محققش گردد کہ ہیچ صفتی کمالی نیست الاحق را سبحانہٗ وچنیں داند کہ حیات وعلم وقدرت وارادت وسائر صفات کمالیہ کہ اہلِ عالم را است ، جملہ آں حق را است سبحانہٗ ونسبت آنہا باہلِ عالم عاریتی و تحقق بایں مقام را توحید صفاتی گویند۔ وہر تجلّی سابق نفس را استعدادی می بخشد بقبول تجلّی لاحق ، چناں کہ عند التحقق بالتجلّی الافعالی مستعد تجلّی صفاتی می گردد۔ وعند التجلّی الصفاتی مستعد تجلّی ذاتی می گردد۔

سیوم مرتبہ انوار تجلّیات ذات ظہور کند وذوات عالم واہلِ عالم را ظلّ ذات الہیّت داند۔

دوسرا ۔ سالک پر تجلیاتِ اسمائی وصفاتی کا ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ سالک مشاہدہ کرتا ہے اور اس بات کا محقق ہوتا ہے ، کہ صفات کمال سوائے حق سبحانہٗ کے کسی اور کو نہیں اور یوں جانتا ہے کہ حیات ، علم ، قدرت ، ارادہ اور تمام صفات کمالی جو اہلِ عالم کو حاصل ہیں ، وہ تمام حق سبحانہٗ کے ذاتی ہیں ، ان کی نسبت اہلِ عالم کی طرف جو کیجاتی ہے وہ صرف عارتیاً ہے ، اس مقام کے پانے کا نام توحیدِ صفاتی ہے ۔ اس میں ہر سابق تجلّی ، تجلّی لاحق کو قبول کرتے ہوئے نفس سالک کو استعداد بخشتی ہے چنانچہ تجلّی افعالی کے تحقق کے وقت تجلّی صفاتی کا مستعد ہوتا ہے اور تجلّی صفاتی کے تحقق کے وقت تجلّی ذاتی کا مستعد ہوتا ہے ۔

تیسرا ۔ سالک پر تجلیاتِ ذاتی کے انوار کا ظہور ہوتا ہے سالک ذواتِ عالم اور اہلِ عالم کو ذاتِ الٰہی کا ظلّ جانتا ہے ۔

حاشیہ ماقبل ص۱۷۵ امام ربانیؒ در مکتوب سی اُم ۳۰ جلد اول می فرمایند :- جماعہ کہ حدید البصر اند می دانند کہ جاعل ایں افعال دراں صور جمادیہ آں شخص پردہ نشین است اما مباشر ایں افعال ہماں صور اند ، لہذا می گویند کہ صورت متحرک است ، نمی گویند شعبدہ باز متحرک است ، نفس الامر دریں حکم محقّ اند ، شرائع انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات بہمیں حکم ناطق اند وحکم بوحدت فعل از جملہ سکریات است بل الحق الصریح ان الفاعل متعدد وخالق الافعال واحد ——— انتہٰی ۔

امّا وجدان بوحدت فاعل حکم می نماید ، چہ افعالیکہ از حواس واعضاء صدور می یابند نفس واحد فاعل آنہا خود را می داند ، وآیہ ، یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید وآیہ کریمہ ، ان ربک فعّال لما یرید ، مؤید ہمیں معنی است ـــ واللہ اعلم ۔

حضرت امام ربانیؒ جلد اول کے تیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں ، باریک بیں حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان جمادی صورتوں میں ان حرکات و افعال کا خالق وہ پردہ نشین شخص ہے ۔ ان افعال کا تعلّق انہیں صورتوں سے ہے ۔ اس لئے کہتے ہیں کہ صورت متحرک ہے ۔ یہ نہیں کہتے کہ شعبدہ باز متحرک ہے ۔ درحقیقت اس حکم میں یہ لوگ حق پر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتیں بھی اسی حکم پر ناطق ہیں ، وحدت فعل کے ساتھ حکم کرنا سکریات سے ہے ۔ بلکہ واضح اور حق بات یہ ہے کہ فاعل کثیر ہیں اور افعال کا خالق ایک ہی ہے لیکن وجدان فاعل کی وحدت کا حکم لگاتا ہے ، اس لئے کہ جو بھی افعال حواس واعضاء سے صادر ہوتے ہیں ، نفس واحد خود کو ان افعال کا فاعل سمجھتا ہے ، اور آیت کریمہ (ترجمہ) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کا ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے ۔ نیز آیت کریمہ (ترجمہ) بیشک آپ کا رب جس کام کا ارادہ کرتا ہے انجام دیتا ہے ۔ اسی معنی کی تائید کرتی ہے ۔ واللہ اعلم

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (الآیہ) اشارت بآن است دریں تجلّی، باقی صفات کہ ظلالِ صفاتِ الٰہی اند بجملگی فانی می شوند و ذاتِ صمدیت و ہویّت احدیت باقی می ماند كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ حق الیقین سالک می گردد و ندا لِمَنِ الْمُلْكُ بگوشِ جان می شنود نہ بخود۔ بلکہ بحق سبحانہ زیرا کہ تعیّن او نیز فانی شدہ است و از حق باز بحق می شنود کہ بخود جواب می گوید کہ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ایں را سفرِ اول گویند مِنَ الْخَلْقِ اِلَى الْحَقِّ پس حق جلّ و علا بجہت تکمیل و ارشاد طالبان دریں سفر اورا قوت سیر دہد تا در اسماء و صفاتِ الٰہی سیر می کند و ایں را السفر فِی اللّٰهِ گویند و ایں سفرِ دویم است و در آخر ایں سفر خلعتِ وجودِ حقانی در وی پوشانند و بتعینی ذاتی اورا متحقق گردانند تا از حق بخلق آید بجہت رہنمائی خلق بحق و ایں سفرِ سیوم است، کہ آں را السفر من اللہ الی الخلق گویند و دریں در ہر مرتبہ از مراتبِ تنزلاتِ وجودی کہ فرود می آید در ہر موجودی دو نسبت می یابد، نسبتِ حقانی، نسبتِ خلقانی وھو معکم اینما کنتم عبارت ازاں داں، کہ نسبتِ خلقیت و نسبتِ حقیقت قائم است و چوں ایں سفر تمام شد، قدم در سفرِ چہارم نہد، کہ آں

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ[1] ۔ یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس تجلّی ذاتی میں باقی دوسرے صفات جو صفاتِ الٰہی کے ظلال ہیں تمام فنا ہو جاتے ہیں صرف ذات بے نیاز ہویّت احدیت باقی رہ جاتی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ[2] یہ آیت سالک کے لئے حق الیقین بن جاتی ہے اور لِمَنِ الْمُلْكُ[3] کی آواز رُوح کے کانوں سے سُننے لگتا ہے یہ اپنے سے نہیں سنتا ہے بلکہ حق سبحانہٗ سے سُنتا ہے کیونکہ اس کا تعیّن فنا ہو چکا ہے پس حق ہی سے سنتا ہے اور خود سے جواباً کہہ اٹھتا ہے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ[4] اس کو سفر اول کہتے ہیں جو خلق سے حق کی جانب ہوتا ہے۔ اللہ کی تکمیل و رہنمائی کے لئے اس سفر میں سالک کو سیر کی طاقت عطا فرماتا ہے تاکہ اسماء و صفاتِ الٰہی میں سیر کرے اس سفر کو سفر فی اللہ کہتے ہیں۔ یہ دوسرا سفر ہے اس سفر کے آخر میں سالک کو وجود حقانی کی خلعت پہنائی جاتی ہے اور اس کو تعین ذاتی سے آگاہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ حق سے خلق کی طرف آئے اور حق کی جانب خلق کی رہنمائی کرے۔ یہ تیسرا سفر ہے اس کو حق سے خلق کی طرف سفر کہتے ہیں، سالک اس سفر میں تنزلاتِ وجودی کے ہر مرتبہ سے گذرتا ہے تو وہاں ہر موجود میں دو نسبتوں کو پاتا ہے ایک نسبتِ حقانی، دوسری نسبتِ خلقی۔ وھو معکم اینما کنتم[5] کا مضمون یہی ہے۔ کیوں کہ خلقیت کی نسبت حقیقت کی نسبت سے قائم ہے۔ جب سالک اس سفر کو مکمل کر لیتا ہے تو چوتھے سفر میں قدم رکھتا ہے، یہ سفر

[1] کیا نہیں دیکھا آپؐ نے اپنے رب کی طرف کہ کیسا دراز کیا سایہ کو۔ سورۂ فرقان رکوع ۵۔ [2] اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ سورۂ قصص رکوع ۹۔ [3] آج بادشاہت کس کے لئے ہے۔ سورۂ مؤمن رکوع ۲۔ [4] خدائے واحد و قہار کے لئے۔ سورۂ مؤمن رکوع ۲۔ [5] تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ سورۂ حدید رکوع ۱۔

السفر فی الخلق بالحق است واین مقامِ قطبیت وغوثیت وخلافتِ حق است وچوں بندہ فانی از خود وباقی بحق وموجود بوجودِ ثانی وموصوف بصفات سبحانی گشت ودر ہمہ مراتب وجودی از روحانی وجسمانی متصرف گردد ودائماً بتجلیات جمالی وجلالی ذاتاً وصفتاً وفعلاً متجلی شود حق در خلق وخلق در حق مشاہدہ کند، نی یکی حجاب آں دیگر شود، و از جہتِ بندگی حق سبحانہٗ ہیچ بندہ از وے بندہ تر نباشد واز جہتِ تحقق بصفاتِ حقانی وتخلق باخلاقِ سبحانی ہیچ موجودی از وے بزرگ تر، و خواجہ تر نباشد۔ دائماً نظر او بجہت عبدیت وخلقیت خود باشد وبفقرِ ذاتی خود وغناءِ ذاتی حق معترف بود انتہٰی

وامام ربانیؒ در معارف لدنی می نگارد سیر وسلوک عبارت از حرکت در علم است کہ از مقولہٗ کیف است حرکت اینی اینجا گنجائش ندارد۔
پس سیر[1] الی اللہ عبارت از حرکت علمیہ است کہ از علم

حق سے خلق میں ہوتا ہے۔ یہ مقامِ قطبیت، غوثیت اور مقامِ خلافتِ حق تعالیٰ ہے۔ جب بندہ خود سے فانی، حق سے باقی اور وجودِ ثانی سے موجود ہوتا ہے نیز صفاتِ الٰہی سے متصف ہوکر روحانی اور جسمانی کے تمام مراتب وجودی پر متصرف ہوتا ہے اور ہمیشہ تجلیاتِ جمالی وجلالی سے ذاتاً، صفتاً اور فعلاً متجلی ہوتا ہے تو حق کو خلق میں اور خلق کو حق میں مشاہدہ کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک دوسرے کے لئے حجاب بن جائے۔ حق سبحانہٗ کا بندہ ہونے کے لحاظ سے کوئی بندہ بھی اس سے کامل تر بندہ نہیں ہوتا اور صفاتِ حقانی اور اخلاقِ سبحانی سے متصف ہونے کے اعتبار سے کائنات کی کوئی شئی بھی اس سے بڑی اور افضل نہیں ہوتی، اس کی نظر ہمیشہ اپنی عبدیت وخلقیت پر ہوتی ہے نیز اپنے ذاتی فقر اور حق تعالیٰ کے غناءِ ذاتی کا معترف رہتا ہے۔

حضرت امام ربانیؒ معارف لدنی میں رقمطراز ہیں سیر وسلوک حرکتِ علمی کا نام ہے، جو مقولہٗ کیف سے ہے حرکتِ اینی کے لئے یہاں گنجائش نہیں ـــــ سیر الی اللہ حرکتِ علمی سے

---

[1] قولہ سیر الی اللہ صاحبِ مثنوی می گوید

ای خنک آں مرد کز خود رستہ شد
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد
موم وہیزم[2] چوں فدائے نار شد
ذاتِ ظلمانی او انوار شد
وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے گسست
مرغ[3] کو اندر قفس زندانی است
می نجوید رستن از نادانی است

صاحبِ مثنوی فرماتے ہیں (ترجمۂ مثنوی پیر ابن یوسفی)

ہے وہ عمدہ شخص جو خود سے چھٹا
جسمِ زندہ میں وہ بس جا کر ملا
موم وہیزم جو کہ آتش میں جلی
ذاتِ ظلمت اس کی نورانی ہوئی
آہ وہ زندہ کہ مُردوں سے ملا
ہے یہ مردہ زندگی اس سے جدا
مرغ کو اس کو قفس زندان ہے
نے رہائی ڈھونڈے وہ نادان ہے

[2] ہیزم ۔ لکڑی ـــ آتش آگ ـــ [3] مرغ ۔ پرندہ ـــ قفس ۔ پنجرہ ـــ زنداں ۔ قید خانہ۔

اسفل بعلم اعلیٰ می رود، وازاں اعلےٰ باعلیٰ دیگر
اِلیٰ اَنْ ینتَہِیَ الی علم الواجب تعالیٰ
بعد طَیِّ علوم الممکنات کلہا وزوالہا
باسرہا وہٰذہ الحالۃُ ہُو المُعتبَرُ
بالفناء۔

وسیر[2] فی اللہ عبارت از حرکت علمیہ است
در مراتب وجوب از اسماء وصفات وشیون و
اعتبارات وتقدیسات وتنزیہات اِلیٰ اَنْ
یَنْتَہِیَ الی المرتبۃ التی لا یمکن التعبیر
عنہا ولا یشار الیہا باشارۃ ولا تتسمّیٰ
باسم ولا تکنّیٰ بکنایۃ ولا یعلمہا عالم
ولا یدرکہا مدرک وہذا السیر ہو المسمّیٰ
بالبقاء۔

مراد ہے، اس میں سالک علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ تک پہنچتا ہے پھر اس علم اعلیٰ سے اور اعلےٰ تک پہنچتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام علوم ممکنات کو لپیٹ دینے اور ان کے پوری طرح ختم ہو جانے کے بعد علم واجب تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

سیر فی اللہ حرکت علمی سے عبارت ہے مراتب وجوب میں اسماء، صفات، شیون، اعتبارات، تقدیسات اور تنزیہات سے اس میں سالک ایک ایسے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں اور اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے نہ کنایہ، وہ کسی نام سے موسوم ہے نہ اس کو کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی اس کو ادراک کر سکتا ہے، اس سیر کو بقاء سے موسوم کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۷۸

ونیز صاحب مثنوی می گوید ؎

نان چوں در سفرہ است باشد آں جماد
در تنِ مردم شود آں رُوحِ شاد
در دل سفرہ نہ گردد مستحیل
مستحیلش جاں کند از سلسبیل
قوت جان است ایں اے راست خواں
تا چہ باشد قوت آں جانِ جاں
گوشت پارہ آدمی از زورِ جاں
می شگافد کوہ را وبحر وکاں
زورِ جانِ کوہ کن شق الحجر
زورِ جانِ جاں دراں شق القمر

خوان میں روٹی تھی اک شئی جماد
پیٹ میں جا کر بنی وہ روح شاد
خوان میں بدلے نہیں جب تک رہے
جان بدلے اس کو بس اک آب سے
جان کی قوت ہے جب اس قدر
جانِ جاں کی پھر ہو قوت کس قدر
مرد پارہ گوشت ہے بافضل جاں
پھاڑتا ہے کوہ کو باجر وکاں
زورِ جاں فرہاد کا شق الحجر
زورِ جانِ جاں کا ہے شق القمر

شئی جماد غیر متحرک چیز
کوہ پہاڑ
بحر دریا
کان معدن
حجر پتھر

---

[1] واں را تجرید گویند بحری گوید ؎ تجرید تمام ہے فنا پر۔ اس کو تجرید کہتے ہیں۔ بحری کہتے ہیں ؎ تجرید تمام ہے فنا پر۔

[2] در بیانِ توحیدِ تام شیخ بحری می گوید ؎ توحید تمام ہے انا پر۔ توحیدِ تام کے بیان میں نیز علامہ محمود بحری کہتے ہیں ؎ توحید تمام ہے انا پر۔

وسیر عن اللہ باللہ کہ سیر ثالث است عبارت از حرکت علمیہ است کہ از علم اعلیٰ بعلم اسفل فرود می آید از آں اسفل با سفل دیگر الی ان یرجع الی الممکنات رجوع القہقریٰ وینزل عن علوم مراتب الوجود کلہا وھو الذی نسی اللہ باللہ ورجع عن اللہ مع اللہ فھو الواجد الفاقد وھو الواصل المھجور وھو القریب البعید۔

وسیر رابع کہ سیر در اشیا است عبارت از حصول علوم اشیا است شیئاً فشیئاً بعد زوال علوم الاشیاء کلہا فی السیر الاول۔ فالسیر الرابع مقابل للسیر الاول والسیر الثالث للسیر الثانی کما تریٰ۔ وسیر الی اللہ وسیر فی اللہ از برائے تحصیل ولایت است کہ عبارت از فنا و بقا است وسیر ثالث و رابع از برائے حصول مقام دعوت است کہ مخصوص بانبیاء و رسل است صلوات اللہ تعالیٰ و

سیر عن اللہ باللہ: تیسری سفر ہے جو حرکت علمی سے عبارت ہے، اس میں سالک علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف پھر اس اسفل سے دوسرے اسفل کی طرف چلتا ہے یہاں تک کہ وہ ممکنات کی طرف لوٹ آتا ہے اور مراتب وجود کے علوم سے اتر آتا ہے، یہ وہی ہے جو بھول گیا اللہ کو اللہ سے اور رجوع کیا اللہ سے اللہ کے ساتھ، اس مرتبہ میں سالک پانیوالا بھی ہے اور کھونیوالا بھی، واصل بھی ہے مہجور بھی، قریب بھی

یہ چوتھی سیر اشیاء میں ہوتی ہے۔ سالک کو سیر اول میں جن اشیاء کے علوم حاصل ہوئے تھے ان کے زوال کے بعد بتدریج اشیاء کے علوم حاصل کرنے سے عبارت ہے معلوم ہوا کہ چوتھی سیر پہلی سیر کے مقابل ہے۔ اور تیسری سیر دوسری سیر کے مقابل ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفس ولایت کے حصول کیلئے ہے جس کو فنا اور بقاء کہتے ہیں۔ تیسری سیر اور چوتھی سیر مرتبہ دعوت کے حصول کیلئے ہے جو انبیاء و مرسلین کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی

سلہ وایں سیر مع سیر دویم و سیوم در ذکر اللہ للعبد داخل است شیخ عبدالکریم جیلی در کلمۂ بیست و یکم چہل کلمات می فرماید۔

الذکر ھو عبارۃ عن الرجوع من الغفلۃ الی الحضور علی الجملۃ وھو علی مراتب۔ ذکر اللسان[۱] وذکر القلب[۲] وذکر الروح[۳] وذکر السر[۴] وذکر الجملۃ[۵] وذکر اللہ و پس از بیان اذکار خمسہ سابقہ می نگارد واما ذکر اللہ للعبد فھو اعلیٰ مراتب الذکر۔ قال اللہ تعالیٰ فاذکرونی اذکرکم وقال اللہ تعالیٰ ولذکر اللہ اکبر یعنی ذکر اللہ لکم اکبر من ذکرکم لہ لان ذکر العبد للہ یفنیہ عن نفسہ۔ وذکر اللہ لہ یبقیہ فان العبد یحصل بہ فی مقام البقاء والبقاء اول وصف یتصف بہ العبد من صفات اللہ تعالیٰ فیکون باقیاً ببقاء اللہ عزوجل وفی ھذا المقام قال من قال انا الحق وسبحانی ما اعظم شانی۔ فافہم ۱۲

اور یہ سیر، سیر دوم اور سوم کے ساتھ ذکر اللہ للعبد میں داخل ہے۔ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ "چہل کلمات" کے اکیسویں کلمہ میں فرماتے ہیں۔ ذکر غفلت سے حضوری کی طرف لوٹنے کا نام ہے۔ بالجملہ اس کے چند مراتب ہیں۔ ذکر لسان۔ ذکر قلب۔ ذکر روح۔ ذکر سر۔ ذکر جملہ۔ و ذکر اللہ۔ اگلے پانچ اذکار کے بعد لکھتے ہیں اللہ کا بندہ کو یاد کرنا یہ ذکر کا بلند مرتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا" نیز ارشاد باری ہے اور البتہ اللہ کا ذکر افضل ہے۔ یعنی اللہ کا تمھیں یاد کرنا افضل ہے تمھارے اس کو یاد کرنے سے۔ کیونکہ بندے کا اللہ کو یاد کرنا فنا کر دیتا ہے بندہ کو اپنی ذات سے۔ اللہ کا بندے کو یاد کرنا اس کو باقی کر دیتا ہے کیونکہ بندہ اس ذکر سے مقام بقا حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں بقا پہلا وصف ہے جس سے بندہ متصف ہوتا ہے، وہ اللہ عزوجل کی بقا سے باقی ہو جاتا ہے، اسی مقام میں کہنے والے نے کہا "میں خدا ہوں، پاکی ہے

تسلیمات علی جمیعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً
و متابعانِ کُمّلِ انبیاء را علیہم الصّلوات والتّسلیمات
از مقامِ دعوت نیز نصیب است کما قال اللّٰہ
تعالیٰ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى
بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔ انتہیٰ

و بعضی سہ سفر قرار دادہ اند اول و
دویم در قوسِ عروجی است۔ اول را سیر الی اللّٰہ
گویند و دویم را سیر فی اللّٰہ۔ وسیوم در قوس
نزولی۔ چنانچہ قیصری در شرح فصِّ آدمیہ اشارت
ازیں سہ سفر می فرماید حَیْثُ لَا یَجْعَلُ الْاِنْسَانُ
خَلِیْفَۃً وَقُطْبًا اِلَّا عِنْدَ اِنْتِہَاءِ السَّفَرِ
الثَّالِثِ۔ انتہیٰ ــ و ایں سفرِ ثالث ہموں
سفرِ رابع است کہ از اصطلاحاتِ کاشیؒ
منقول گردید پس ازاں باید دانست کہ قیصریؒ
در شرحِ بیت دو صد و ہشتم قصیدۂ تائیہ فارضیہ
می فرماید السفر من الحق الی الخلق مقابل
للسفر الاول فانّہ من الخلق الی الحق
والسفر الثانی فی الحق بالحق والثالث من
الحق الی الخلق بالحق والرابع فی الخلق بالحق
وھو نہایۃ مقام الاقطاب۔ واللّٰہ اعلم۔ انتہیٰ
دریں جا سفرِ ثالث مقابلِ سفرِ اوّل است
و در قولِ امام ربّانیؒ مقابلِ سفرِ ثانی کما مرّ انفاً
امّا وجہِ تقابل ہر یکی دیگر است۔ کما لا یخفی

اور افضل الانبیاء پر خصوصاً ہوں، نیز انبیاء علیہم السلام کے
کامل متبعین کو بھی مقامِ دعوت سے کچھ حصہ ملتا ہے جیسا کہ
ارشادِ باری تعالیٰ ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اور میرے متبعین
بصیرت پر اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔

بعض صوفیاء کرامؒ نے تین سفر قرار دیا ہے۔ پہلا
اور دوسرا سفر قوسِ عروجی میں ہوتا ہے۔ پہلے سفر کو سیر
الی اللہ اور دوسرے سفر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ تیسرا
سفر قوسِ نزولی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قیصری علیہ الرحمہ
نے فصِّ آدمیہ کی شرح انہی تین سفروں کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے فرمایا ہے" انسان جب تک تیسرے سفر کی انتہا
پر نہیں پہنچا اس کو نہ خلیفہ بنایا جاتا ہے نہ قطب۔ یہ تیسرا
سفر وہی چوتھا سفر ہے جو حضرت کاشی علیہ الرحمہ کی اصطلاحات
سے منقول ہے۔ اس کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ حضرت قیصریؒ
قصیدۂ تائیہ فارضیہ کے دو سو آٹھویں شعر کی شرح میں
فرماتے ہیں کہ حق سے خلق کی جانب کا سفر، سفرِ اوّل کا
مقابل ہے کیونکہ سفرِ اوّل خلق سے حق کی جانب،
دوسرا سفر حق میں حق کے ساتھ، تیسرا سفر حق سے
خلق کی طرف حق کے ساتھ اور چوتھا سفر خلق میں حق کے
ساتھ ہوتا ہے، یہ مقامِ اقطاب کی نہایت ہے۔ واللہ اعلم۔
اس جگہ تیسرا سفر پہلے سفر کے مقابل ہے۔ مگر حضرت
امام ربانیؒ کے ارشاد کے مطابق دوسرے سفر کے
مقابل واقع ہوتا ہے، جیسا کہ ابھی گذرا لیکن ہر ایک کے تقا

علی المتأمل فلا منافاۃ بینھما۔

ونیز باید دانست کہ سیر الی اللہ عبارت است از رسیدن سالک تا اسمی کہ سالک مظہر[1] آں اسم است وسیر فی اللہ عبارت است از سیر سالک دراں اسم کہ سالک مظہر آں اسم است وایں سیر فی الحقیقت متحقق شدن است بکمالاتے کہ مندرج دراں اسم است زیرا کہ ہر اسم الٰہی متضمن جمیع اسماء وصفات است وسیر الی اللہ منتہی می شود وسیر فی اللہ انتہا پذیر نیست[2]۔ کذا فی سلوک القادریہ لمولوی رفیع الدین قندھاری[3]۔

ونیز باید دانست کہ تجلی ذات عبارت از ظہور حضرت ذات است تعالیٰ وتقدس وحضور آں سبحانہ بے ملاحظہ اسماء وصفات و شیون واعتبارات وآنرا تجلی برقی گفتہ اند یعنی لمحہ یسیر ارتفاع شیون واعتبارات متحقق می شود باز درپردۂ شیون واعتبارات متواری می گردد پس بریں تقدیر حضور بے غیبت

کی وجہ جداگانہ ہے جو صاحب غور وفکر سے پوشیدہ نہیں کیونکہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

نیز یہ جاننا چاہیے کہ سالک جس اسم کا مظہر ہوتا ہے، اس اسم تک اس کی رسائی کو "سیر الی اللہ" کہتے ہیں، اور سالک جس اسم کا مظہر ہے اس میں سیر کرنے کا نام "سیر فی اللہ" ہے، درحقیقت اس سیر میں سالک کا ان کمالات سے متحقق یعنی متصف ہونا ہے، جو اسم میں پائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک نام تمام اسماء وصفات کو شامل سیر الی اللہ کے لئے انتہا ہے، لیکن سیر فی اللہ انتہا کو قبول نہیں کرتی۔ اسی طرح حضرت مولوی رفیع الدین قندھاریؒ کی تصنیف "سلوکِ قادریہ" میں مرقوم ہے۔

جاننا چاہیے کہ تجلی ذات سے مراد ظہورِ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس ہے، اس ذات حق سبحانہ کا حضور بلالحاظ اسماء، صفات، شیون اور اعتبارات اس کو "تجلی برقی" کہتے ہیں۔ یعنے پلک جھپکنے سے بھی کم میں شیون واعتبارات کا ارتفاع ثابت ہوتا ہے پھر انھیں شیون واعتبارات کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔ اس صورت میں حضور بے غیبت

---

[1] چہ سالک را اولاً فنائی است دراں اسم وبایں فنا سفر اول تمام می شود وبعد ازاں بقائی است باں اسم وایں بقا در سفر دوم است۔ وبایں فنا وبقا آنا او ازاں ظل زائل گشتہ برآں اصل کہ فنا وبقا در وے حاصل گشتہ است اطلاق خواہد یافت وسند ایں مقدمہ از قول امام ربانیؒ وغیرہ در فائدہ نہم ودہم وغیرہما باید طلبید۔

[2] چہ در ہر اسم ذات بصفتی ظاہر است وذات جامع جمیع کمالات بود وکمالات ذات انتہا پذیر نیست۔

[3] موضعی است در دکن۔

[1] کیونکہ سالک کو اولاً اس اسم میں فنا ہے۔ اس سے سفر اول تکمیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسی اسم کے ساتھ بقا ہے اور یہ بقا دوسرے سفر میں ہوتی ہے۔ اس فنا وبقا سے اس کی انا اس ظل سے زائل ہو کر اس اصل کے ساتھ جس میں فنا وبقا حاصل ہوئی ہے اطلاقیت چاہے گی۔ اس مقدمہ کی سند حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے قول سے فائدہ نو اور دس وغیرہ میں دیکھئے۔

[2] کیوں کہ ہر اسم میں ذات ایک صفت سے ظاہر ہے اور ذات تمام کمالات کو جامع ہے۔ اس کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔

[3] حیدرآباد دکن کا ایک موضع ہے۔ اس کا ضلع ناندیڑ ہے۔

متصور نہ باشد بلکہ لمح یسیر حضور است و اغلب
اوقات غیبت۔ پس ایں نسبت نزد ایں عزیزان
معتبر نباشد[1] و حال آنکہ ایں تجلی را مشائخ
سلاسل دیگر نہایت النہایت گفتہ اند و ہر گاہ ایں
حضور دوام پذیرد، و اصلا استتار قبول نہ کند۔
ہموارہ بے پردہ اسماء و صفات و شیون و
اعتبارات متجلی شود، حضور بے غیبت خواہد بود۔
کذا فی مکتوب السابع والعشرین من الجلد
الاول للامام ربانی۔

و نیز باید دانست کہ سالک در حال بقا
نیز اختلاف بسیار دارد و شیخ عبدالکریم جیلی در
چہل کلمات می فرماید اعلم ان البقاء ھو
عبارۃ عن اصفۃ الٰہیۃ یتصف بہا العبد
بعد فنائہ عن نفسہ والناس فی مقام
البقاء علی درجات فمنھم من ھو مع اللہ
بصفۃ او صفتین ومنھم من ھو بصفات
کثیرۃ ومنھم من ھو باسماء المراتب و
منھم من ھو معہ بالجمال ومنھم من ھو
معہ بالکمال۔ فمن کان معہ بصفۃ او
صفتین لا یشترط فیہ زوال احکام البشریۃ
من کل جھۃ بل یکفی ذلک اذا فنی ھو عنہا
بغیوبتہ فی اللہ فانہ اذا تحقق غیبوبتہ
یتجلی اللہ فیہا غیبۃ عنہ فیرجع الی نفسہ
فی البقا ۱۲

۱؎ بلکہ نقشبندیہ نیز اعتبار کردہ اند و جامیؒ در نقد النصوص
ایں نسبت را بقلم آوردہ است

کا تصور بھی نہیں ہو سکتا بلکہ لمح یسیر حضور ہے، اور
بسا اوقات غیبت ہوتی ہے۔ یہ نسبت اصحاب نقشبندیہ
کے نزدیک معتبر نہیں۔ حالاں کہ دوسرے سلاسل کے مشائخ
کرام نے اس تجلی کو انتہائی قرار دیا ہے۔ جب کبھی یہ حضور
دوام کو قبول کرلیتا ہے، ہرگز پوشیدگی کو قبول نہیں کرتا
ہمیشہ بلا پردہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات
متجلی ہوتا ہے تو حضور بے غیبت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
امام ربانیؒ کے جلد اول کے ستائیسویں مکتوب
میں لکھا ہے۔

جاننا چاہیے کہ سالک حالت بقاء میں کئی ایک
اختلاف سے دوچار ہوتا ہے، حضرت شیخ عبدالکریم جیلی
اپنی کتاب چہل کلمات میں فرماتے ہیں:- بقاء صفات
الٰہی سے متصف ہونے کا نام ہے۔ بندہ اپنی ذات سے
فانی ہونے کے بعد ہی صفات الٰہی سے متصف ہوتا
ہے۔ مقام بقاء پر فائز ہونے کے بعد لوگوں کے درجے
مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اللہ کے ساتھ
ایک یا دو صفت میں ہوتے ہیں۔ بعض کثیر صفات کے
ساتھ بعض مراتب اسماء کے ساتھ بعض اس کے ساتھ
جمال میں اور بعض اس کے ساتھ کمال میں ہوتے ہیں
جو اس کے ساتھ ایک یا دو صفت میں ہوتا ہے، اس کے
لئے بالکلیہ احکام بشریت کے زوال کی شرط نہیں لگائی جائیگی
اس کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنی ذات کو فنا کرکے ذات رب میں
غائب ہو جائے جیسے ہی اس کا غائب ہونا ثابت ہو جائیگا اللہ تعالے

بلکہ حضرات نقشبندیہ بھی اس نسبت کا اعتبار کیے ہیں، اور
حضرت جامیؒ نے نقد النصوص میں اس نسبت کا ذکر فرمایا ہے۔

باللہ ویعرف نفسہ بغیر تلك المعرفۃ التی کان یعرفھا بھا فی مقام الفناء (فی الفرق الثانی ۱۲) لانہ کان یعرف نفسہ بالعدم وصار (اللہ ۱۲) یعرفھا بالوجود المطلق وسببہ ظھور الحق لہ فیھا من غیر حلول فلاجل ذلك ذلك یبقی ببقاء اللہ لان امرہ اذ ذاك منسوبٌ الی اللہ فھو الباقی۔ واما من یکون مع اللہ بالکمالات الالھیۃ فشرطہ زوال احکام البشریۃ واثارھا۔ انتھٰی

اما سالک واصل درنہایت سفر سیوم قوسِ عروجی ببقاء کامل مشرف می شود و بوراثت سیّد الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بمقام اَو اَدنیٰ کامیاب می گردد (کہ نہایت ولایت است ۱۲) — ذٰلك فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ واللہ ذوالفضل العظیم۔

متجلّی ہوگا۔ سالک اللہ کے ساتھ اپنی ذات کی طرف لوٹتا ہے اور اپنی ذات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اس معرفت کے برخلاف جو اس کو مقامِ فنا میں حاصل تھی۔ کیونکہ وہ اس میں اپنی ذات کو باعتبارِ عدم پہچانتا تھا۔ اب اس کو اپنی ذات کی معرفت وجودِ مطلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس معرفت کا سبب بغیر کسی حلول کے ظہورِ حق تعالیٰ ہے، اسی لئے سالک باقی باللہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو باقی رہنے والی ہے لیکن جو شخص کمالاتِ الٰہی سے اللہ کیساتھ ہوتا ہے اس کیلئے بشریت اور اس کی علامتوں کا زوال شرط ہے۔

غرض سالک واصل قوس عروجی کے تیسرے سفر کی انتہاء پر بقاء کامل سے مشرف ہوجاتا ہے اور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی وراثت سے مقام اَو ادنیٰ (یعنے مقام نہایت ولایت) سے سرفراز ہوجاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کیونکہ اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔